سچی کہانی

لاہور

ستمبر 2014

قیمت 60 روپے

سچی کہانی لاہور

ستمبر 2014ء

قیمت=60 روپے



خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، پراسرار، حیرت ناک
جرائم پر مبنی اور جاسوسی کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور



چیف ایڈیٹر۔ ایم اے زاہد
ایڈیٹر۔ طاہر امین
ایڈیٹر معاون۔ محمد سرور بھٹی (اعزازی)
لیگل ایڈوائزر۔ حبیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)



جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 9
ستمبر 2014ء

مالک و ... طاہر امین
پرنٹر پبلشر ... محمد سرور بھٹی
قیمت فی شمارہ = 60 روپے
سالانہ قیمت بذریعہ رجسٹری = 1000 روپے

قلمی معاونین

- .... محمد رضوان قیوم
- .... مس کرن
- ....
- .... فدا شاہین بھٹی
- .... رفعت محمود
- .... تسنیم امتیاز

مقام اشاعت: [illegible] 2-A [illegible] 253 [illegible] لاہور

[illegible]
[illegible] 29 [illegible] 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 10

قرآن مجید

قرآن مجید میں استعمال ہونے والے کل حروف تہجی 323760 ہیں۔

قرآن مجید میں استعمال ہونے والی کل زبر 53223 ہیں۔

قرآن مجید میں استعمال ہونے والے کل نقطے 1050030 ہیں۔

قرآن مجید میں استعمال ہونے والے کل الفاظ 86430 ہیں۔

قرآن مجید میں استعمال ہونے والی کل شدیں 1253 ہیں۔

قرآن مجید کی کل سورتیں 114 ہیں۔

قرآن مجید کی مکی سورتیں 86 ہیں۔

قرآن مجید کی مدنی سورتیں 28 ہیں۔

قرآن مجید کی کل آیات 6666 ہیں۔

قرآن مجید کے کل رکوعات 540 ہیں۔

قرآن مجید کے کل پارے 30 ہیں۔

قرآن مجید کی کل منازل 7 ہیں۔

قرآن مجید کا کل عرصہ نزول 22 سال 5 ماہ 14 دن ہیں۔

قرآن مجید میں 26 انبیائے کرام کا ذکر آیا ہے۔

قرآن مجید میں 12 ازواج مبارک کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ "اللہ" ہے جس کی تعداد 488604 ہے۔

قرآن مجید میں سب سے کم استعمال ہونے والا لفظ "ظ" ہے۔

قرآن مجید میں لفظ "اللہ" 2584 مرتبہ آیا ہے۔

قرآن مجید میں "محمد الرسول اللہ" 25 مرتبہ آیا ہے۔

قرآن مجید کی طویل سورۃ "البقرہ" ہے۔

قرآن مجید کی مختصر سورۃ "الکوثر" ہے۔

قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ "علق" ہے۔

قرآن مجید کا دل سورۃ "یٰسین" کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سردار آیت "آیت الکرسی" ہے۔

قرآن مجید میں "عروس قرآن" سورۃ رحمٰن کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں "ام القرآن" سورۃ فاتحہ کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید کے لفظی معنی "پڑھا ہوا" ہے۔

قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے 99 اسمائے گرامی ہیں۔

قرآن مجید میں حضور اکرمؐ کے 102 اسمائے گرامی ہیں۔

قرآن مجید میں نماز جمعہ 28ویں پارے میں ہے۔

قرآن مجید کا موضوع "انسانیت" ہے۔

قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کی تاکید 700 مرتبہ کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی پہلی سات سورتوں کو "طوال" کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں 4 فرشتوں کے نام ہیں۔

قرآن مجید میں سب سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام آیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات فرشتہ "جبرائیل" لے کر آیا کرتے تھے۔

قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ 1293ء میں عزیز اللہ نے کیا۔

قرآن مجید کا بنگالی زبان میں ترجمہ 1349ء میں شاہ رفیع اللہ نے کیا۔

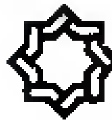
قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ 1669ء میں شیخ سعدی نے کیا۔

قرآن مجید کا روسی زبان میں ترجمہ 1776ء میں سیسف جیورز نے کیا۔

قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ 1912ء میں احمد شاہ نے کیا۔

قرآن مجید کا چینی زبان میں ترجمہ 1923ء میں [illegible] نے کیا۔

★ طاہرہ [illegible]





طالبان کی اپنی فیملی سمیت آمد اور حکومت کی اربوں روپے کی امداد

ساٹھ ہزار سے زائد بے گناہ لوگوں کے قاتل اور سینکڑوں بچیوں کے اسکول تباہ کرنے والے طالبان اپنے خاندان اور فیملی کے ساتھ مظلوم بن کر پاکستان میں دس لاکھ کے قریب آچکے ہیں۔ ان کے خاندان کے سینکڑوں افراد ابھی تک پاک فوج کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں اور جبکہ ہماری حکومت ان کو اربوں روپے امداد دینے کے علاوہ ان کی حفاظت کر رہی ہے۔

پاکستان میں چولستان اور تھر کے علاوہ بہت سے ایسے علاقے موجود ہیں جہاں لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی تک میسر نہیں ہے اور حکومت نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا جبکہ طالبان کے خاندانوں کے لیے تمام بنیادی سہولتیں ہنگامی بنیادوں مہیا کر دی گئی ہیں۔ جبکہ طالبان آج بھی پاک فوج کے نڈر بہادر جوانوں کو شہید کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی ظاہر ہو چکی ہے کہ طالبان ہمارے دشمنوں کے آلہ کار ہیں اور ہمارے ملک کے آئین اور قانون کو تسلیم نہیں کرتے..... حکومت ان کے خاندانوں کو تحفظ اور امداد دے رہی ہے۔ ایسی صورت حال کے پیش نظر طالبان کی سرگرمیاں کبھی بھی ختم نہیں ہوں گی اور بے گناہ افراد ان کے ہاتھوں قتل ہوتے رہیں گے۔

میں نے ڈھانچے کو دیکھا۔ سوکھی ہوئی ہڈیاں گوشت سے پر ہو گئی تھیں۔
ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ گورا گورا سفید گلابی آہ کتنا خوبصورت بدن تھا

روح کی واپسی

تحریر...... مس کرن

یہ ڈھانچہ......یہ ڈھانچہ...... مجھے گزرے ہوئے کچھ واقعات یاد آنے لگے اور میری نگاہیں پہاڑ کی دیوار کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھتی چلی گئیں۔ تب میں نے پہاڑ کی اس چوٹی کو دیکھا جو بہت ہی بلند تھی اور اس چوٹی پر مجھے کچھ نظر آیا۔

ہاں...... وہ شاید میں ہی تھی جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی اس کی گہرائیوں میں پھیلی اس وادی کو دیکھ رہی تھی۔ لیکن میرے نزدیک کوئی بھی نہ تھا۔ ''کون ہے یہ...... ؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوچا۔ تب مجھے شاہد نظر آیا۔

''اوہ ہاں......'' وہ شاہد ہی تو تھا۔ شاہد میرا شوہر...... میں نے خوفزدہ نگاہوں سے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا اور تب ہی ایک بھیانک چیخ میرے کانوں میں لہرا گئی۔

اس دن بارش ہو رہی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ آسمان پر سیاہ گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آ رہی تھیں اور بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ یہ موسم بڑا جانفزا ہوتا ہے اور ایسے موسم میں نہ جانے کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔

ایک انسانی بدن اس پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گر رہا تھا۔ فضا میں لڑھکنیاں کھاتا ہوا گہرائیوں کی جانب آ رہا تھا۔ میں نے چاہا میں لپک کر اس بدن کو پکڑ لوں...... یہ میرا ہی جسم تو تھا...... زندگی سے بھرپور جوانی کی رعنائیوں سے سجا ہوا۔

نوی نے بجلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کی پیش کش کی تو نہ جانے کیوں میں اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

بھوری چٹانیں پانی میں نہا کر نکھر رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے تمام گڑھے بھر گئے تھے۔ جل تھل ہو رہے تھے اور حشرات الارض زمین کے سوراخوں سے باہر نکل آئے تھے تا حد نگاہ پانی کے دھوئیں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نوی کے ساتھ فضا میں چل رہی تھی۔ کہ دفعتاً اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''تمہی! وہ دیکھو وہ کیا ہے؟'' میں نے اس کے اشارے کی سمت دیکھا تو ایک بلند و بالا سیاہ پہاڑ کے دامن میں سوکھی ہوئی ہڈیوں کا ایک پنجر پڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے پانی جمع ہو چکا تھا اور وہ ادھر ادھر تیر رہا تھا۔ نوی پھر پھڑ پھڑاتا ہوا نیچے اتر گیا۔ وہ اس ڈھانچے سے کچھ فاصلے پر پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور پانی میں بہتے ہوئے اس ڈھانچے کو بغور دیکھنے لگا۔ کمینہ اسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ میں اس کے نزدیک جا



کھڑی ہوئی' لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن پر ایک بوجھ سا طاری ہو گیا۔ میں خود کو مضطرب محسوس کر رہی تھی۔

نادیدہ ہاتھ اس وجود کو نہ پکڑ سکے...... میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے دامن میں بہتے ہوئے ایک برساتی نالے میں آ گرا۔ یہی نالہ تھا جس میں اب بارش کی وجہ سے پانی بھر گیا تھا۔ اس وقت بھی شاید بارش ہو چکی تھی اور برساتی نالہ اپنے جوبن پر تھا۔ انسانی بدن اس نالے میں آ گرا۔

میں اس سے الگ کھڑی ہوئی تھی اور میری نگاہوں میں تاسف کے آثار تھے۔ تب ہی نوی کی کریہہ چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ میں خیالات سے باہر آ گئی۔

"شمی...... شمی...... کیا سوچنے لگیں......؟"

"کچھ نہیں نوی! کوئی خاص بات نہیں۔"

"شمی! دیکھو یہ انسانی ڈھانچہ کس طرح پانی کی لہروں سے کھیل رہا ہے۔ شمی! آؤ کیوں نہ ایک تجربہ کریں۔" نوی نے حسب معمول پھر ایک تجویز پیش کر دی۔

"کیسا تجربہ......؟" میں نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"تم اس ڈھانچے میں داخل ہو جاؤ' دیکھیں تو سہی اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے......؟"

"او نہیں...... میں ایسی غلیظ چیزوں کو پسند نہیں کرتی۔ اگر مجھے ایسا ہی کوئی بدن حاصل کرنا ہوتا تو تمہاری طرح کسی چمگادڑ کا بدن حاصل کر لیتی اور فضا میں تمہارے ساتھ پرواز کرنے لگتی...... لیکن مجھے ایسے منحوس بدن پسند نہیں ہیں۔ چھی...... چھی کبھی اپنے آپ کو دیکھو تو فوراً اس خول سے نکل بھاگو۔" میں نے کہا اور نوی پھر چیخنے لگا۔

"تم تو بس شمی! انوکھی ہو...... ارے یہ بدن کیا حیثیت رکھتے ہیں ہمارے لیے۔ جب چاہو چھوڑ دو اور اس سے نکل کر کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن ہر جگہ ایک ہی کیفیت ملتی ہے۔ شمی! مان لو میری بات ذرا تجربہ ہی سہی...... دیکھیں تو سہی کہ اس جسم میں داخل ہو کر تمہاری کیا کیفیت ہوتی ہے؟"

نوی نے مجھے کچھ اس طرح مجبور کیا کہ میں تیار ہو گئی۔ آگے بڑھ کر میں نے اس پانی پر تیرتے ہوئے انسانی ڈھانچے کو پکڑ لیا۔ چاروں طرف سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اسے پانی میں سے کھینچ لیا۔ اگر یہ برساتی نالہ پوری طرح بھر جاتا تو یہ پانی اس انسانی ڈھانچے کو لے کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔ بہر حال میں نے نوی کی ہدایت پر عمل کیا اور اس ڈھانچے میں داخل ہو گئی۔

عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ ڈھانچے میں داخل ہوتے ہی اس کے خلا پر ہونے لگے۔ ہڈیوں کے درمیان کھال پیدا ہونے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے میں اس حصار میں بند ہو گئی۔ میں نے چیخ چیخ کر نوی کو آوازیں دیں...... لیکن نوی کے قہقہے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ تب میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"شریر آدمی ہمیشہ ایسی ہی فضول حرکتیں کرتے رہتے ہو تم۔ میں باہر آ رہی ہوں۔"

"ارے نہیں...... نہیں شمی! سنو تو سہی۔ آخر ایسی کیا جلدی ہے جب چاہو اس سے باہر آ سکتی ہو...... تم قیدی تو نہیں بن گئیں...... دیکھو کیسی انوکھی تبدیلیاں ہو

رہی ہیں اس میں۔ واؤ اس پر تو گوشت آتا جا رہا ہے۔ بڑا دلچسپ تجربہ ہے شمی......!''

میں نے ڈھانچے کو دیکھا۔ سوکھی ہوئی ہڈیاں گوشت سے پر ہو گئی تھیں۔ ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ گورا گورا سفید گلابی آہ کتنا خوبصورت بدن تھا...... لیکن لباس سے بے نیاز۔ مجھے شرم آنے لگی۔ انوکھے ہوتے ہیں یہ بدن...... نہ جانے کیسے کیسے بوجھ لاد لیتے ہیں خود پر۔

''نوی! کمینے! اپنا رخ بدل لو۔ ورنہ میں باہر آ جاؤں گی۔''

''میں سمجھ گیا۔ تمہیں بے لباسی کا احساس ہو رہا ہے۔ انسانی بدن میں بس یہی خرابی ہے۔ وجود میں آتے ہی مصنوعی ضرورتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر ہم اس تجربے کو مکمل کریں گے۔ تم چند لمحے توقف کرو۔ میں ابھی تمہارے لیے لباس مہیا کرتا ہوں۔''

نوی نے اپنے بدن کو تولا اور فضا میں بلند ہو گیا۔ میں برساتی نالے سے ہٹ کر اس چٹان پر آ بیٹھی جہاں تھوڑی دیر قبل نوی بیٹھا ہوا تھا۔ پانی کی بوندیں میرے بے لباس جسم کو بھگو رہی تھیں۔ لمبے لمبے بال ذرا سی دیر میں بھیگ کر میری گردن اور سینے پر آ پڑے تھے۔ میں ان لمبے بالوں سے اپنے بدن کو چھپانے کی سعی...... حالانکہ یہاں کوئی نہیں تھا لیکن بس ایک احساس، ایک فطری احساس مجھے شرم دلا رہا تھا۔

فضا میں نوی اڑتا ہوا نظر آیا اور میں سمٹ گئی۔

اس نے ایک لباس میرے اوپر ڈال دیا۔

''نوی! اب تم یہاں سے تھوڑی دور چلے جاؤ تاکہ میں یہ لباس پہن لوں۔'' میں نے کہا اور نوی نے مجھ سے یہ اخلاقی تعاون کیا۔ تب میں نے لباس پہن لیا۔

''اب میں تمہارے پاس آ سکتا ہوں......؟''

نوی کی آواز ابھری اور میری اجازت سے وہ میرے پاس آ گیا۔ اس نے شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اپنے نوکیلے بھیانک دانت نمایاں کر دیئے۔

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟'' میں غصیلے انداز میں بولی۔

''وہ...... نہیں شمی......! یقین کرو ایسی بات نہیں ہے۔ تم بہت خوبصورت نظر آ رہی ہو۔ کیا یہ تجربہ انوکھا نہیں تھا۔ سوکھی ہوئی ہڈیوں کا پنجر ایک دم سرسبز و شاداب ہو گیا۔''

''ہونا ہی تھا۔ مٹی کے اس وجود میں روح کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ ساری شادابی روح کی ہوتی ہے۔ تم یہ لباس کہاں سے لے آئے......؟''

''میری نہ پوچھو۔ میری دنیا ان کھنڈرات تک محدود نہیں ہے۔ میں تو نہ جانے کہاں کہاں گھومتا پھرتا ہوں۔ ان پہاڑوں سے کچھ دور سرسبز جنگلوں سے پرے ایک خوبصورت شہر آباد ہے۔ حسین عمارتوں کا شہر جہاں بے شمار لوگ رہتے ہیں۔''

''آہ...... میں اس شہر کو جانتی ہوں۔ میں نے وہاں 20 سال گزارے ہیں۔ مجھے وہ شہر یاد ہے۔''

''کیا وہ تمہارا شہر تھا......؟''

''ہاں...... وہ میرا شہر ہے۔'' مجھے اپنے دل میں حسرتیں تڑپتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا یاد آتا جا رہا تھا...... ذہن کے دریچے کھل رہے تھے اور ان سے یادوں کی ہوا آ رہی تھی۔

"کیا تمہارے دل میں اس شہر کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو نہیں جاگتی؟" نوبی نے پوچھا اور پھر جلدی سے بولا۔ "اب تو تمہارے سینے میں دل ہوگا؟"

"آرزو......" میں نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

"کیوں...... کیا تمہارے احساسات نہیں جاگے؟ کیا تمہارا دل اب بھی مردہ ہے......؟"

"نہیں نوبی!"

"اس شہر میں تمہارے اپنے لوگ ہوں گے۔ وہ سب ہوں گے جن کے درمیان تم رہی ہو؟"

"میرے اپنے......" میں حسرت بھری آواز میں بولی۔ "ہنے نوبی! مگر اب ان سے میرا کیا تعلق ہے۔ میرے اور ان کے رشتوں کے تو سارے دھاگے ٹوٹ چکے ہیں۔ میں فطرت سے بغاوت کی جرأت کہاں کر سکتی ہوں۔"

"بغاوت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا لیکن تفریحاً تجربتاً دیکھو تو سہی! وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ دیکھو تو سہی ان میں سے کوئی تمہیں یاد کرتا ہے یا سب بھول چکے ہیں۔ بس تفریحاً۔ پھر ہم وہاں سے چلے آئیں گے۔ بالآخر ہمیں انہی کھنڈرات میں آ جانا ہوگا۔"

یادوں کی ہوائیں تیز ہو گئیں اور ذہن کے دریچوں میں گزرا ہوا ماضی ابھرنے لگا۔ پھر میری آواز ابھری۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے نوبی! مگر کیا کروں ان لوگوں کے درمیان جا کر...... کوئی بھی نہیں ہے میرا اور کوئی ہو بھی تو اب ان میں میرا واسطہ کسی طور ممکن نہ تھا۔ دنیا سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔ پھر اس دنیا سے جی لگانے سے کیا فائدہ......؟ تم ہمیشہ ایسی ہی کوئی شرارت کرتے ہو لیکن یقین کرو تمہاری یہ شرارت میرے لیے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں نوبی! یہ بدن یہ انسانی ڈھانچہ جو نہ جانے کتنے عرصے کے بعد تم نے مجھے دکھایا ہے میرا اپنا ہی ہے۔ ہاں...... میں اسے بھول چکی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ کہاں پڑا ہوا تھا...... لیکن شاید میرا انتظار کر رہا تھا اور تمہاری شرارت نے مجھے ماضی کے تلخ یادوں میں دھکیل دیا۔ نوبی! مجھے اجازت دو کہ میں یہ ناپاک بدن چھوڑ دوں۔ جس کی کثافتیں مجھ پر مسلط ہو گئی ہیں۔ مجھے وہ آزادی پسند ہے نوبی! جو مجھے فطرت کی جانب سے ملی ہے۔ ہاں... میں آزاد رہنا چاہتی ہوں۔ میں یہ بدن چھوڑ رہی ہوں۔"

"ارے ارے سنو تو سہی، دیکھو یہ تو ہمارے دائرہ اختیار میں ہے۔ بھلا ہمیں یہ بدن چھوڑنے سے کون روک سکتا ہے۔ جن چیزوں سے ہمارا ناطہ کٹ چکا ہے اب ہمیں کوئی بھی ان سے رابطہ رکھنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ تو بس ایک تجربہ ہے۔ ایک تفریح ہے جس کے بارے میں ہم عرصہ تک باتیں کرتے رہیں گے۔ آخر کوئی نہ کوئی موضوع تو تلاش کرنا ہی ہوگا۔ پرانی باتیں دوہراتے دوہراتے کتنا وقت بیت چکا ہے۔"

"ہاں...... نہ جانے کتنا ...... شاید 25 سال پہلے ہی کی تو بات ہے۔ میں چھوٹی سی تھی۔ ہاں...... بڑا خوبصورت تھا میرا گھر...... حسین ترین اور وہ بوڑھا ابراہیم جواب نہ جانے کہاں ہے......؟ اور اب سے پہلے مجھے یاد نہیں آیا جسے میں نے کہیں

تلاش نہیں کیا۔ زمین کے ناطے وہ میرا باپ تھا۔ مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اس کی آنکھوں سے محبت طوفان بن کر امنڈتی تھی اور میں اس طوفان میں ڈوب جایا کرتی تھی۔ بے پناہ چاہتا تھا مجھے اور میں بھی اسے انتہائی چاہتی تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی تو تھی! کہ اسے میری ماں سے پیار تھا۔ اتنا چاہتا تھا وہ میری ماں کو۔ اس نے ان کا ساتھ چھوڑا تو وہ کئی سال تک ہسپتال میں داخل رہا...... نیم دیوانہ ہو گیا تھا وہ اور اگر میں اپنی ماں کے خدوخال اختیار نہ کرتی تو شاید اس کی یہ دیوانگی اسے بہت پہلے موت کی وادیوں میں لے جاتی۔ لیکن ڈاکٹروں نے مجھے اس کے سامنے پیش کیا، شاید یہ کوئی نفسیاتی علاج تھا اور مجھے دیکھ کر وہ پھر سے جی اٹھا۔ اس نے اپنی تمام محبتیں میرے لیے وقف کر دیں۔ یہ دوہری محبت تھی۔ میرے خدوخال اس کی محبوبہ سے ملتے تھے اور میں اس کی بیٹی تھی۔ یہ دونوں نسبتیں مجھے حاصل ہو گئیں اور وہ زندگی کی جانب لوٹ آیا۔

وہ دولت مند آدمی تھا۔ دولت کی کمی نہ تھی۔ اس کے ملازموں نے اس کا کاروبار اس کی عدم موجودگی میں بڑی جانثاری سے سنبھال رکھا تھا اور بعد میں بھی یہی ہوا۔

اس کی محبتیں میرے لیے وقف تھیں اور وہ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ زندگی میں کبھی اس نے کسی دوسری عورت کی آرزو نہ کی۔ بس میری ذات کا ایک ایک لمحہ اس کی زندگی تھا اور میں بھی اس محبت کرنے والے باپ کو بے پناہ چاہتی تھی۔

سو پھر یوں ہوا۔ زمانے کی ضرورتوں کا خیال اسے آیا۔ میں بڑی ہو چکی تھی اور میرے بدن کی رعنائیاں میری جوانی کی آمد کا اعلان کر رہی تھیں۔

سو اس نے سوچا کہ دستورِ زمانہ نبھانا ضروری ہے۔ مجھے بھی زندگی کے اس محور میں شامل کر دے جو ماہ و سال سے انسانوں کے گرد مسلط ہے۔ تو اس نے تلاش کیا میرے لیے کسی ایسے نوجوان کو جو دولت مند ہو اور میرے ساتھ اس کی کوٹھی میں زندگی گزارنا پسند کر لے۔ حالانکہ میرا باپ اس قدر دولت مند تھا کہ اگر وہ چاہتا تو میرے لیے بہت سے اچھے گھرانے مل سکتے تھے۔ ایسے گھرانے جو خوشی خوشی مجھے اپنا لیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شکل و صورت میں لاکھوں لڑکیوں میں ایک تھی اور لڑکی ہونے کے ساتھ ساتھ دولت بھی رکھتی تھی۔ جس کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے۔ لیکن نہ جانے میرے باپ کی سوچ کیسی تھی۔ وہ صرف ایسا لڑکا چاہتا تھا جو اس کی بیٹی کے ساتھ اسی کے گھر میں رہ سکے... اسے اپنی بیٹی سے جدا نہ ہونا پڑے اور یہ نوجوان شاہد تھا۔ وہ ہماری فرم کا منیجر ایک خوبصورت اور اسمارٹ نوجوان۔ میرے باپ کی نگاہ اس پر پڑی اور جب اسے معلوم ہوا کہ شاہد اس دنیا میں تنہا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ شاہد کو شیشے میں اتار لے گا۔ یہ شخص اس کے تصورات کے عین مطابق تھا۔

پھر یوں ہونے لگا کہ شاہد ہمارے گھر آنے لگا..... وہ فرم کے کاموں سے ہی آتا تھا۔ سہا سہا سا ڈرا ڈرا سا... میرے والد اپنے ملازمین کے ساتھ بہت سخت تھے اور ان کے سارے ملازم ان کی سخت مزاجی سے واقف تھے اس لیے ان سے خوف زدہ

رہتے تھے۔

پھر ایک شام میں نے اس خوفزدہ نوجوان کو دیکھا۔ میں اس وقت اپنی کوٹھی کے لان پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ میرے والد گھر پر موجود نہیں تھے۔ وہ نیلے رنگ کی ایک کار سے اترا۔ شربتی رنگ کے خوبصورت لباس میں ملبوس چھریرے بدن کا مالک' سیاہ وسیاہ بالوں کے خشک گچھے اس کے دودھ جیسے سفید چہرے پر خوب سج رہے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جوانی کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ میری طرف ہی آ گیا۔

''معاف کیجئے گا۔ سیٹھ ابراہیم صاحب گھر پر موجود ہیں؟''

''آپ کو نظر آ رہے ہیں؟'' میں نے سوال کیا اور میرے سوال پر وہ بوکھلا گیا۔

''م ... میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو ڈسٹرب کیا۔'' اس نے کہا۔

''کتنی بار معافی مانگیں گے آپ؟'' میں نے پوچھا اور وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

''پھر بولا۔

''آپ کون ہیں ؟''

''سیٹھ ابراہیم بہر طور نہیں ہوں۔'' میں اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''مس ابراہیم ہیں؟'' وہ مسکرایا۔

''اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے؟''

''دیکھئے خاتون! مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ سیٹھ صاحب گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔ اس سے قبل اگر آپ نے مجھے کسی قدر بدحواس کیا ہے تو وہ صرف سیٹھ صاحب کی وجہ سے۔ میں ان کے علاوہ کسی اور سے مرعوب نہیں ہوتا اور پھر آپ تو ڈرنے کی چیز ہی نہیں ہیں۔''

''بے تکلف ہونا چاہتے ہیں؟'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

''ہرج بھی کیا ہے۔ صرف اتنا بتا دیں کہ سیٹھ صاحب کتنی دیر میں آ ئیں گے تاکہ میرے رکنے کا جواز پیدا ہو جائے یوں بھی بہت ضروری کام ہے ان سے۔''

''مگر میں آپ سے بے تکلف نہیں ہو سکتی۔''

''میں مجبور نہیں کروں گا آپ کو۔''

''ڈیڈی ایک گھنٹے میں آ جائیں گے۔ انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔''

''گویا میرا اندازہ درست نکلا۔ آپ مس ابراہیم ہیں۔ خادم کو شاہد پرویز کہتے ہیں۔''

''آپ ڈرائنگ روم میں ان کا انتظار کریں۔ اندر چلے جائیں۔''

''اوہ ... وہاں گھٹن ہو گی۔ آپ اجازت دیں تو میں اس بنچ پر بیٹھ جاؤں؟'' اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور میں ناک سکوڑ کر خاموش ہو گئی۔ وہ مسکراتا ہوا بنچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ میں پھر چہل قدمی کرنے لگی۔ لیکن ذہن اسی کی طرف تھا۔ تب اس کی آواز ابھری۔

''آپ میرا قرض نہیں ادا کریں گی مس ابراہیم؟''

''کیا......؟'' میں نے غصے میں پوچھا۔

''میں نے آپ کو اپنا نام بتایا ہے۔ آپ پر بھی

فرض ہو گیا ہے کہ آپ اپنا نام مجھے بتائیں۔ یہ ایک طرح کا اخلاقی فرض ہے۔" اسی وقت ایک ملازم ہمارے پاس آ گیا۔

"شمی بی بی! چائے لگا دوں۔۔۔۔ یا صاحب کا انتظار کریں گی؟"

"انتظار کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"شاہد بابو! آپ کے لیے چائے لے آؤں؟"

ملازم اسے پہچانتا تھا۔

"ضرور فضل بھائی! میں انتظار نہیں کروں گا۔"

اس نے جواب دیا اور ملازم چلا گیا۔

میں اسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"یہ فضل تمہیں کیسے جانتا ہے۔۔۔۔؟"

"میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں مس شمی! خادم ہوں آپ کا۔ سیٹھ صاحب کی فرم کا منیجر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

ملازم کی وجہ سے اسے میرا نام معلوم ہو گیا تھا۔ کمینہ مجھے جلاتا رہا۔۔۔۔ چائے پیتا رہا۔۔۔۔ اس دوران میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ جیسے ہی اس نے چائے ختم کی ڈیڈی آ گئے۔ وہ وقت سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ میں کسی قدر جزبز ہو گئی تھی لیکن ڈیڈی کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ وہ اس سے بات کرنے لگے۔ انہوں نے اور چائے منگوائی تھی۔

کافی دیر تک وہ بیٹھا رہا۔۔۔۔ کچھ دیر کاروباری گفتگو ہوئی اور پھر ڈیڈی سے اجازت لے کر چلا گیا۔ میرے ذہن پر اس کا کوئی خاص تاثر نہیں تھا لیکن اس کے جانے کے بعد ڈیڈی اس کی تعریفیں کرتے رہے۔ وہ اس سے بہت متاثر تھے۔

دوسرے دن مجھے اس کا فون آیا وہی شرارت بھری باتیں۔۔۔۔ ویسی ہی گفتگو مجھے اس کی گفتگو دلچسپ معلوم ہوئی تھی۔ پھر وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہا۔۔۔۔ ڈیڈی اسے بہت زیادہ لفٹ دینے لگے تھے۔ شاید ڈیڈی نے اس سے کوئی بات بھی کر لی تھی اور اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ مجھ سے گھل مل جائے۔

ایک آدھ بار ڈیڈی نے خود بھی مجھ سے اس کے ساتھ جانے کی سفارش کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس سے مانوس ہونے لگی۔۔۔۔ غالباً یہی میرے ڈیڈی کا مقصد تھا۔ انہوں نے اس کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان کے خیالات پر پورا اترتا ہے۔ میں چونکہ زندگی کے اس رخ سے واقف نہیں تھی اس لیے یہ پہلا شخص میری دلچسپی کا باعث بن گیا اور جب ڈیڈی نے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تو میرے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے۔

"کیسا لگتا ہے وہ تمہیں۔۔۔۔؟" ڈیڈی مجھ سے پوچھا۔

"عجیب سوال ہے ڈیڈی! ایک شریف آدمی ہے اچھا ہے اور بس۔" میں نے جواب دیا اور ڈیڈی سنجیدہ ہو گئے۔ پھر پر خیال انداز میں بولے۔

"دراصل شمی بیٹے! تم میری دلی واردات سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم ان غم آلود قصوں کی جانب نہیں جائیں گے۔ جن کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ لیکن اتنا میں تمہیں ضرور بتانا پسند کروں گا کہ تمہارے علاوہ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔

شادی ایک اہم فریضہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہ فریضہ پورا کرنا ہے..البتہ میری خواہش تھی بیٹے! کہ ایسا کوئی نوجوان مجھے مل جائے جو تمہارے معیار پر بھی پورا اترے اور میں اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں۔شاہد اس سلسلے میں میرے لیے باعث دلچسپ ہے۔وہ تنہا ہے اور کوئی بھی نہیں ہے اس کا۔اگر تم پسند کرو تو میں اس سے تمہاری زندگی کے بارے میں بات چیت کروں......؟" میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن ڈیڈی نے خود ہی میری مرضی کا تعین کرلیا تھا۔مجھے خاموش پا کر وہ بولے۔

"تو میں یہ سمجھوں کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"میں نے آپ کی کسی بات پر کبھی اعتراض نہیں کیا ڈیڈی!" میں نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر شاہد میری زندگی میں داخل ہو گیا۔کھلنڈرا اور شوخ سا نوجوان۔اس نے مجھے بتایا کہ۔

"وہ زندگی میں محرومیوں کا شکار رہا ہے۔کوئی بھی نہیں ہے اس کا اور میرے مل جانے سے اسے دلی مسرت ہوئی ہے۔"

چنانچہ میں خلوص دل سے اس کی شریک زندگی بن گئی۔میں نے اپنی تمام محبت اس پر نچھاور کر دی اور شاہد ہم میں گھل مل گیا۔

ڈیڈی نے اسے ہر سہولت فراہم کر دی تھی۔

اب وہ ان فرم کا منیجر بلکہ ایک طرح سے مالک تھا۔

البتہ ڈیڈی اصول پرست آدمی تھے۔اخراجات کے معاملے میں وہ ہمیشہ ہی سنجیدہ رہے تھے اور ایک حد تک پسند کرتے تھے لیکن یہ حدود شاہد کو پسند نہیں تھی۔

"کیسی تکلیف دے بات ہے شمی! ہم لوگ اتنی بڑی دولت' اتنی وسیع جائیداد کے مالک ہیں لیکن شادی کے بعد ایک بار بھی اس کا موقع نہیں ملا کہ ملک سے باہر جاتے...... دنیا دیکھتے...... میرے دل میں بڑی آرزو ہے کہ میں ملک ملک کی سیر کروں۔"

"تو ڈیڈی سے بات کرو۔"

"میں بات کروں؟ میں تمہیں ایک بات بتا دوں شمی! لیکن شرط یہ ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گی؟"

"کیا بات ہے......؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ تم کبیدہ خاطر نہ ہو گی اور نہ ہی میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار۔"

"چلو وعدہ!"

"تمہارے ڈیڈی نے تمہارے ساتھ میری شادی کر کے ایک گھر داماد خریدا ہے وہی مثالی روایت قائم کر رہے ہیں جو گھر داماد وں کے ساتھ کی جاتی ہے۔میں آج بھی ان کی فرم کا منیجر ہوں اور مجھے وہ حیثیت حاصل نہیں ہے جو کہ ہونی چاہیے تھی۔"

"تمہیں کہاں اس کا احساس ہوتا ہے شاہد؟"

میں نے سوال کیا۔

"ہر جگہ...... مجھے بتاؤ تمہارا شوہر ہونے کے باوجود کسی چیز پر حق ہے......؟ میں تو اپنی پسند کی ایک کار بھی نہیں خرید سکتا۔"

"تم اپنی پسند کی چار کاریں خرید لو شاہد! میں تمہیں رقم دوں گی۔"

"تم دو گی نا...... یہ فرق ہے مجھ میں اور تم میں شمی!" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"تم ان باتوں کو محسوس مت کرو شاہد! میں

ڈیڈی سے بات کروں گی۔"

"نہیں نینی! میری سگی ہوگی۔ تم ان سے کوئی بات نہ کرنا۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہوگئی لیکن میں نے بعد میں ڈیڈی سے اس موضوع پر بات کی اور ڈیڈی مسکرانے لگے۔

"شوہر کی حمایت میں لڑنے آئی ہے مجھ سے پگلی! یہ بتا کہ میں اس دولت کا کیا کروں گا...... میرے کس کام آئے گی...... یہ تم دونوں کے لیے ہی تو ہے۔ لیکن کچھ توقف کرو۔ شاہد بہت اچھا لڑکا ہے لیکن بہر حال اجنبی ہے۔ پہلے اسے پرکھ لوں۔ یہ کام جاری ہے۔ میرے چند خاص آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد سب کچھ تم دونوں کو سونپ دوں گا۔"

عجیب بات ہے ڈیڈی! آپ اب اسے پرکھ رہے ہیں۔ جب وہ میری تقدیر کا مالک بن چکا ہے۔ میں کہتی ہوں وہ اچھا انسان ہے۔ کوئی خرابی نہیں ہے اس میں۔ اسے کسی محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔"

"مگر وہ کیا چاہتا ہے......؟"

"اسے کوئی حیثیت دی جائے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ملک سے باہر جانا چاہتا ہے۔ دنیا دیکھنا چاہتا ہے۔"

"تم بھی اس کے ساتھ جاؤ گی؟"

"ہاں...... ڈیڈی!"

"اور میں......؟" ڈیڈی نے درد بھرے لہجے میں پوچھا۔ میں ایک دم خاموش ہوگئی۔ مجھے احساس ہوگیا تھا کہ میں نے خود غرضی کی ہے۔

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے ڈیڈی!"

"ارے نہیں...... بھئی! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ٹھیک ہے تم دونوں گھوم آؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"نہیں ڈیڈی! میں آپ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" میں نے کہا اور ڈیڈی ہنسنے لگے۔

بہر حال ڈیڈی نے اسے کچھ اختیارات دیئے اور وہ خوش ہوگیا۔ چند ہفتوں کے بعد اس نے دوبارہ باہر جانے کی ضد شروع کردی۔

"میں کب منع کرتی ہوں شاہد! لیکن ہم ڈیڈی کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔"

"کیا......؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... میں ڈیڈی کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔"

"تو پھر کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں کیا برا ہے......؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا تم ڈیڈی کو ناپسند کرتے ہو شاہد......؟"

"یہ بات نہیں ہے نینی! بس ہمیں وہ آزادی نہیں مل سکے گی۔ بات یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر آج بھی خود کو ان کا ملازم سمجھتا ہوں اور ان سے بے تکلف نہیں ہو پاتا۔"

"بہر حال جیسا تم پسند کرو۔"

ہم نے باہر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ خود ہی ڈیڈی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ ہم دنیا دیکھنے نکل گئے۔ استنبول، روم، پیرس، لندن، سوئٹزرلینڈ اور نہ جانے کہاں کہاں۔ ڈیڈی اس دوران مجھے یاد آتے رہے تھے۔ مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

(جاری ہے)

مجھے بتایا گیا کہ بابا ظہیر خوندکر کو مکتی باہنی کے غنڈوں نے غداری کا الزام لگا کر بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ غدار نہیں وفادار تھے اور ان کا جرم محض وفا نبھانا تھا

جرمِ وفا

تحریر: محمد رضوان قیوم

اس کہانی کو پڑھ کر ہو سکتا ہے کچھ لوگ یہ کہیں کہ یہ من گھڑت اور فرضی ہے۔ اپنی رائے قائم کرنے میں ہر کوئی آزاد ہے۔ یہ دنیا ہے اور یہاں ایسے ایسے عجیب و غریب اور عقل کو چکرا دینے والے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن کی عقل کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکتی۔ یہ کہانی مجھے چاچا راجہ سعید نے سنائی اور اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہا کہ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے۔ ان کی یہ بظاہر مافوق الفطرت کہانی میں انہی کی زبانی پیش کر رہا ہوں۔

سقوطِ ڈھاکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے اور خاص طور پر پاکستانیوں کے لیے سقوطِ غرناطہ کے بعد بہت بڑا سانحہ ہے۔ افسوس ہم نے اتنے بڑے سانحے سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ پاکستان کو توڑنے والا حکمران اس عظیم سانحہ کو پس پشت ڈال گیا اور رفتہ رفتہ ہم نے اسے بھلا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب بھارت نے وہی کارروائیاں بلوچستان میں شروع کر دی ہیں اور اس کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔ اللہ پاکستان کو ہر قسم کے بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ رکھے۔ آمین!

سقوطِ ڈھاکہ سے چند سال پہلے 1970ء میں چٹاگانگ کے علاقہ مغل پور میں مقیم ہو گیا تھا۔ ویسے میری پیدائش مری اور راولپنڈی کے سنگم پر واقع گاؤں چھترکی ہے۔ میرا باپ راجہ عباس چٹاگانگ میں ایک ہندو کے کارخانے میں بطور اکاؤنٹنٹ کام کرتا تھا۔ اس ہندو سیٹھ کا نام نرنجن پانڈے تھا اور اس کے کارخانے میں پٹ سن سے بوریاں بنائی جاتی تھیں۔

ہمارے گھر کے افراد میں میری والدہ، والد صاحب اور مجھ سے چھوٹی بہن انجم تھی۔ والد صاحب کو بڑی اچھی تنخواہ ملتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہم لوگ خاصی خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ والد صاحب بڑے محنتی اور ایماندار تھے اور کام کے معاملے میں کبھی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے سیٹھ نرنجن پانڈے نے ان کو اپنے کارخانے میں زیادہ سے زیادہ سہولتیں دے رکھی تھیں۔ ہم دونوں بہن بھائی اکثر والد صاحب سے ضد کیا کرتے تھے کہ وہ ہمیں چٹاگانگ کی سیر کرائیں۔ انہوں نے ہم سے وعدہ کیا کہ جلد ہی وہ ہمیں سیر و تفریح کے لیے چٹاگانگ بلوائیں گے۔



اور پھر والد صاحب نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے ہمیں تبدیلی آب و ہوا اور سیر و تفریح کے لیے چٹا کانگ بلوا لیا' کنٹیش پانڈے نے ان کو کارخانے سے ملحق ایک خوبصورت کوارٹر دے رکھا تھا۔ اس میں تین کمرے، کچن اور باتھ روم وغیرہ تھے۔ ایک چھوٹے خاندان کے لیے یہ بہت مناسب کوارٹر تھا۔ گھریلو کام کاج اور کھانا پکانے کے لیے انہوں نے ایک بنگالی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا جس کا نام بابا کلیم خوندکر تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔

''بابا کلیم خوندکر بڑے کام کا بندہ ہے''۔ والد صاحب بتلانے لگے۔ ''یہ میرا ہر کام کرتا ہے مثلاً کھانا پکانا' جھاڑو پونچھا' کپڑے دھونے اور استری کرنا وغیرہ۔ یہ میری تنہائی کا ساتھی بھی ہے۔ یہ باورچی بہت اچھا ہے اور خاص طور پر مچھلی پکانے میں ماہر ہے۔''

ہماری اتنی تعریفیں سن کر بابا کلیم خوندکر کو دیکھنے کی خواہش بڑھ گئی۔ والد صاحب نے بتایا کہ

"وہ کھانے پینے کا کچھ سامان لینے گیا ہوا ہے اور آنے والا ہی ہوگا۔"

کچھ دیر بعد بابا کلیم خوندکر آ گیا۔ وہ گٹھے ہوئے بدن کا مضبوط آدمی تھا۔ اس کا قد عام بنگالیوں کی طرح چھوٹا تھا اور رنگت بھی سانولی تھی۔ والد صاحب نے ہمارا اس کے ساتھ تعارف کرایا۔ وہ ہم سے بہت خوش ہو کر ملا۔

"آپ کا والد میرے بھائیوں کی طرح ہے بچو!" بابا کلیم خوندکر نے خوش دلی سے کہا۔ "تم مجھے اپنا تایا' چچا سمجھو۔"

"تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں بھائی......؟" امی نے اس سے پوچھا۔

اس سوال کو سن کر یک دم بابا خوندکر اداس ہو گیا۔ اس موقع پر والد صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ۔

"اس بے چارے کے بیوی بچے کئی سال پہلے کشتی کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ صدمہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے بعد بابا کلیم خوندکر نے دنیا سے بالکل منہ موڑ لیا اور پھر شادی بھی نہ کی۔"

والد صاحب نے بتایا کہ۔ "مشرقی پاکستان ندی نالوں کا دیس ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں بسیں ویگنیں چلتی ہیں وہاں مختلف علاقوں میں آنے جانے کے لیے کشتیاں' لانچیں اور سٹیمر چلتے تھے۔"

پہلا دن تو ہم نے آرام کرنے اور وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں گزارا۔ وہاں ندی نالے دریا وغیرہ زیادہ ہونے کی وجہ سے چاول کی خوب فصل ہوتی ہے اور مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں عام بنگالیوں کی خوراک زیادہ تر مچھلی کا سالن اور ابلے ہوئے چاول ہیں۔ اکثر مچھیروں نے بڑی بڑی کشتیوں پر ہی اپنے گھر بار کیے ہوتے ہیں اور وہ ساری زندگی پانی کے سینے پر گزار دیتے ہیں۔

تین چار گھنٹے خوب آرام کر کے ہم تازہ دم ہو گئے۔ رات کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بابا کلیم خوندکر نے ہمارے لیے خاص طور پر مچھلی تیار کی تھی۔ واقعی اس سے پہلے ہم نے اتنی لذیذ مچھلی نہیں کھائی تھی۔ پیٹ بھرنے کے باوجود نیت نہیں بھری تھی۔

بابا کلیم خوندکر بڑی دلچسپ اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ہمارے ساتھ یوں گھل مل گیا جیسے وہ ہمارا سگا چاچا ہو۔ وہ ہمارے ساتھ بالکل بچہ بن کر کھیلتا تھا اور بڑی مزے مزے کی باتیں سناتا تھا جو ہمارے لیے نئی اور انوکھی تھیں۔ شام کو وہ ہمیں بازار لے گیا اور انناس کا تازہ جوس پلایا۔

والد صاحب نے ہمیں بتایا کہ۔

"بابا کلیم خوندکر کی ایک خوبی بتانا وہ بھول گئے تھے۔ وہ یہ کہ بابا کلیم خوندکر بہت اچھا کہانی گو بھی ہے لہٰذا اس سے کہانیاں ضرور سننا۔" مجھے کہانیاں سننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ رات ہوئی اور سونے کا وقت ہوا تو میں نے ضد کی کہ۔

"میں تو بابا کلیم خوندکر سے کہانی سنوں گا اور پھر ان کے پاس ہی سو جاؤں گا۔" یہ سن کر والدہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا مگر والد صاحب نے مجھے بابا کلیم خوندکر سے کہانی سننے اور ان کے پاس سونے کی اجازت دے دی۔

بابا کلیم خوندکر کا کمرہ بڑا صاف ستھرا تھا۔ میں

نے ان کے پاس جا کر بتایا کہ۔

"میں کہانی سننے آیا ہوں اور ان کے پاس ہی سوؤں گا۔" یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے بنگال کی مشہور مٹھائی کھلائی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بڑی دلچسپ کہانی سنانی شروع کر دی۔ ان کا انداز ایسا سحر انگیز اور دل موہ لینے والا تھا کہ میں کہانی کے سحر میں گم ہو گیا۔

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ بابا کلیم خوندکر کہانی تو مجھے سنا رہے تھے لیکن ان کی نظریں مسلسل سامنے والی کھڑکی پر لگی ہوئی تھیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں توقع ہو کہ ابھی کھڑکی کھلے گی اور کوئی محبوب چہرہ نظر آئے گا۔ ان کی پوری توجہ کھڑکی پر مرکوز تھی مگر اس کے باوجود کہانی کے تسلسل اور دلچسپی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ بھلا ایک شخص ایک ہی وقت میں اپنے ذہن کو دو طرف کیسے متوجہ رکھ سکتا ہے......؟

میں نے بابا کلیم خوندکر سے پوچھا کہ۔

"وہ کھڑکی کی طرف اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں جبکہ مجھے وہاں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا......؟" انہوں نے مسکرا کر مجھے ٹال دیا اور کہانی کو آگے بڑھاتے گئے۔ کہانی سنتے سنتے مجھ پر غنودگی سی چھانے لگی اور میں نہ جانے کب نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

پتہ نہیں رات کا وہ کون سا وقت تھا جب میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے پیشاب کی حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں اٹھا تو میری نظر بابا کلیم خوندکر پر پڑی۔ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ابھی تک سوئے نہیں تھے اور مسلسل اسی کھڑکی کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے

تھے۔ اس کے ساتھ ہی میرے کانوں میں عجیب سی آواز گونجنے لگی۔ آواز بہت واضح نہیں تھی لیکن پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کمرے میں بہت سی مکھیاں یا بھڑیں آ رہی ہیں۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے میں نظر دوڑائی مگر کچھ دکھائی نہ دیا جبکہ بھنبھناہٹ مسلسل گونج رہی تھی اور چاروں طرف سے آتی محسوس ہوتی تھی۔ چاچا کلیم خوندکر پتھر کے کسی بے جان وجود کی طرح ساکت تھے۔ میں نے ان کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور پھر سو گیا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو بابا کلیم خوندکر اپنے بستر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے اٹھ کر انہیں تلاش کیا تو وہ باورچی خانے میں موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ۔

"جلدی سے نہا دھو کر آ جاؤ میں تمہارے لیے بارہ سوہنی دیسی گھی اور شہد سے ایک خاص قسم کا حلوہ تیار کر رہا ہوں۔ ایسا حلوہ تم نے زندگی میں کبھی نہیں کھایا ہوگا۔"

جب ناشتے کے ساتھ بابا کلیم خوندکر نے گرما گرم حلوہ لا کر میز پر رکھا تو کمرہ اشتہا انگیز خوشبو سے مہک اٹھا۔ سب نے جی بھر کر یہ حلوہ کھایا۔

"یہ حلوہ خالص دیسی گھی اور خالص شہد سے بنا لگتا ہے۔" میری والدہ نے کہا۔ "یہ چیزیں تو خالص حالت میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ کہاں سے لائے ہو......؟"

"میرے اندر دیسی گھی اور شہد کو پرکھنے کی خصوصی صلاحیت موجود ہے۔" بابا کلیم خوندکر نے کہا۔ "میں

دور سے ہی شہد کی رنگت دیکھ کر اور خوشبو سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ شہد خالص ہے یا نہیں۔ میں شہد دوست ہوں۔"

میری آنکھوں میں رات والا منظر گھوم گیا اور بھنبھناہٹ کی پراسرار آواز یاد آ گئی۔

"ہاں امی جان!" میں نے کہا۔ "رات کو واقعی میں نے کمرے میں شہد کی مکھیوں کی آوازیں سنی تھیں۔"

ہم سب اس بات پر ہنس دیے اور کسی نے اسے سنجیدگی سے نہ لیا۔ بابا کلیم خوندکر بھی مسکراتے ہوئے باورچی خانے میں چلے گئے۔

"مجھے تو یہ شخص بڑا پراسرار لگ رہا ہے۔" بابا کلیم خوندکر کے جانے کے بعد والدہ نے میرے والد سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس میں کوئی عجیب بات ضرور ہے جو میں محسوس کر لی ہوں لیکن بیان نہیں کر سکتی۔ میں تو کہتی ہوں کہ سعید کو اس کے پاس سونے کے لیے نہ بھیجا کریں۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" والد صاحب نے میری والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت شریف اور بے ضرر سا آدمی ہے اور پھر تم نے کون سا یہاں مہینوں رہنا ہے۔ صرف چند دنوں کی تو بات ہے۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔

"آؤ تمہیں یہاں کے بازار کی سیر کرا لاؤں۔" ناشتے کے بعد بابا کلیم خوندکر نے مجھ سے کہا۔

میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ بازار میں بہت رش تھا۔ وہاں کئی ناس پیز سانگیں رکھتے تھے اور اس کے علاوہ ایسے رکشے بھی تھے جنہیں جانور کی بجائے انسان کھینچتے تھے۔ بابا کلیم خوندکر نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہاں کے سائیکل رکشوں سے بچنا بیٹے!" انہوں نے کہا۔ "یہ اگر ٹکرا جائیں تو انسان کی ہڈی پسلی ہلا دیتے ہیں اور اس کا درد بڑی مشکل سے جاتا ہے۔"

وہاں کا بازار بہت بڑا تھا اور ہر قسم کی دکانیں موجود تھیں۔ بازار میں بہت سے دکاندار ان کے دوست تھے اور وہ آوازیں دے کر ان کو بلا رہے تھے۔ کئی دکانداروں نے یہ سن کر کہ میں مغربی پاکستان سے آیا ہوں مجھے گولیاں ٹافیاں اور دیگر تحائف بھی دیے۔ یہ بنگال کی خاص سوغاتیں تھیں۔

اب آہستہ آہستہ میری اور بابا کلیم خوندکر کی انسیت بڑھ گئی اور ہم عمر میں اتنا فرق ہونے کے باوجود بے تکلف دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ میں روزانہ رات کو بابا کلیم خوندکر سے کہانی سنتا۔ اس دوران کبھی کبھی مکھیوں کی بھنبھناہٹ بھی سنائی دیتی تھی لیکن نظر کچھ نہ آتا تھا۔ میں نے کئی بار اس آواز کا ذکر بابا سے کیا لیکن وہ بات ٹال جاتے۔ یہ نادیدہ آواز میرے حواسوں پر سوار ہو گئی تھی اور میں اس راز کو فاش کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

ایک دن بڑی عجیب بات ہوئی۔ میں حسب معمول بابا کلیم خوندکر کے ساتھ سیر کرتا ہوا چٹا کانگ کی مچھلی مارکیٹ میں طرح طرح کی مچھلیاں دیکھ رہا تھا اور بابا کلیم خوندکر مجھے مچھلیوں کی مختلف اقسام کے متعلق بتا رہے تھے۔ اچانک بابا کلیم خوندکر چلتے چلتے رک گئے اور فضا میں کچھ سننے کی کوشش کرنے لگے۔

"کیا ہوا بابا جی...؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"خاموش رہو۔" انھوں نے پراسرار سے انداز میں ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میرے دوست آنے والے ہیں۔"

"کون سے دوست....؟" میں نے حیرانی سے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

"تم چند منٹ خاموش کھڑے رہو۔" انھوں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "پھر تم خود انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے.... سامنے کی طرف نظر جما کر رکھو اور ڈرنا نہیں۔"

میں نے حیران و پریشان ہو کر ان کی بات پر عمل کیا اور اس طرف دیکھنے لگا جدھر بابا کلیم خوند کر نے کہا تھا۔ مجھے فوری طور پر نظر تو کچھ نہ آیا لیکن بھنبھناہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگی جو آہستہ آہستہ میرے قریب آ رہی تھیں پھر مجھے شہد کی دو مکھیاں نظر آئیں جن کا قد و قامت شہد کی عام مکھیوں سے بہت بڑا تھا۔ ان مکھیوں کے بڑے بڑے پروں سے بھنبھناہٹ کی آوازیں نکل رہی تھی۔ دونوں مکھیوں نے قریب آ کر فضا میں گول چکر میں گھومنا شروع کر دیا۔

"آ جاؤ..... آ جاؤ.....!" بابا کلیم خوند کر کے منہ سے سرگوشی نما آواز نکلی۔ "یہ میرا دوست ہے۔"

اس کا فوری ردعمل ہوا اور دونوں مکھیاں آ کر بابا کلیم خوند کر منہ پر بیٹھ گئیں اور اٹھکیلیاں کرنے لگیں۔

"یہ ہیں میرے دوست......!" بابا نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "جن کا ذکر میں نے کیا تھا۔"

"یہ تو شہد کی مکھیاں ہیں بابا!" میں نے حیرانی سے کہا۔ "انسان کے دوست تو انسان ہوتے ہیں۔"

"یہ بے وفا انسانوں سے اچھے دوست ہیں۔" بابا نے فخر سے کہا۔ "یہ میرے اعتبار کے اور وفادار دوست ہیں۔" انھوں نے ایک مکھی کو پکڑ کر چوما، پھر دوسری کو چوما۔ دونوں مکھیاں بابا کے کان کے پاس آ کر "بھن بھن" کرنے لگیں جیسے ان کے کان میں باتیں کر رہی ہوں۔ اس کے جواب میں بابا کے منہ سے بھی عجیب گنگناہٹ ابھرنے لگی۔ کچھ دیر بعد دونوں مکھیاں فضا میں بلند ہوئیں اور جنگل کی طرف چلی گئیں۔

اس دن بابا نے مجھے خوب گولیاں ٹافیاں اور کھلونے لے کر دیے اور سیر کرائی۔ واپسی پر انھوں نے مجھے سمجھایا کہ۔

"شہد کی مکھیوں سے دوستی والی بات ایک راز ہے جو کسی کو معلوم نہیں ہے۔"

"میرا بیٹا راز نہیں رازہی رکھتا ہے۔" بابا نے کہا۔ "تم کسی کو بھی حتیٰ کہ اپنے والدین کو بھی یہ بات نہ بتانا۔" میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

ایک دن ہم بابا کے ساتھ جنگل سے واپس آ رہے تھے۔ امی ابو اور انجم بھی ساتھ میں تھے۔ ایک جانب رکھے شہد والے جار کو انجم نے ٹھوکر مار دی۔ انجم کو اتنی زیادہ مکھیوں نے کاٹا کہ انجم چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ بابا کلیم خوند کر نے گھر پہنچتے ہی شہد اور موم سے بنی ہوئی کوئی دوا متاثرہ جگہ پر لگائی تو تھوڑی دیر بعد ہی درد غائب ہو گیا۔

اب روزانہ رات کا یہ معمول بن گیا تھا کہ کہانی سنانے کے بعد بابا اپنی دوست شہد کی مکھیوں کو بلاتے۔ مکھیاں بڑے والہانہ انداز میں ان کے چہرے پر بیٹھ

جاتیں...... کبھی آنکھوں پر تو کبھی ناک پر۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کھیل رہی ہوں۔ میں بڑی دلچسپی سے اس انوکھے اور دلچسپ نظارے کا مشاہدہ کرتا۔ اس دوران مکھیاں بھنبھناہٹ کی مخصوص آواز نکالتی رہتیں اور بابا سلیم خوند کر بھی منہ سے عجیب سی گنگناہٹ بھری آواز نکالتے رہتے جیسے ان سے اُن کی زبان میں باتیں کر رہے ہوں۔

ایک روز بابا کہنے لگے کہ۔

"میں تمہاری ان کے ساتھ دوستی کرا دیتا ہوں۔ یہ بڑی اچھی دوست ثابت ہوں گی۔" پھر انہوں نے گنگنا کر مکھیوں سے کچھ کہا...... تو مکھیاں ان کے چہرے سے اُڑ کر فضا میں ایک دائرے میں گھومیں اور پھر میری طرف آئیں پھر وہ دونوں میرے گالوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔

مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ میرا دل چاہا کہ ان کو ہاتھ مار کر اُڑا دوں مگر بابا جیسے میرے دل کی بات جان گئے تھے۔

"ایسا مت کرنا بیٹا!" انہوں نے شفقت سے کہا۔ "اس طرح یہ ناراض ہو جائیں گی اور پھر تم سے دوستی نہیں کریں گی۔ ابھی یہ خود ہی اُڑ جائیں گی۔"

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ذرا دیر بعد دونوں مکھیاں خود ہی اُڑ کر بابا کے پاس چلی گئیں۔ بابا نے بتایا کہ۔

"اب یہ تمہاری دوست بن گئی ہیں۔" میں نے بابا سے پوچھا کہ۔

"انہوں نے مکھیوں سے دوستی کس طرح کر لی اور ان کی زبان کیسے سیکھ لی......؟

"یہ بڑی پرانی بات۔" بابا نے کہا......

بیوی بچے کے ڈوب کر ہلاک ہو جانے کے بعد میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور میں آبادی سے دور جنگلوں میں پھرنے لگا۔ ایک دن میں ایسے ہی ایک ویران علاقے میں پھر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب و غریب انسان نظر آیا۔ اس کے بدن پر لباس کے نام پر صرف ایک لنگوٹ تھا۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت بڑی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ ایک درخت کے تنے کے نیچے دبا ہوا تھا اور وہ اس کے نیچے سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ایک اور عجیب بات میں نے دیکھی کہ اس گرے ہوئے سادھو کے سر کے اوپر ہزاروں نہیں لاکھوں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ سادھو شہد اتارتے ہوئے گر پڑا ہوگا۔ یقیناً جس درخت پر وہ چڑھا تھا وہ کمزور اور گرنے والا ہوگا۔ اب یہ سادھو اسی درخت کے نیچے آ گیا تھا۔

میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن مکھیوں کے ڈر سے آگے نہیں جاتا تھا کہیں مکھیاں اس سادھو کو چھوڑ کر مجھ پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اسی وقت سادھو کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے کراہتے ہوئے کہا کہ۔

"مجھے یہاں سے نکالو۔" میں نے اسے بتایا کہ۔

"میں مکھیوں کی وجہ سے آپ کے قریب نہیں آ سکتا۔"

"ان سے نہ ڈرو بالک!" اس سادھو نے کہا۔ "یہ میری دشمن نہیں دوست ہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔" میں اس کی بات سن کر حیران رہ گیا کہ بھلا شہد کی مکھیاں بھی کسی کی دوست ہو سکتی ہیں۔ ضرور اس بوڑھے کا دماغ چل گیا ہے۔

"میں جانتا ہوں تم میری بات کا یقین نہ کرو گے۔" سادھو نے کہا۔ "لیکن تمہیں یقین کرنا پڑے گا۔" "میں ان کو دور جانے کا حکم دیتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے انداز میں منہ سے آواز نکالنی شروع کردی اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مکھیوں کا وہ بادل آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا اور خاص بلندی پر جا کر ایک جگہ اڑنے لگا۔

"اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا.....؟" سادھو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میری مدد کرو۔" میں ڈرتے ڈرتے سادھو کے پاس گیا اور اس کو تنے کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ بڑا مشکل کام تھا۔ اچانک مجھے ایک طرف ایک لاٹھی پڑی نظر آئی جو یقیناً اسی سادھو کی تھی۔ میں نے لاٹھی کا ایک سرا درخت کے تنے کے نیچے ڈال کر پوری قوت سے اٹھایا تو درخت کا تنا تھوڑا اوپر اٹھ گیا۔ سادھو فوراً رینگ کر تنے کے نیچے سے نکل آیا۔ اسے کوئی زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔

اس سادھو نے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھ سے پوچھا کہ۔

"میں اس جنگل ویرانے میں کیسے آ نکلا ہوں؟"

میں نے اس کو اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تو اس نے مجھے تسلی دلاسہ دیا اور کہا کہ۔

"ہمیشہ اوپر والے کی رضا میں راضی رہنا سیکھو ہمیشہ خوش رہو گے۔"

میں چند دن اس سادھو کے ساتھ ہی رہا اور اس کی خدمت کرتا رہا۔ میں نے باتوں باتوں میں سادھو سے مکھیوں سے دوستی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ۔

"ان کے پاس ایک خاص قسم کا علم ہے جو اس کے گرو نے اسے دیا تھا۔ اس کی وجہ سے شہد کی مکھیاں دوست بن جاتی ہیں۔" پھر سادھو نے میری دوستی بھی شہد کی مکھیوں سے کرادی۔ میں تقریباً تین مہینے تک اس سادھو کے ساتھ جنگلوں میں پھرتا رہا۔ اسی دوران سادھو نے مجھے بھی یہ علم سکھا دیا۔ اب میں جب چاہوں شہد کی مکھیوں سے رابطہ کر سکتا ہوں۔" بابا نے آخر میں کہا۔ "ان کا بنایا ہوا شہد حاصل کر سکتا ہوں۔ میں نے اس سادھو سے اور بھی بہت سا علم حاصل کیا جو بہت کام آتا ہے۔"

میں بابا کی سحر انگیز داستان سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

ہم تین ماہ کے لئے چٹا گانگ گئے تھے۔ دو ماہ گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ دو بنگال میں ہمارے قیام کا تیسرا مہینہ تھا جب مجھے والد صاحب کچھ پریشان نظر آئے۔ وہ اکثر بابا سے ملک کے خراب ہوتے حالات کے بارے میں بات چیت کرتے۔

ایک دن میں نے ستارہ بابا سے کہہ رہے تھے کہ۔

"اب حالات بہت خراب ہو چکے ہیں تم کل ہی جا کر بچوں کی واپسی کے ٹکٹ پی آئی اے سے بک کرا دو۔"

یہ اسی دن شام کا ذکر ہے جب بابا کلیم خود کر بازار سے کچھ سامان لینے گئے تو بڑی مایوسی اور گھبراہٹ میں واپس آئے اور بتایا کہ۔

"حالات بے حد خطرناک نوعیت اختیار کر چکے ہیں اور انڈیا کے بنگالی ایجنٹ غیر بنگالیوں خاص طور پر سرکاری ملازمین اور عہدے داروں کا قتل عام بے دردی سے کر رہے ہیں۔ آپ کے لیے بہت خطرہ ہے۔ راجہ صاحب!" بابا کلیم خوندکر نے کہا۔ "وہ تنبیں باندھے اور دوسرے ہندو آپ اور آپ کے بچوں کے قتل کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ آپ ابھی گھر سے باہر نہ نکلیں اور چند روز یہیں دبکے رہیں۔ میں باہر کے حالات پر نظر رکھوں گا اور جیسے ہی بہتری نظر آئی آپ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا۔"

حالات بہتر تو نہ ہوئے بلکہ خراب سے خراب تر ہونے گئے۔ کچھ اپنوں کی غلطیاں اور کچھ بھارت کی سازشوں نے مل کر بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے درمیان نفرت کی ایسی خلیج پیدا کر دی جس کو پاٹنا ناممکن ہو گیا۔ آئے روز ایسی خبریں آنے لگیں کہ فلاں جگہ پنجابیوں کے کنبوں کو قتل کر کے زندہ جلا دیا گیا۔ ہم سہمے ہوئے سارا دن گھر میں دبکے رہتے۔ مکتی باہنی کے سرپھرے نوجوان ہر طرف دندناتے پھرنے رہتے تھے۔ بابا کلیم خوندکر چونکہ بنگالی تھے۔ اس لیے وہ باہر آتے جاتے رہتے تھے۔

ایک دن وہ بازار سے آ رہے تھے کہ مکتی باہنی کے غنڈوں نے انہیں روک کر کہا کہ

"تمہارے ساتھ جو پنجابی چھپے ہوئے ہیں ان سے کہہ دینا کہ اب ان کی باری لے رہے ہیں۔" یہ دھمکی سن کر ہمارا خون خشک ہو گیا۔

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔ وہ 13 نومبر کی ایک سرد رات تھی جب صبح فجر کی نماز سے قبل بابا آ دھا

تو چپکے سے بابا کلیم خوندکر گھر کا بڑا دروازہ کھول کر باہر جانے کہیں چلے گئے۔ ان کا یہ اقدام ہمارے والد صاحب اور والدہ کے لیے بے حد تشویش ناک تھا اور ان کے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔

"مجھے کلیم خوندکر پر شک ہے"۔ والدہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ بنگالی غدار ہے اور ہمارے موت کا بندوبست کرنے کے لیے مکتی باہنی کے غنڈوں کے پاس چلا گیا ہے۔ آخر اس کی رگوں میں بھی بنگالی خون دوڑ رہا ہے۔" والد صاحب نے والدہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میرا دل نہ جانے کیوں کسی خطرے کی گواہی دے رہا ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ کلیم خوندکر کسی بدنیتی سے ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"ایسے حالات میں ہم کہاں جائیں؟" والدہ نے انجم کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔ "ہر طرف موت منڈلا رہی ہے مکتی باہنی کے غنڈے پنجابیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔"

والد صاحب اور والدہ بابا کلیم خوندکر کے خلاف طرح طرح کے شکوک کا اظہار کر رہے تھے لیکن جانے کیوں میرا ذہن اور دل بابا کلیم خوندکر کے خلاف کوئی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بابا کلیم خوندکر گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ ان کی سانس پھول رہی تھی۔ ان کو اکیلے دیکھ کر ہمیں وقتی طور پر اطمینان ہو گیا کہ وہ مکتی باہنی کے غنڈوں کو اپنے ساتھ نہیں لائے تھے لیکن یہ اطمینان اس وقت پریشانی میں بدل گیا جب بابا کلیم خوندکر نے

یہ بتایا کہ۔

"سب لوگ ضروری سامان پکڑو اور نکلنے کی تیاری کرلو۔ میں اپنے کانوں سے سن کر آرہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔ "بنگالی غنڈے تمہارا گھر لوٹنے کا پروگرام بنا رہے تھے اور کچھ ہی دیر میں اس طرف آنے والے ہیں۔ جلدی کرو بس قیمتی چیزیں پکڑو اور نکل چلو۔"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" والد صاحب نے غصے سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے تم بھی ان بدمعاشوں کے ساتھ ملے ہوئے ہو اور تمہاری نظر ہمارے سامان پر ہے۔"

"بکواس میں نہیں تم کر رہے ہو رضا عباس!" بابا کلیم خوندکر نے ایک دم بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں سامان کی پڑی ہوئی ہے اپنی اور بچوں کی جان کی فکر کرو۔ بدگمانی کرو گے تو سامان کے ساتھ ساتھ جان سے بھی جاؤ گے۔"

"لیکن ہم کہاں جائیں کلیم خوندکر بھائی!" والدہ نے سسکتے ہوئے پوچھا۔

"اگر مجھ پر اعتبار ہے۔" بابا کلیم خوندکر نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو میرے پیچھے آجاؤ ورنہ جو تم لوگوں کے دل میں آتا ہے کرو۔ میں تو چلا۔ تمہاری وجہ سے وہ میری جان کے بھی دشمن بن گئے ہیں۔"

اتنے میں کہیں دور سے شرپسندوں کے شور شرابے کی آوازیں آنے لگیں جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ آوازیں ہمارے دلوں کو دہلا رہی تھیں۔ اب والد صاحب کے پاس بابا کلیم خوندکر پر اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا۔ ہم سب چند ضروری چیزیں لے کر بھرا ہوا گھر چھوڑ کر بابا کلیم خوندکر کے پیچھے بھاگ نکلے۔ بابا کلیم خوندکر آگے آگے اور ہم دیوانہ واران کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

"تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو بھائی!" والدہ نے پھولی سانسوں میں پوچھا۔

"یہاں سے آگے تھوڑا جنگل ہے۔" بابا کلیم خوندکر نے کہا۔ "اس جنگل کو عبور کریں گے تو آگے بڑی سڑک آئے گی۔ اس کو پار کریں گے تو آگے فوجیوں نے ایک کیمپ بنا رکھا ہے جہاں غیر بنگالیوں کو پناہ مل جاتی ہے۔ میں صبح سویرے یہی معلومات حاصل کر کے آیا ہوں۔ یہ فاصلہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن اس وقت اس کو عبور کرنا پل صراط پر چلنے سے کم نہیں ہے۔ ہمارے پاس اپنی جان بچانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔"

ہم لوگ زندگی میں کبھی اس طرح نہیں بھاگے ہوں گے جس طرح اس وقت بھاگ رہے تھے۔ موت ہمارے تعاقب میں تھی۔ آگے زندگی تھی پیچھے موت۔ [illegible] مشکل والدہ کو پیش آرہی تھی۔ وہ بھاگنے میں بڑی دقت محسوس کر رہی تھیں لیکن موت کا خوف انہیں بھگا رہا تھا۔

جلد ہی ہم جنگلاتی علاقے میں داخل ہو گئے۔ بنگالیوں کو ہمارے فرار کا علم ہو گیا تھا اور وہ ہمارا تعاقب کر رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ ہمیں بچ کر نکلنے نہیں دیں گے۔ ابھی ہم نے آدھا راستہ ہی طے کیا ہوگا۔ اب ہمیں اپنے پیچھے آوازیں بڑی صاف سنائی دینے لگی تھیں۔

"سب کلمہ اور سورتیں پڑھتے رہو۔" والد صاحب نے [illegible] میں کہا۔

جان کنی کے ان لمحات میں یک دم بابا کلیم خوند کر رک گئے اور ہم سب کو بھی رکنے کا کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" والد صاحب کو غصے سے کہا۔ "اس طرح تو ہم سب مارے جائیں گے۔"

"کوئی فائدہ نہیں راجہ صاحب!" بابا کلیم خوند کر نے پراسرار سے انداز سے کہا۔ "ہم ان سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔ اب مجھے کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔"

مکتی باہنی کے جنونی غنڈے تلواریں اور دوسرے ہتھیار لہراتے ہوئے ہمارے قریب آ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بنگلہ زبان میں نعرے بھی لگا رہے تھے۔ "ہمار بھاشا تمار بھاشا۔ بنگلہ بھاشا" موت کو اتنا قریب دیکھ کر میں گھبرا گیا۔

"بابا! خدا کے لیے ہمیں بچالو۔" میں نے خوف سے بابا کلیم خوند کر سے چمٹ کر کہا۔

"فکر نہ کر بیٹا!" بابا کلیم خوند کر نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "بابا اور اس کے دوستوں کے ہوتے ہوئے یہ غنڈے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" اس کے ساتھ ہی بابا نے آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنی دوست شہد کی مکھیوں کو بلا رہے ہیں۔ میں مطمئن ہو گیا جبکہ والد اور والدہ یوں حیرت سے بابا کو دیکھ رہے تھے جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

چند لمحوں بعد بابا کی دوست بڑی بڑی مکھیاں گولی کی رفتار سے بھنبھناتی ہوئی کسی طرف سے آئیں اور بابا کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ بابا گنگناہٹ میں ان سے باتیں کرنے لگے۔ پھر جس تیزی سے مکھیاں آئی تھیں اسی تیزی سے جنگل میں داخل ہو گئیں۔

"یہ میرے وفادار دوست تھے راجہ عباس!" بابا نے والد صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ تیری اور تیرے خاندان کی زندگی بچائیں گے۔"

اسی اثنا میں مکتی باہنی کے غنڈوں نے آ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا۔

"ان پنجابیوں کو ہمارے حوالے کردو کلیم خوند کر!" ایک غنڈے نے للکار کر کہا۔ "تو اپنی جان بچا کر بھاگ جا۔"

"میں نے ان کا نمک کھایا ہے"۔ بابا نے گرجدار آواز میں کہا۔ "اور میں نمک حرام نہیں ہوں۔ میں ان کو بچانے کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔"

"تو غدار ہے کلیم خوند کر!" غنڈوں کے سرغنہ نے کہا۔ "لگتا ہے تیری رگوں میں بنگالی باپ کا خون نہیں ہے۔ تو اکیلا ہمیں کیسے روک سکے گا۔ ان کی خاطر تو بھی جان سے جائے گا۔ چل بھاگ یہاں سے۔"

بابا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اس سمت میں دیکھنے لگے جس طرف ان کی دوست مکھیاں گئی تھیں۔ پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں کا ایک بادل نمودار ہوا اور دو حصوں میں بٹ گیا۔ دونوں حصوں کے ساتھ ایک ایک بڑی مکھی تھی جیسے ان کی کمانڈ کر رہی ہو۔ یہ دونوں حصے ہمارے اوپر آ کر ٹھہر گئے۔ والد، والدہ اور انجم سہمی ہوئی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جبکہ مکتی باہنی کے غنڈے کچھ حیران اور پریشان ہو

رہے تھے۔

باباکلیم خوندکر نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور بڑبڑانے لگے۔ ہمیں ایک حیران منظر دیکھنے کو ملا۔ مکھیوں کا گروہ دونوں طرف سے مکتی باہنی کے غنڈوں پر ٹوٹ پڑا۔ غنڈے دردناک آوازوں میں چیختے چلاتے بھاگنے لگے...... ذرا سی دیر میں غنڈوں کا یہ ہجوم سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔ مکھیوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور واپس آ کر ہمارے سروں پر منڈلانے لگیں۔

باباکلیم خوندکر نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ میں ان سے لپٹ کر بلکنے لگا۔

"اب کیوں روتے ہو بابا کی جان!" انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور پھر میرا منہ چوم کر بولے۔" جا بیٹا! اللہ تیری زندگی کی حفاظت کرے اور تیری عمر طویل ہو۔"

"ایک بات یاد رکھنا راجہ عباس!" وہ میرے والد سے مخاطب ہو کر بولے۔" اول تو کسی کو دوست بناؤ نہ اگر بناؤ تو پھر ایسا دوست بناؤ جو مخلص اور وفادار ہو۔ پھر اس دوست پر اعتبار بھی کرو۔ تم تو آزمائش کے پہلے مرحلے پر ہی ڈانواں ڈول ہو گئے اور مجھ پر شک کرنے لگے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر چلا جاؤں لیکن تمہارے اس بیٹے نے مجھے دوست بنایا تھا۔ صرف اس کی وجہ سے میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ جاؤ تمہیں اور تمہارے بچوں کو زندگی مبارک ہو۔" باباکلیم خوندکر نے پھر مجھے پیار کیا بھیگی آنکھوں کے ساتھ ایک طرف چل پڑا۔ مکھیوں کا سیاہ بادل اس کے سر پر سایہ کیے ہوئے ساتھ ساتھ اڑ رہا تھا۔

مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں "بابا......! بابا......!" کہتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑ پڑا۔ وہ میری آواز سن کر رک گئے اور دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر دو زانو ہو گئے۔ میں ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگا۔ بابا مجھے سینے سے لگا کر سسکنے لگے۔

"اب تم اپنے والدین کے ساتھ چلے جاؤ دوست!" انہوں نے مجھے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "جب حالات اچھے ہوں گے تو پھر یہاں آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں بجھے دل کے ساتھ بابا کو الوداع کہہ کر آ گیا۔ پھر ہم گرتے پڑتے کیمپ تک پہنچ گئے۔ وہاں سے ہم کیسے پاکستان پہنچے۔ یہ ایک الگ کہانی ہے جو پھر کبھی سناؤں گا۔

پھر وہ سانحہ ہوا کہ ہمارا ایک بازو کٹ کر الگ ہو گیا۔

پھر کافی عرصے بعد جب بنگلہ دیش کے ساتھ رابطے بحال ہوئے تو میں نے باباکلیم خوندکر کا پتہ کرانے کی کوشش کی۔ مجھے بتایا گیا کہ۔

"باباکلیم خوندکر کو مکتی باہنی کے غنڈوں نے غداری کا الزام لگا کر بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ غدار نہیں وفادار تھے اور ان کا جرم ہی وفا نبھانا تھا۔"

میں اس دن بہت زیادہ رویا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک سچے اور وفادار دوست تھے اور دوستی نبھانے کی خاطر انہوں نے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ اللہ ان کو جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین

قسط نمبر 4

پراسرار شیطان

تحریر...... واجد نگینوی

گل رعنا کے خان بہادر ڈپٹی سید نراب علی ترمذی صاحب نے پولیس چوکی نگینہ سول لائن میں باقاعدہ رپورٹ تقریب میں ہنگامہ برپا کرنے والوں کے خلاف لکھوائی تھی۔ اس لئے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کے سراغ لگائے مجرم کو گرفتار Arrest کر کے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے روبرو پیش کرنے میں پولیس کو کسی خاص وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

سی آئی ڈی آفس میں داخل ہونے والے باوردی کانسٹیبل سید محمد ضیاء نقوی نے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو سلوٹ Salute دیا اور ہتھکڑی پہنے مجرم پپو کو میز کے سامنے کر کے خود پیچھے ہٹ گیا۔

"تمہارا نام؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے مجرم پپو پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے سختی سے پوچھا۔

"جی! مجھے پپو کہتے ہیں" مجرم نے کافی شائستہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہوں اور کام کیا کرتے ہو؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی لہجے کی کرواہٹ اب نرمی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"پہلے پرائمری اسکول محلہ باوردی کا طالب علم تھا۔ اب بیکار ہوں اور زیادہ وقت یار باری میں گزارتا ہوں" پپو نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"تمہیں جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اب چوری Steal کرتا ہوں" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کا پارہ اونچا ہو گیا۔

"انسپکٹر صاحب! آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہ جھوٹ بولنے کی عادت Habitofatellinglif ہے اور نہ چوری کی۔ جو بات سچ تھی وہ میں نے آپ کو بتا دی۔ اب اگر آپ کی یہی خواہش Desire ہے کہ میں جیل Prison جاؤں تو بخوشی حاضر ہوں۔ جو میرے حق میں اچھا ہے کہ کچھ عرصہ تک تو فکر معاش سے آزاد ہو جاؤں گا" مجرم پپو کا لہجہ کافی جوشیلا Excited ہو گیا تھا "کیا مطلب؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے قدرے دھیمے لہجے سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ باپ بدرالدین کی وفات کے بعد مجھے تعلیمی سلسلے کو ترک کرنا پڑا۔ کچھ دنوں تک گھر کے اثاثے نے میرا اور بیوہ ماں کا ساتھ دیا۔ آخر میں ماں کو چرخے کا سہارا لینا پڑا اور محلے کے بچے اور بچیاں الف بے تے پڑھنے آ جاتی ہیں لیکن ان سب کی مجموعی آمدنی Total Income والدہ بھتو کے ہی گزارہ کے لئے t کافی ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں کسی وقت "چولہا Stove جلتا ہے ورنہ



بعض دفعہ پانی پی کر بھی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ میں خود تو ہائی اسکول Matric بھی پاس نہیں۔ آج کل تو اونچی تعلیم Higher Educated والوں تک کو ملازمت نہیں ملتی۔ بیکاری Unemdloyment ملک میں کس قدر پھیلی ہوئی ہے یہ بات تو آپ خوب اچھی طرح سے جانتے ہوں گے ملازمت تو درکنار مجھے پرائیویٹ ٹیوشن Private Tutfon تک نہیں ملتے کیونکہ اسکولوں میں ایک عام رواج سا ہو گیا ہے کہ لڑکے اپنے ہی اسکول کے ماسٹروں سے ٹیوشن پڑھتے ہیں تاکہ پاس ہونے میں آسانی رہے۔

ماسٹران صاحبان بھی کیا کریں؟ مہنگائی انتہا کو پہنچ چکی ہے بیچارے اپنی قلیل آمدنی Low Income میں نہ جانے کس طرح کنبے Family کی پرورش کرتے ہیں"۔ اپنی طویل داستان Long Story کہنے کے بعد بوڑھے نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی۔ بوڑھے کی درد بھری کہانی کو غور

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی یہ بھول گیا Forgot کہ وہ سی آئی ڈی انسپکٹر ہے اور پپو مجرم اسے پپو پر ترس آ گیا اس نے ہاتھ کے اشارے سے پپو کو کرسی پر بیٹھ جانے کے لئے کہا اور نرمی سے کلّو رعنا والے قصہ کا معلوم کیا۔

''حضور والا! اصل میں حقیقت یہ ہے کہ ہم کچھ لاوارث اور پریشان حال نوجوانوں نے مل کر ایک کلب قائم کر رکھا ہے۔ جس کا مقصد ہے۔ یتیم Orphans اور بیواؤں Widows کی بے لوث خدمت کرنا۔ ان کے لئے ضرورت پڑنے پر روسا اور مالدار لوگوں سے چھوٹے موٹے چندے اکٹھے کرنا اور ان کے دیگر کاموں میں ہاتھ بٹانا۔

اس کے علاوہ ہم شہر کے تمام بڑے لوگوں کی ان تقریبات میں حصہ لیتے ہیں جو کھانے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اس کے لئے ہمیں پہلے سے باخبر رہنا پڑتا ہے۔ بڑے لوگوں کے یہاں شرکت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ مدعو کئے Invited اور بغیر مدعو کئے With out invited لوگوں کی شناخت Identity نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح سے ہم کلب کے نوجوانوں Youngers کا خوراک کا مسئلہ Problem of food کسی حد تک حل ہو جاتا ہے کیونکہ رئیس لوگوں کے ہاں آئے دن کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ جس میں شہر کے تاجر سے لے کر حاکم تک موجود ہوتے ہیں ہماری پارٹی کا کوئی جوان چوری یا کسی غلط کام میں کبھی حصہ نہیں لیتا کیونکہ ایسا ثابت ہو جانے پر اسے ممبری سے خارج ہونا پڑتا ہے ہم سب نوجوان تلاش روزگار میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ملازمت ملنے پر کلب کی ممبری سے علیحدہ ہونا پڑتا ہے''۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے دلچسپی سے کل حالات سننے ہوئے سوال کیا'' اچھا یہ تو سب ٹھیک ہے پھر لیکن کلّو رعنا والا معاملہ کیا ہے؟''

''بات بڑی معمولی سی تھی کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اور ہنسی بھی ہوا یہ کہ ہمارے ایک ساتھی اشفاق نے اپنے حصے کے پینا ہی ٹکڑے کی طشتری چیٹ کرنے کے علاوہ سالن کی بھی صفائی کر دی۔ بس اتنی ذرا سی بات پر دونوں میں تو تو' میں میں ہونے لگی نوبت ابھی خاصی دنگا مستی تک پہنچ گئی۔ گرم خون Hot Blood جو ٹھہرا۔ ہم ان لوگوں کے ان کے گھر گئے۔ خیریت اسی میں سمجھ کر، وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے''۔ پپو نے بڑی مشکل سے اپنی بات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ سب بات تو صاف ہو گئی لیکن محمد سبطین نقوی ایم اے ایل ایل بی چیئرمین انجمن صاحب کے گھر میں داخل ہونے والا مہمان کون ہو سکتا ہے؟'' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے پوچھا اس کے چہرہ اور لبوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ وہ ہمارے کلب کا سب سے بہادر ممبر اقبال ہے۔ کبھی کبھی بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر بغیر کسی خاص تقریب کے بھی ان کے ہاں میں تیرا مہمان بن جاتا ہے لیکن آج تک ریکارڈ قائم ہے کہ کبھی کوئی چیز باز برونہیں وصول کی۔ صرف خوب سیر ہو کر کھانا ضرور کھاتا ہے''۔ پپو نے بات ختم کی۔

''خیر بات یہاں تک تو مذاق میں ٹل سکتی ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ امیر لوگوں کی تقریبات میں کھائیں پئیں لیکن گھر کے اندر داخل ہونے والا

معاملہ نازک ہے اور قابل گرفت بھی۔ اس بار تو میں تم سب کو معاف کئے دیتا ہوں اور میری طرف سے اقبال کو بھی تنبیہہ Warning کر دینا۔ کہ آئندہ وہ اس قسم کی کوئی بھی شرارت Activity نہ کرے۔"

"دیوان جی! ان سب کے ہاتھوں سے ہتھکڑی کھول دو اور ان کو جانے دو" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے حکم Order دیا۔

کانسٹیبل رضوان نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور سلوٹ دے کر باہر نکل گیا اور سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی جو کافی منہمک ہو کر یہ سب کچھ بہت دیر سے سن اور دیکھ رہا تھا بڑ بڑا کر بولا۔ ارے ارے انسپکٹر صاحب، آپ نے میرا مطلب کہ من گھڑت جھوٹی داستان پر یقین کر لیا اور مجرم کو صاف بچ نکلنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں پھر تو آپ نے خوب جاسوسی کی ہینڈز اپ کی آواز سن کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کچھ دیر کے لئے گھبرا گیا۔ پپو کے ہاتھ میں پستول تھا جو اس نے اپنی میلی پتلون کی جیب سے نکالا تھا۔

"دیکھا، دیکھا، میں نہ کہتا تھا، سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنی لڑکھڑائی زبان میں جملہ ادھورا کیا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی صاحب ذرا تھے پپو جس کا اصل نام اصغر تھا نے ایک زوردار قہقہہ بلند کرتے ہوئے اپنا پستول اچھال کر میز پر پھینکا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے پستول اٹھا کر بغور دیکھا بالکل اصل کی نقل تھا لیکن مصنوعی صرف بچوں کا کھلونا، اس مذاق نے سی آئی ڈی انسپکٹر واجد بھی محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

"آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔ میری طرف سے تم سب کلب کے ممبران کو کھلی چھوٹ ہے۔ جب ضرورت سمجھو میرے یہاں کھانے پر آسکتے ہو"

"بہت بہت شکریہ۔ انسپکٹر صاحب" اور اصغر عرف پپو کے سلام کر کے رخصت ہونے کے بعد سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ خود بھی وقت سے پہلے آفس سے رخصت ہو گیا ورنہ دفتر والوں کا تختہ مشق بننے میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی۔

شب کی ہیبت ناک تاریکی کی سینہ چیرتی ہوئی ایک فلک شگاف چیخ بلند ہوئی۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی جو بڑی گہری نیند Fast Sleep سویا ہوا تھا۔ ایک ہی جست Jump میں پلنگ سے نیچے کود پڑا۔ دبے دبے قدموں کی چاپ Sound of slowly Walking وہ سن چکا تھا۔ جو بتدریج اب کم ہوتی جا رہی تھی۔ موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے نہایت ہوشیاری سے ہاتھ بڑھا کر اپنے پلنگ کے سرہانے والی پاکٹ ٹارچ Pocket Storch کو اٹھا لیا۔ ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ سب ہی چیزیں بدستور قرینے سے رکھی ہوئی تھیں اور چند ساعت پہلے کی چیخ کو یاد کر کے اسے اپنی ماں سیدہ کنیز پنجتنی زوجہ سید زاہد حسین نقوی کا خیال آیا۔

اور بڑی بے چینی سے اس نے ماں سیدہ کنیز پنجتنی کے پلنگ پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اپنی نظریں دوڑائیں اور.... اور.... وہ خود بھی

گھٹنوں کے بل Bending of ankle سرک کر ماں سیدہ کنیز پنجتنی تک جا پہنچا۔ ماں..... ماں..... چادر سے منہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اس نے گھٹنے کے بل بیٹھ کر چادر کا پلو الٹ دیا۔ ناک کے قریب ہاتھ رکھنے سے یہ محسوس ہوا کہ سانس ٹھیک چل رہی تھی کتنی غفلت کی نیند سوئی ہوئی تھی۔ یہ معلوم کر کے کہ ماں سیدہ کنیز پنجتنی خیریت سے ہے اسے سکون Peace ہوا۔

ماں سیدہ کنیز پنجتنی کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے سوئچ بورڈ Switch Board کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن Light on کر دی۔

اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ خادمہ زلیخاں اپنے بستر پر عجیب حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ پلنگ سے نیچے جھول رہا تھا۔ چہرہ پر پژمردگی اور خوف کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس نے خادمہ زلیخاں کی نبضوں کا جائزہ لیا۔

روح کبھی کی پرواز کر چکی تھی اور اب سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے سامنے ایک ٹھنڈی لاش Cold dead body پڑی ہوئی تھی۔

کچھ دیر کے لئے اسے ایسا محسوس Feel ہوا۔ جیسے کہ یہ خواب Dream ہو۔ یہ سب کچھ اس کے لئے غیر متوقع تھا لیکن کب تک؟ اسے حقیقت کی دنیا میں واپس آنا پڑا۔ اسے سامنے کے کواڑوں کی کنڈی کھلی ہوئی ملی۔ اس سے پیشتر بھی یہ اتفاق ہو چکا تھا جبکہ سب سے پہلی شب وہ یہاں سویا ہوا تھا اور نہ جانے کیا سوچ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ٹارچ کی مدد سے اس نے کافی چھان بین کی لیکن معاملہ صفر ہی رہا۔ واپسی پر اس نے محسوس کیا کہ ماں سیدہ کنیز پنجتنی جاگ گئی ہے۔ کروٹ بدلتے ہوئے ماں نے پوچھا" کیا بات ہے بیٹا واجد؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں' یوں ہی ذرا پیشاب Urine کرنے اٹھا تھا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اس وقت ماں سیدہ کنیز پنجتنی کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا He did not fhing to disturb his mother گھڑی پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔

تین بج کر تینتیس سیکنڈ ہوئے تھے۔ صبح کی نمودار ی اب دور نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اس نے پولیس کو مطلع کرنا اس وقت مناسب نہیں سمجھا۔ خادمہ زلیخاں کی لاش کو بغیر ہلائے جلائے چادر سے اچھی طرح ڈھک دیا۔

لائٹ آف Light off کر کے اس نے سونے کی ناکام کوشش کی۔ نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ طبیعت سخت پریشان تھی۔ آج کا واقعہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔

اگرچہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اچھی طرح یہ اندازہ کر لیا تھا۔ کہ خادمہ زلیخاں کا ہارٹ فیل Heart fail ہو گیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خادمہ زلیخاں نے کسی ایسی خطرناک چیز کو دیکھا ہو گا جس کے ردعمل میں اس کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ اگر صرف قدرتی موت ہوتی تو چیخ کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی موت میں دل کی کمزوری Weakness of heart کا دخل ضرور ہوسکتا ہے لیکن بڑھاپے کو بوڑھے طور پر الزام Blame نہیں دیا جاسکتا۔ خادمہ زلیخاں اوھیڑ عمر ضرور تھی لیکن ابھی اس پر رعشہ طاری ہوجانے والی کیفیت نہیں پائی جاتی تھی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے ذہن میں ایک بات نے سر ابھارا۔ بات میں کسی حد تک وزن بھی تھا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے زیر تفتیش آج کل صرف ایک ہی کیس تھا۔ اور وہ تھا نگینہ شہر Nagina City میں ہونے والی پر اسرار چوریوں کا پتہ لگانے کا معاملہ اور یہ صاف عیاں تھا کہ ان چوریوں کے پس منظر کوئی منظم گروہ کام کر رہا تھا۔ آج کے واقعہ سے مجرموں کے خطرناک ارادوں کا پتہ چلتا تھا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ مجرموں کے حوصلے کس قدر بڑھ چکے تھے۔ ضرور آج کوئی زبردست چال چلنے والے ہونگے۔ جسے خادمہ زلیخاں کی چیخ نے ناکام بنادیا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی بزدل Coward نہیں تھا لیکن دشمن Enemy کی اس جرات پر غصہ سے دانت پیسنے لگا۔ اس کا دماغ Mind تھوڑے وقت کے لئے اس قدر ماؤف ہو چکا تھا کہ اس کا دل چاہا کہ سب مجرم اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ ان سب کو اپنی گولی کا نشانہ بنا دے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے دل میں بھی ایک گوشت پوست کا دل تھا۔ خادمہ زلیخاں کافی عرصہ سے اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس سے انسیت ہوجانا ایک فطری عمل تھا۔ اس نے سوچا آہ بیچاری کتنی خدمت گزار تھی۔ اور وفادار بھی نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں بوڑھی خادمہ زلیخاں کے لئے آنسو Tears امڈ آئے۔

"نہیں' نہیں' آج میں ادھار نہیں دونگا۔ میری ابھی بونی بھی نہیں ہوئی' پھل فروش سلمان نے اپنا قطعی فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ "صرف آج اور......"

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے منمناتے ہوئے کہا "اجی سرکار! آپ تو روز ہی ایسا کہتے ہو"۔ پھل فروش سلمان نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

سرکار کا لفظ سن کر سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو اپنی پوزیشن کا خیال آگیا۔ جانتا ہے میں کون ہوں؟" ذرا کڑک دار آواز سے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے دریافت کیا "جی نہیں حضور میں نے آپ کو یوں ہی سڑکوں پر چنگ منگ کر چلتے دیکھا ہے"۔ پھل فروش سلمان نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ میں میں اور اپنے اردگرد سامنے کے نقوی پبلک کالج نگینہ کے چھوکرے اور چھوکریوں کو پاکر وہ موڈ میں آگیا۔

"میں شاعر ہوں اور ادیب بھی I am poet and writer یہ ایک تاریخی روایات ہے کہ شاعر اور ادیب پھکڑ ہوتا ہے۔ اگر میں تیرے جیسے پھل کھا کر ادا نہیں کرتا تو اس کا بالکل غم نہ کر میں تیرے پھلوں کے بارے میں قصیدے لکھوں گا۔ نظمیں کہوں گا۔ اپنے دوستوں سے بھی یہی کام کرواؤں گا۔ پھر تجھے ان کو بیچنے کے لئے صبح سے شام ایک جوئے شیر لانا نہیں ہوگا۔ ہاتھ کے ہاتھ تیرے تمام پھل بک جایا کرینگے۔

تیری اتنی شہرت Publicity ہوگی کہ خریدار پہلے سے ہی قطار Row میں کھڑے تیرے آنے کا انتظار کیا کریں گے"۔ چھوکرے اور چھوکریوں کے بے تحاشہ قہقہوں کو سنکر اس نے مزید کہا" تو بالکل فکر نہ کر۔ میں تیرے اوپر بھی مضامین کی بھرمار کردونگا۔ تیرے اوپر اتنا لکھوں گا اور اپنے دوستوں سے لکھواؤں گا کہ تیری بھی ایک تاریخی حیثیت ہو جائے گی اور جانتا ہے پھر کیا ہوگا؟" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے پھل فروش سلمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"احباب پلاؤ کھائینگے اور فاتحہ ہوگا"۔ ایک من چلے نے فقرہ چست کیا پھر تو کبھی نہیں مر سکتا تو امر ہو جائیگا۔ سچ کہتا ہوں لافانی ہو جائیگا' سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو اپنے لفظوں کا اسٹاک ختم ہوتے معلوم ہو رہا تھا۔ سامنے سے ایک شناسا سب انسپکٹر آف پولیس Subinspector of police کو آتا دیکھ کر پول کھلنے سے پہلے اس نے خیریت اسی میں سمجھی کہ چلتا بنا۔

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو پھل والے پر بڑا تاؤ آرہا تھا۔ سالے نے موڈ Muod کا ستیاناس کر دیا اور اس کم بخت سب انسپکٹر کے بچے کو ابھی ٹپکنا تھا کتنی ترکیبوں سے آج وہ نقوی پبلک کالج کی چھوکریوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

کتنی عقیدت سے ہی نہیں محبت کی نگاہوں سے سالیاں تک رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد یہ یقین تھا کہ مجمع سے کوئی نہ کوئی غزل یا نظم کی فرمائش کرتا اور میں بھی دو چار کے وار رومانی کلام سناتا کہ وہ تین تو ضرور گر مرتیں یا گھائل ہی ہو جاتیں۔ پھر میں ان کو موڈ میں لا کر کسی کھلی ہوئی جگہ سبزہ زار میں چلنے کی ضد کرتا بس بس مزہ ہی تو آ جاتا اور ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے کہا کہ "ہائے یہ نہ تھی ہماری قسمت وصال یار ہوتا"۔

لیکن اگر سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی ذرا سا سنبھل نہ گیا ہوتا تو وصال یار تو نہیں البتہ وصال موت ضرور ہو جاتا۔ وہ سامنے سے آنے والے ایک تیز رفتار ٹرک سے بال بال بچا تھا۔ ٹرک اس برق رفتاری سے جا رہا تھا کہ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی اس کے نمبر نوٹ کرنے میں بھی ناکام رہا آج اس نے سوچا صبح سے ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے پہلے پھل کھانے سے ناکام رہا۔ پھر کالج کی چھوکریوں سے معاشقہ لڑانے سے ناکام رہا اور اب ٹرک کے نمبر دیکھنے میں لیکن اس نے سوچا کہ وہ ابھی ابھی موت Death سے بھی ناکام رہا ہے۔ اگر وہ ٹرک کے نیچے آکر کچل گیا ہوتا تو اس کے بال بچوں کا کیا ہوتا۔

اس کی دھان پان سی زوجہ شہنشانی عرف ہنو کا کیا ہوتا۔ اب اسے شاعری اور ادیب کی عظمتوں کا حقیقت میں قائل ہونا پڑا۔ کیا ہوا اگر زندگی میں پریشان رہتا ہے۔ مرنے کے بعد تو نام باقی رہتا ہی ہے۔ اس نے سوچا کہ سارجنٹ ہو کر اس نے کتنی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ اسے تو شاعر ہی ہونا چاہئے تھا۔ آہا' آہا' آہا کتنا مزہ آتا جب مشاعروں میں کالج یونیورسٹیوں کے لڑکے اس کے آٹوگراف مانگتے اور لڑکیاں اسے چاٹ جانے والی نظروں سے اس کے چاروں طرف منڈلاتیں۔ اس وقت زندگی

کتنی رنگین ہوتی اور رنگینی کا خیال آتے ہی اس کے بدن میں ایک جھرجھری آ گئی اور اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو چکا تھا اور اس کی زوجہ محترمہ شہنشاہی عرف ہو اس کے کھوئے پن کی لذت اٹھا رہی تھیں۔

موسم Weather صبح سے ہی خوشگوار تھا ہوا میں لہراتے بادل Moving clouds کے ٹکڑے اور ہلکی پھوار دونوں مل کر ایک حسین امتزاج پیدا کر رہے تھے۔ سامنے کی تینوں کھڑکیوں کے پٹ کھولے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی موسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

نواب سید قاسم حسین زیدی جاگیردار صاحب کے ملازم عزیز نے آج کا تازہ اخبار لا کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو تھما دیا اخبار کے ہاکر کی کافی احتیاط کے باوجود کافی گیلا سا گیا تھا۔ آج کل پڑھے لکھے لوگوں Educated people کیلئے اخبار بھی زندگی کا ایک جز سا بن گیا ہے۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی بھی کتاب اور اخبار Book and news paper کے معاملے میں کافی چٹورا تھا۔

روز نامہ نگینہ تا گنر گیونکہ ایک لوکل اخبار تھا۔ اس لئے یہاں پر ہونے والی وارداتیں اور دوسرے واقعات کو اخبار میں اہم سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جاتا۔

صفحہ اول From page پر ہی شائع ہونے والی ایک سرخی نے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو کچھ دیر کے لئے تحیرت Astonish کر دیا۔ جو کہ مندرجہ ذیل تھی۔ "نگینہ یونین بینک کی شاخ سے ایک کروڑ کی چوری مورخہ 11 فروری 2003 ہمارے خصوصی پولیس رپورٹر کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ شب کے بارہ بجے کے بعد محلہ بارہ دری میں واقع نگینہ یونین بینک کی شاخ سے ایک کروڑ کی مالیت کی زبردست چوری ہوئی۔ تفصیلات اس طرح سے بیان کی جاتی ہیں کہ بارہ بجے ڈیوٹی تبدیلی ہونے پر جب نیا سنتری Guard پہرہ دے رہا تھا۔

لب سڑک گزرتے ہوئے ایک راہگیر نے اس سے وقت دریافت کیا۔ شکریہ ادا کرنے کے ساتھ سگریٹ کی بھی پیشکش کی۔ جسے سنتری Guard نے مال مفت دل بے رحم کے مصداق بخوشی قبول کر لیا لیکن سگریٹ کی رشوت سنتری کے لئے بڑی مہنگی ثابت ہوئی۔ وہ چار ہی لمبے لمبے کش لینے کے بعد گارڈ کو پہلے اپنا سر اور بعد میں دنیا گھومتی معلوم ہوئی۔ چوری بذریعہ نقب کی گئی۔ ایک کروڑ روپیہ نقد Cash تھا۔ باقی کے گہنے Juwellery وغیرہ تھے۔ ابھی چوری کے سلسلے کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے اور معاملہ پولیس کے زیر تفتیش ہے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو اس چوری سے زیادہ تعجب Wonder اس بات پر تھا کہ بارہ دری پولیس اسٹیشن کے انچارج سید اقبال حسین زیدی نے ابھی تک اسے آگاہ نہیں کیا تھا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔ سات بجے تھے پھر کپڑے تبدیل کئے اور دفتر آئی ڈی کو روانہ ہو گیا۔

راستے میں وہ سوچ میں ہی ڈوبا رہا۔ دفتر پہنچ کر سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ بارہ دری

پولیس اسٹیشن کے انچارج سے ٹیلیفون پر گفتگو کرنی چاہی معلوم ہوا انچارج آج کل چھٹی پر ہیں۔

بہر حال اب سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے سامنے دو مشکوک Suspicious باتیں تھیں۔ ایک بارہ دری چوک کے انچارج کا چھٹی پر ہونا اور دوسرے اس رات میں بینک پر پہرہ دینے والے سنتری کا بیان۔

اگر چہ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ چوری بڑے منظم طریقے پر ہوئی تھی۔ اس سے قیاس Imagine-بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس نقب زنی میں بھی پچھلے ہی چوری کرنے والے گروہ کا ہاتھ رہا ہو۔

لیکن ایک اچھے جاسوس Detective ہونے کے ناطے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے لئے واردات کے ہر پہلو کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کرنا To look after فرض ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے اس نے تھگینہ محلہ بارہ دری چوکی کے انچارج سید محمد اقبال سبطین رضوی کے بارے میں انکوائری Enquiry شروع کی اور کسی خاص پریشانی کے بغیر سید محمد اقبال سبطین رضوی کے کردار Character کے بارے میں ساری باتیں مہیا ہو گئیں۔ سید محمد اقبال سبطین رضوی کی ملازمت Service پچیس سال سے اوپر ہو گئی تھی لیکن ایک بھی واقعہ Event اس دوران ایسا نہیں ہوا تھا۔

جس سے کہ سید محمد اقبال سبطین رضوی کے کردار پر حرف آتا۔ عام طور سے پولیس کے ملازمان کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جاتی لیکن سید محمد اقبال سبطین رضوی پولیس کی بہت سی برائیوں سے بالاتر تھا۔ اچھی عادت وخوش اخلاق ہونے کے علاوہ اپنے فرض منصبی کو سلیقے سے انجام دینا سید محمد اقبال سبطین رضوی کی خوبی تھی۔

سید محمد اقبال سبطین رضوی تھگینہ محلہ بارہ دری کے پولیس اسٹیشن انچارج سے مطمئن ہونے کے بعد سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے تھگینہ یونین بینک کے گارڈ Guard افضال کے متعلق چھان بین شروع کی۔ جس کا پورا نام سید افضال حسین زیدی تھا۔ بسلسلہ ملازمت دس سال سے تھگینہ ضلع بجنور یو پی انڈیا میں مقیم تھا۔ شروع کے دو تین برس گڑھوال کے ایک ڈاکٹر سید محمد حسن مہدی کے پاس بطور کمپوڈر رہا۔ اس کے بعد شہر کے ایک رئیس سید محمد سبطین زیدی ایم اے ایل ایل بی علیگ کے گھر ملازمت کی اور اب پانچ سال سے نہایت ایمانداری کے ساتھ تھگینہ یونین بینک کی چوکیداری کے فرائض انجام دے رہا تھا اس کے متعلق کسی بھی نشہ آور اشیا کو استعمال کرنے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملا۔

جوئے Gambling یا سٹے کی لت نہ ہونے کی وجہ سے غیر ضروری خرچ Unnecessary expences کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ دو بچیاں تسکین اور مسعود اور ایک بیوی احمدی بیگم پر مشتمل کل گرہستی زندگی Domestic Life تھی۔

تین ہزار ماہوار میں افضال اپنے اخراجات کا کفیل تھا۔ تھگینہ یونین بینک کی ڈیوٹی Duty کے بعد گھر اور گھر کے کاموں Domestic affairs میں مصروف رہتا۔ غرضیکہ کوئی بات سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو ایسی نہیں ملی جو کہ سید محمد اقبال سبطین رضوی اور افضال پر شبہ کرنے

کا جواز ہوتی۔
نرگسی آنکھیں ستواں ناک اور سیب جیسا گول گول چہرہ' رنگ گندمی تھا۔ سولہ سال کی الہڑ دوشیزہ جب ذرا سینہ ابھار کر اور اپنے کولہوں کو مٹک مٹک کر چلتی تو رنگین مزاج سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو ایسا معلوم ہوتا جیسے جنت سے کوئی حور اتر آئی ہو۔

''ہائے کم بخت اس میلے کچیلے لباس Dirty dress میں بھی کیا قیامت ڈھا رہی ہے۔''

''ہوں' کیا کہا؟'' محترمہ زوجہ شہنشائی عرف ہنو نے وضاحت چاہی کچھ بھی نہیں' میں ذرا ایک ڈرامہ کی ریہرسل کر رہا ہوں''۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے ہوش کی دوا کرتے ہوئے کہا۔ سب سمجھتی ہوں تمہارے کرتوت' شرم نہیں آتی۔ اگر وہ مہترانی شبو کی بچی نے سن لیا تو کیا کہے گی۔ آدھی درجن سے زائد سات بچوں کے باپ ہو کر بھی مزاج میں ابھی چھچھورا پن باقی ہے'' ''تم ہمیشہ الٹ مطلب لیتی ہو میرا مقصد یہ کہ بات کا غلط مطلب کیوں نکالتی ہو''۔

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے شہنشائی عرف ہنو کی بات کو اچکتے ہوئے کہا۔ جیسے میرے منہ پر تو آنکھیں ہی نہیں۔ سامنے سے آتی بھنگن کی چھوکری کو دیکھ کر ہی ڈرامہ کی ریہرسل یاد آتی ہے''۔

شہنشائی عرف ہنو نے خونخوار نگاہوں سے باری باری سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی اور مہترانی شبو کی لڑکی جمیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر اس کی ماں کو پتہ چل گیا تو کام کرنا بھی چھوڑ دے گی پھر یا تو پاخانہ کی صفائی اپنے ہاتھ سے کرنا۔ یا جنگل کی سیر کرنے کو جانا۔ تب محبت کا مزہ معلوم ہوگا'' اور اس تنبیہ Warning کو سن کر نہ جانے کیوں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو ہنسی آ گئی۔

''اجی ! میں تمہاری طرح تنگ دل Warrowmind تو ہوں نہیں اچھی چیز کی تعریف منہ سے کرنی پڑتی ہے''۔

''تو پھر تم نے میرا جیون کیوں خراب کیا۔ زندگی بھر کنوارے رہتے روزانہ بازاری عورتوں اور مہترانیوں کے سنگ' زوجہ محترمہ شہنشائی عرف ہنو نے زچ ہو کر کہا۔

''سات بچوں کی ماں ہو کر بھی تمہیں مجھ سے شکایت Complaint ہے اب کوئی تم نئی نویلی دلہن تو ہو نہیں کہ ہر وقت تمہارے گلے میں باہیں ڈالے رہوں اور ناز نخرے برداشت کرتا رہوں''۔

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی بھی جوش میں آ گیا تھا۔ زوجہ محترمہ شہنشائی عرف ہنو کی بات کاٹ کر بولا۔

''اگر مجھ سے اتنا ہی اکتا گئے ہو تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے۔ میں اپنے میکے چلی جاؤں گی''۔ شہنشائی عرف ہنو روٹھ جانے والے انداز میں کہنے لگی۔

''بس میرے جیون کی آشا زیادہ مت ستایا کر میرا دل پہلے ہی کافی دکھا ہوا ہے۔ تو نہیں جانتی کہ میں تجھ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ دفتر والوں کو ایک یہ شکایت ہے کہ میں کوئی کام دل لگا کر نہیں کرتا۔ کروں تو کیسے؟ تو جو ہر وقت میرے دھیان میں بسی رہتی ہے'' سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے شہنشائی عرف ہنو کو منانا چاہا جو کہ اس کی نفسیات سے واقف ہو چکا تھا۔

(جاری ہے)

وہ چوہے خدا کی پناہ۔ 2 فٹ سے زائد لمبے
ہمیں اپنی خونخوار آنکھوں سے گھور رہے تھے

چوہوں کا جزیرہ

...... ایس۔ امتیاز احمد

یہ اس زمانے کی بات ہے جب آتش جواں تھا۔ مجھے ملازمت کی تلاش میں گھومتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اخبارات میں ضرورت ہے کے اشتہارات لفظ بہ لفظ پڑھنا میرا معمول تھا۔

ایک دن عادت کے مطابق میں اخبارات کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ضرورت ہے کہ ایک اشتہار پر میری نظر پڑی۔ ''گیانا کے ساحل سے 20 میل کے فاصلے پر ایک چٹان پر نو تعمیر شدہ روشنی کے مینار کے لیے ایک رکھوالے کی ضرورت ہے۔'' تنخواہ معقول تھی۔ تجربہ کار ہونا بھی ضروری نہ تھا چونکہ میں شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا اس لیے اس ملازمت میں مجھے اور بھی زیادہ جاذبیت محسوس ہوئی۔

توقع کے مطابق مجھے ملازم رکھ لیا گیا اور ایک ماہ کی تربیت کے بعد اس روشنی کے مینار میں میری ڈیوٹی لگا دی گئی۔ ذرا تصور کی آنکھ سے دیکھئے خیالی رنگت کا 150 فٹ اونچا گول اور 40 فٹ چوڑا مینار جزیرے کے ایک کنارے پر ایستادہ ہے۔ پانی ہٹ جائے تو آپ جزیرے پر چہل قدمی بھی کر سکتے تھے۔ پانی چڑھ جائے تو اطمینان سے سب سے اوپر کی منزل یعنی لالٹین والی منزل کی گیلری میں کھڑے ہو سکتے ہیں...... لیٹ سکتے ہیں اور بیٹھ سکتے ہیں۔

دوسری منزل پر گودام تھا جس میں کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے ساحل سے کوئی موٹر بوٹ 15 دن تک نہ آ سکے تب بھی رکھوالے گزارا کر سکیں۔ اس روشنی کے مینار کے ہم 3 رکھوالے تھے۔ جم میں اور ڈیوڈ۔ ڈیوڈ ہیڈ کیپر تھا اور چونکہ ہم دونوں سے بڑا تھا اس لیے ہم اس کی عزت بھی کرتے تھے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ ڈیوڈ نے جس کی اس رات ڈیوٹی تھی مجھے اور جم کو آواز دی۔ ہم پہلی آواز پر اچھل کر اٹھے اور آن کی آن میں 30 سے 32 سیڑھیاں پھلانگ کر آخری منزل پر پہنچے۔ گیلری میں ڈیوڈ کھڑا ایک جہاز کو دیکھ رہا تھا جو مینار کی گھومتی ہوئی روشنی میں اس وقت دکھنے لگتا تھا۔ جب روشنی اس پر پڑتی تھی یہ چیز ہمارے لیے حیرت انگیز تھی۔ کیونکہ اب تک مینار کے اس قدر قریب کوئی جہاز نہیں آیا تھا تو پھر یہ جہاز اتنا قریب کیوں اور کیسے آ گیا...... ہم نے سوچا کہ اب یہ جہاز کسی زیر آب چٹان سے ٹکرا کر ڈوب جائے گا ...... اور ہوا بھی یہی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بجلی سی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور 4000 ٹن



وزنی جہاز جو پہلے ہی ڈول رہا تھا۔ ڈوبنے لگا......

"عملے کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا وہ سب کے سب اندھے ہو گئے ہیں جو روشنی انہیں نظر نہیں آئی......؟" میں چلایا۔

"اگر عملے کا کوئی رکن باقی بچا ہے تو......؟" ڈیوڈ نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے چیف......! کیا اسے بھوت چلا رہے ہیں......؟" جم کی آواز میں لرزش تھی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سارا عملہ ختم ہو گیا ہو اور جہاز ڈولتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا ہو۔" ڈیوڈ نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ اسے ڈوبتے ہوئے دیکھتے رہیں اور اظہار افسوس کریں۔

ہم کتنی دیر دوربین لیے کھڑے رہے اس کا مجھے اندازہ نہیں...... ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں اس وقت ہوش آیا۔ جب نئے سورج کی کرنوں کی تمازت محسوس کی۔ اب جہاز کا صرف اگلا حصہ نظر آ رہا تھا۔

سمندر قدرے پرسکون تھا۔ ہم ناشتے سے قبل ڈوبتے ہوئے جہاز کو آخری بار دیکھنے کی غرض سے دوبارہ داو پر دوڑے...... کیا دیکھتے ہیں کہ لاکھوں چوہوں کا ایک ریلا ہے جو جہاز کے اگلے حصے سے نکل نکل کر سمندر میں کود رہا ہے۔

اب ہمیں معلوم ہوا کہ اچھے بھلے جہاز پر عملہ کیوں نہیں تھا۔ جہازوں پر کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جہازوں میں پلنے والے چوہے عام چوہوں سے کتنے مختلف عیار اور نڈر ہوتے ہیں۔ عام چوہا تو آپ کو دیکھ کر چھپ جائے گا۔ قدموں کی چاپ سن کر دبک جائے گا۔ مگر یہ ایک ڈیڑھ فٹ جسامت کے قوی ہیکل چوہے نہ دیکھتے ہیں نہ چھپتے ہیں بلکہ ڈٹ جاتے ہیں۔ بھوک لگے اور جہاز پر انہیں کھانے کو کچھ نہ ملے تو عملے پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور آناً فاناً ڈھانچوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس جہاز کے عملے کا بھی یہی حشر ہوا ہوگا......

ہمیں اس خیال سے ہی متلی ہونے لگی۔

ڈیوڈ نے بتایا کہ۔

"یہ چوہے اتنے کینہ پرور ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کو مارنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس کی چیخوں کی آواز پر پورے جہاز میں پھیلے ہوئے چوہے کووں کی طرح دوڑے آتے ہیں اور اس شخص کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک کہ اس کے جسم پر ایک بھی بوٹی باقی رہتی ہے۔

ہم ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ دیکھا کہ جہاز سے کود کر جان بچانے والے ہزاروں چوہے لہروں کی شکل میں تیرتے ہوئے لائٹ کے جزیرے کی طرف آ رہے ہیں۔

"انہوں نے شاید ہماری بو سونگھ لی ہے......؟" ڈیوڈ نے کہا اور ہمیں نیچے آنے کو کہہ کر سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔ بمشکل تمام ہم نے کم سے کم وقت میں تمام کھڑکیاں، دروازے مقفل کیے۔ نیچے پہنچ کر دیکھا تو اپنی خوش قسمتی پر رشک آیا۔

صبح ہم میں سے کسی نے مینار کا بڑا دروازہ (جو چینل کا بنا ہوا تھا) پہلے ہی بند کر دیا تھا۔

ہمارے دوبارہ داو پر پہنچنے سے پہلے پہلے چوہوں کی فوج مینار پر اس طرح چڑھ چکی تھی جیسے بندر ناریل

کے درخت پر چڑھتے ہیں۔ اوپر پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ جہاں جہاں پنجہ جمانے کی جگہ ملی ہے وہاں ایک عدد چوہا لٹکا ہوا ہے۔ اوپری منزل شیشے کی بنی ہوئی تھی کیونکہ جہازوں کو خطرے سے مطلع کرنے کے لیے یہاں گھومنے والی بتی روشن کی جاتی تھی اور ہم اسے لالٹین کہتے تھے۔ اس شیشے پر ہزاروں چوہے پرندوں کی طرح جمے بیٹھے تھے۔ گیلری میں اتنے چوہے بھرے ہوئے تھے کہ سفیدی دکھائی نہ دیتی تھی۔ لالٹین کا شیشہ چند ملی میٹر موٹا تھا اس میں سے ہم انہیں نظر تو آ سکتے تھے لیکن ہم تک پہنچنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

تیز پنجے اور نوکیلے دانت...... پارے کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں...... جن سے بھوک جھکتی تھی اور نہایت غلیظ بو...... چند ہی لمحوں میں ہم پریشان ہو گئے۔ ہم نہ سانس لے سکتے تھے اور نہ ادھر اُدھر دیکھ سکتے تھے۔ اپنے ہی لائٹ ہاؤس میں ہم مقید ہو کر رہ گئے تھے۔

اس رات ہم ہرگز نہ سو سکے۔ ایک ایک لمحہ گزارنا محال تھا۔ ہر لمحہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی کھڑکی کوئی دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔ لالٹین میں پہنچ کر بتی روشن کی تو یہ روشنی بھی انہیں ناگوار گزری۔ شور بے تحاشا بڑھ گیا۔ روشنی میں وہ تقریباً اندھے ہو چکے تھے۔ جس حصے میں روشنی نہ ہوتی وہاں لٹکے ہوئے چوہوں کی سینکڑوں لعل آنکھیں اندھیرے میں اس طرح چمکتیں کہ خوف سے گھگھی بندھ جاتی۔

ماحول اتنا دہشت زدہ تھا کہ یوں بھی بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن جب بہت ضروری ہو جاتا تو اس شور میں چلائے بغیر ایک دوسرے تک اپنی بات پہنچانا مشکل تھا۔ رات کے آخری حصے میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جگہ کے حصول کے لیے چوہے آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ طاقتور کمزور پر اس طرح غالب آ رہا ہے کہ اپنا مخالف کو نیچے پانی میں پھینک دیتا ہے جہاں وہ شارک مچھلیوں کا نوالہ بن جاتا ہے۔

اگلے دن ہم قید کے کچھ عادی ہو گئے۔ ہم نے لالٹین میں جا کر چوہوں کے ساتھ کچھ مذاق بھی کیا اور انہیں چھیڑنے کی کوشش کی...... جب ہم اپنی انگلی ان کے منہ کے قریب لے جاتے تو وہ اس طرح جھپٹتے جیسے کتا بلی گوشت چھیننے کے لیے جھپٹتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان یہ غیر مرئی دیوار ان کی سمجھ سے بالا تھی۔ اس روز مذاق ہی مذاق میں ہم نے محسوس کیا کہ ہم کتنی خطرناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ ہوا تیزی سے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ تازہ ہوا کے لیے کھڑکی کھولنے کا مطلب تھا کہ سینکڑوں چوہوں کو بھی ریلے کی شکل میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔

چوتھے دن میں نے دیکھا کہ لالٹین کے نیچے والی منزل کے ایک دریچے کی پڑکھٹ نیچے سے جواب دیتی جا رہی ہے۔ بس اگر لمحے بھر کی دیر ہو گئی ہوتی تو لائٹ ہاؤس کے اندر چوہے ہی چوہے بھرے ہوتے۔ میں نے ساتھیوں کو آواز دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم تینوں نے مل کر پورے دریچے پر ٹین کا ایک ٹکڑا ٹھونک دیا۔

اس کے بعد کوئی 6 دن اور 7 راتیں گزر گئیں۔ سامان لانے والی کشتی کے آنے میں بھی 3 سے 4 دن باقی تھے۔ اس عرصے میں ہم نے انہیں گن کر اور ان

کے نام رکھ کر خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کی..... لیکن یہ سب بے سود تھا۔ اس لیے کہ وہ بھی ایک جگہ ٹھہرتے ہی نہ تھے۔ ابھی یہاں ہیں تو دوسرے ہی لمحے اچھل کر وہاں چلے گئے۔ وہاں جھگڑا ہو گیا تو لڑتے لڑتے 120 فٹ نیچے گر گئے اور شارک مچھلیوں کی غذا بن گئے ہم نے اتنے چوہے گرتے دیکھے لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد میں کوئی قابل ذکر کمی نظر نہ آئی۔

نویں دن جم پر ہوانی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بیٹھے بیٹھے چیخنے لگتا کہ۔

"مجھے 3 ڈھانچے ناچتے دکھائی دے رہے ہیں۔ جو مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اپنی اس ذہنی کیفیت کی وہ کچھ اس طرح منظر کشی کرتا تھا کہ مجھے اور ڈیوڈ کو بھی ایسے ہی ڈھانچے اور ہمارے ناچتے دکھائی دینے لگتے۔

یہ صحیح ہے کہ لائٹ ہاؤس نے خطرے کا سگنل دینے کا انتظام بھی ہوتا ہے لیکن اس کے لیے لالٹین پر چڑھنا پڑتا ہے لیکن وہاں تو پہلے ہی چوہے براجمان تھے اس لیے اوپر چڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دسویں روز رات کے 2 بجے کے قریب ڈیوڈ کی چیخ پر میں اور جم اچھل پڑے۔ دریچے پر ٹھونکا جانے والا ٹین کا ٹکڑا جواب دے گیا تھا اور چوہے پھدک پھدک کر اندر آ رہے تھے۔ ہم جب ڈیوڈ کو بچانے کے لیے دوڑے تو وہ بالکل کتوں کی طرح دانت کچکچا کچکچا کر ہماری طرف لپکنے لگے..... کسی نے ایک بوٹی اتاری تو کوئی پائنچے سے لٹک کر رہ گیا۔ ہم چاقو لہراتے

ہوئے آگے بڑھتے رہے..... مگر اس سیلاب کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل تھا۔ لہٰذا زخموں سے نڈھال ڈیوڈ کو بمشکل تمام گھسیٹ کر ہم اوپر لے گئے۔

مجھے یاد نہیں کہ اس وقت ہم نے اپنی جانیں کس طرح بچائیں..... بس اتنا یاد ہے کہ چوہوں کے گھیرے برابر ریلے میں سے ہم یوں نکلے کہ ٹانگوں اور ہاتھوں سے چوہے جونہی بوٹی نوچنے کے لیے اچھلتے ہمارے چاقو لہراتے اور دو چار چوہے گر کر تڑپنے لگتے..... لالٹین نما کمرے تک پہنچتے پہنچتے میرا جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا۔ ہم نے لالٹین کے فرش پر سے ڈھکنا اٹھایا اور اوپر چڑھتے ہی لیٹ کر کتوں کی طرح ہانپنے لگے۔ اپنی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ کپڑے تار تار ہو چکے ہیں اور بے شمار زخموں سے خون رس رس کر فرش پر جم رہا ہے۔ اس وقت پورے لائٹ ہاؤس میں چوہے دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ کھانے پینے کی جو چیزیں نیچے گودام میں رکھی ہوئی تھیں انہیں چٹ کر رہے تھے اور ہم تھے کہ سب سے اوپر والی منزل میں پہنچ چکے تھے اس کے بعد ہمارا کیا حشر ہوگا یہ ہمیں علم نہ تھا..... ہم نے یہ سوچنا بھی گوارا نہ کیا کہ کیا ہمارا حشر ان 18 سے 19 چوہوں جیسا ہوگا جو ہمارے جسموں سے لٹک کر ساتھ ہی اوپر چلے آئے تھے..... لیکن یہاں ہمارے چاقو کا نشانہ بن گئے تھے۔

ایک گھنٹے کی خاموشی کے دوران ہم تینوں ایک دوسرے کو خالی خالی آنکھوں سے گھورتے رہے۔ اس لمحے پلک جھپکانا بھی ایک بڑی ورزش محسوس ہوتی تھی۔ آخر جم نے سکوت توڑا اور ایک کھوکھلا لیکن طویل قہقہہ لگانے کے بعد کہنے لگا۔

اس جزیرے کو "چوہوں کا جزیرہ" کہا جاتا تھا۔

اب یہ "چوہوں کا جزیرہ" کہلائے گا پھر وہ طوطے کی طرح یہ جملہ بار بار دہرانے لگا...... جب یہ سن سن کر میرے کان پک گئے تو میں نے اٹھ کر الٹے ہاتھ سے اسے ایک تھپڑ رسید کیا۔ یک لخت دوبارہ خاموشی چھا گئی اور میں نے دیکھا کہ جم کے منہ سے رال ٹپک رہی ہے اور وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ باہر اب تک تقریباً وہی عالم تھا۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ پہلے آسمان دکھائی نہ دیتا تھا اور اب آسمان نظر آ رہا تھا۔

میں غالباً یہ بتانا بھول گیا تھا کہ گزشتہ روز سے ہم نے مینار کی گھومنے والی بتی روشن نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ شہر تک لائٹ ہاؤس کے غیر متوقع اندھیرے کی بات پہنچے اور ہمارے محکمے کے لوگ وجہ معلوم کرنے آئیں۔ ہمارا خیال درست نکلا۔ اِدھر پو پھٹی اُدھر محکمے کے کچھ لوگ ایک کشتی میں لائٹ ہاؤس کے قریب پہنچ گئے۔

ہم نے سوچا کہ چوہوں کی قید سے رہائی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم چھان بین کے لیے آنے والی کشتی کے عملے پر کسی طرح ظاہر کر دیں کہ ہم زندہ ہیں۔ اس خیال کے تحت میں ڈیوڈ اٹھے اور ہم نے مینار روشن کر دیا۔ پھر اسی روشنی کی مدد سے ہم نے نقطوں اور وقفوں کی شکل میں انہیں پیغام دیا کہ ہم یہاں محصور ہیں خدا را ہمیں ان چوہوں سے نجات دلاؤ۔ ان لوگوں نے بات سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی اور ہاتھ کے اشاروں سے چند گھنٹے اور انتظار کرنے کو کہہ کر لوٹ گئے اور کہا۔

"ہمت نہ ہارو...... ہم مدد لے کر آ رہے ہیں۔"

اب بچنے کی کچھ امید ہو چلی تھی۔ لیکن ڈیوڈ بے ہوش ہو گیا تھا اور جم کی وہی حالت تھی۔

تقریباً 12 بجے وہ لوگ واپس آئے اور ان کے آتے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک پٹرول سے بھری ہوئی کشتی پر تازہ گوشت لاد کر لائٹ ہاؤس کے قریب لا کر کھڑی کر دی۔ تازہ گوشت کی بو پاتے ہی سینکڑوں چوہے دیوانہ وار اس کشتی کی طرف لپکے...... جو یہاں تھا جس حالت میں تھا لمحہ بھر کو رک جاتا اور گوشت کی بو سونگھ کر مینار کے قریب گوشت سے لدی ہوئی کشتی کی طرف چیختے ہوئے دوڑنے لگا۔

جب تقریباً تمام چوہے گوشت پر پل پڑے تو انہوں نے کشتی کو آگ لگا دی۔ بیشتر چوہے تو جل کر مرے...... لیکن جو اپنی جان بچانے کے لیے پانی میں کود پڑے انہیں شارک مچھلیاں چٹ کر گئیں۔ خدا خدا کر کے جب یہ قصہ تمام ہوا تو ایک موٹر بوٹ آئی اور ہمیں قید سے نکال کر ہسپتال پہنچایا گیا اور ہماری جگہ تین دوسرے آدمی چھوڑ گئے۔

آج لکھتے ہوئے مجھے دکھ ہوتا ہے کہ ڈیوڈ 3 دن کے اندر اندر ختم ہو گیا اور جم مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔ ایک میں تھا جو باوجود ان زخموں کے بچ گیا۔

شاید یہ داستان آپ تک پہنچانے کے لیے مجھے نئی زندگی ملی ہو......!

A RAT OF TAPO

BY.H DECOSTAR



کھر طرف روانہ ہونے سے پیشتر اس نے اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑائی تو منظر بڑا ویران سا اور قدرے ہیبت ناک تھا

پراسرار سیٹی ..... ایک راز

پراسرار سیٹی

لکھنے ..... اشفاق انور

"میرا خیال ہے کہ آپ اب جلد ہی چلے جائیں گے پروفیسر صاحب' کیونکہ ایام تعلیم تو پورے ہو چکے ہیں۔"

اونوگرانی کے پروفیسر نے ایک ایسے شخص نے کہا جو اس کہانی میں شامل نہیں ہے۔ سینٹ جیمز کالج کے ہال میں ایک دعوت کا اہتمام تھا جہاں وہ پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پروفیسر جوان صفائی پسند اور نرم گو تھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"میرے دوستوں نے مجھے کچھ دنوں کے لیے گولف کھیلنے کی دعوت دی ہے۔ لہذا میں مشرقی ساحل کی طرف یعنی برنسٹو جانے کا ارادہ رکھتا ہوں جہاں میں اپنے کھیل کی مشق کے لیے ہفتہ عشرہ قیام کروں گا امید ہے میں کل روانہ ہو جاؤں گا۔"

"پارکنس صاحب۔" پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"اگر آپ برنسٹو جا رہے ہیں تو وہاں ٹمپلرز کی مذہبی درسگاہ کی عمارت ضرور دیکھ لینا اور پھر مجھے بتایئے گا کہ گرمیوں میں وہاں قیام کرنا کیسا رہے گا۔"

جیسا کہ آپ سمجھ سکتے ہیں یہ الفاظ ایک ایسے شخص نے کہے جو آثار قدیمہ کی تفتیش میں دلچسپی رکھتا تھا لیکن اس کا ذکر اس تمہید میں ہوا ہے۔ لہذا اس کے بارے میں مزید بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

"بے شک۔" پروفیسر پارکنس نے کہا۔ "اگر آپ مجھے اس جگہ کے متعلق کچھ تفصیلات بتائیں تو میں واپس آ کر آپ کو اس علاقے کی صورت حال سے باخبر کروں گا یا اگر آپ اپنا پتہ دے دیں تو خط کے ذریعے آپ کو مطلع کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ کو اتنی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں شکریہ۔ میں تو ان دنوں یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنے اہل و عیال کو لے کر اسی علاقے میں جا قیام کروں میرا خیال تھا کہ چونکہ انگلستان کی اکثر مذہبی درسگاہوں کا انتظام ٹھیک نہیں ہے لہذا مجھے چھٹیوں میں کچھ مفید کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

پروفیسر نے اس خیال کو درخور اعتناء سمجھا کہ کسی مذہبی درسگاہ کو منظم کرنا ایک مفید کام ہے۔ اس کا ہمسایہ بولتا گیا۔



"یہ جگہ جہاں میرے خیال میں شاید کوئی بھی چیز زمین سے بلند نہیں ہے اب ضرور لمبارڈی سے قریب تر ہوگی۔ آپ کو معلوم ہے کہ سمندر ساحل کے اس حصے میں اپنی حد سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے۔ نقشے کے مطابق آپ کے شمالی سرے پر واقع سرائے گلوب اِن سے ساحل کوئی تین چوتھائی میل کے فاصلے پر ہوگا۔ آپ کہاں ٹھہریں گے؟"

"گلوب اِن میں ہی قیام کرنے کا پروگرام ہے۔" پارکس نے کہا۔

"میں نے وہاں ایک کمرے کا انتظام کرلیا ہے۔ کسی اور جگہ رہائش کا بندوبست نہیں ہو سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں بہت سی رہائش گاہیں بند ہو جاتی ہیں۔ وہاں بھی صرف ایک ہی کمرہ خالی تھا جس میں دو پلنگ پڑے ہیں اور ان

کے ہاں کوئی اور ایسا کمرہ نہیں جہاں دوسرا پلنگ رکھا جا سکے۔ میں خود بھی بڑا کمرہ ہی پسند کرتا ہوں کیونکہ میں اپنی کتابیں بھی ساتھ لے جا رہا ہوں اور کچھ لکھنے کا کام بھی کرنے کا ارادہ ہے۔ اگرچہ میں اپنے مطالعے کے وقت میں دو خالی پلنگ تو کجا ایک کا بھی تصور نہیں کر سکتا تاہم میرا خیال ہے کہ میں وہاں اپنے عارضی قیام کے دوران کسی نہ کسی طرح گزارا کر ہی لوں گا۔"

"آپ اپنے کمرے میں ایک فالتو بستر رکھنے کو پسند نہیں کرتے؟" سامنے بیٹھے ہوئے ایک اکھڑ سے شخص نے کہا۔

"اچھا تو پھر میں وہاں آ جاؤں گا اور کچھ عرصہ قیام کروں گا۔ اس طرح آپ کا ساتھ بھی ہو جائے گا۔"

پروفیسر نے ذرا تامل کیا اور پھر خوش اخلاقی سے قہقہہ لگایا۔

"بڑی خوشی سے راجرس۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا پسند ہو سکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ اس طرح شاید کچھ بے لطفی محسوس کریں۔ کیا آپ گولف کھیلتے ہیں؟"

"نہیں خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں کھیلتا۔" اکھڑ مزاج مسٹر راجرس نے کہا۔

"دیکھئے جب میں لکھ نہیں رہا ہوتا تو میرا زیادہ وقت گولف کے میدان میں گزرتا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس صورت میں آپ کچھ نہ کچھ بے لطفی ضرور محسوس کریں گے۔"

"خیر میں کہہ نہیں سکتا مجھے یقین ہے کہ اس جگہ میرا کوئی نہ کوئی واقف نکل آئے گا لیکن اگر آپ میرا وہاں آنا پسند نہیں کرتے تو صاف کہہ دیجئے میں برا نہیں مانوں گا۔ آپ ہمیشہ ہمیں بتاتے رہے ہیں کہ سچائی کبھی ناپسندیدہ نہیں ہوتی۔"

پارکنس بلاشک ایک مہذب اور صداقت پسند شخص تھا۔ اس کے سینے میں اس وقت ایک ہچکچاہٹ تھی جس کے باعث وہ ایک دو لمحوں تک جواب دینے سے قاصر رہا۔ یہ وقفہ گزرنے پر اس نے کہا۔

"اگر آپ سچائی ہی سننا چاہتے ہیں تو سنئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ آیا وہ کمرہ واقعی اتنا بڑا ہے کہ ہم دونوں وہاں آرام سے رہ سکیں گے۔ مجھے یہ بھی خیال آتا ہے کہ کہیں اس طرح میرے کام میں حرج تو نہیں ہوگا۔" راجرس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"چلئے بات ہو گئی۔" اس نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے کام میں مخل نہیں ہوں گا۔ آپ اس سلسلے میں بے فکر رہیں۔ اور اگر آپ پھر بھی میرا ساتھ پسند نہیں کرتے تو میں نہیں آؤں گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں بھوتوں کو بھگانے کے سلسلے میں بڑی حد تک آپ کے کام آ سکتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کو کہنی سے ٹھوکا دیا اور آنکھ سے اشارہ کیا۔ پارکنس کا چہرہ ایک دم متغیر ہو گیا۔

"معاف کرنا پارکنس۔" راجرس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ دراصل مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ آپ اس موضوع پر کچھ کہنا سننا پسند

نہیں کرتے۔"

"بالکل۔" پارکنس نے کہا۔

"جیسا کہ آپ نے اس امر کا تذکرہ کیا ہے میں یہ بخوشی تسلیم کرتا ہوں کہ میں بھوتوں وغیرہ کے متعلق الٹی سیدھی باتیں قطعاً پسند نہیں کرتا۔ میری حیثیت کا آدمی۔" اپنی آواز کو ذرا بلند کرتے ہوئے وہ کہتا گیا۔

"اس قسم کے اعتقادات کو تسلیم کر بھی نہیں سکتا۔ آپ جانتے ہیں مسٹر راجرس یا کم از کم آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اپنے نظریات کے اظہار میں کوئی بات چھپا کر نہیں رکھتا۔"

"درست ہے آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا بزرگوار۔" راجرس نے دبی زبان سے کہا۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسی چیزوں کے وجود کے نظریے سے اگر ذرا بھی رعایت برتی گئی یا اس پر توجہ دی گئی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں نے ان اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے جو میرے خیال میں بڑے مقدس ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں آپ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہوں۔"

"آپ کی مکمل توجہ کا حاصل وہی ہے جو ڈاکٹر بلمبر نے بتایا ہے۔" راجرس نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن معاف کرنا پارکنس میں نے قطع کلامی کی۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔" پارکنس نے کہا۔

"مجھے بلمبر کا نام یاد نہیں ہو سکتا ہے وہ مجھ سے پہلے گزرا ہو۔ لیکن مجھے مزید کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہیں۔"

"ہاں...... ہاں۔" راجرس نے قدرے عجلت سے کہا۔

"بالکل ٹھیک برنسٹو میں اور ہمیں ان باتوں سے اچھی طرح واسطہ پڑے گا۔"

مندرجہ بالا گفتگو کے حوالے سے میں نے یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ پارکنس کے اطوار کسی بڑھیا کی طرح بلکہ ایک مرغی جیسے تھے۔ یعنی اپنے روزمرہ کے طور طریقوں کے لحاظ سے وہ شاید بالکل جامد تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بے خوف اور اپنے احساسات میں مخلص اور قابل احترام شخص تھا۔ پارکنس کے کردار کا یہی خلاصہ ہے خواہ قارئین اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔

اگلے روز پارکنس امید کے مطابق کالج سے چلے جانے اور برنسٹو میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

"گلوب ان۔" میں اسے خوش آمدید کہا گیا۔ اس کے لیے مذکورہ دو بستروں والا کمرہ ٹھیک ٹھاک کر دیا گیا۔ آرام کرنے سے پہلے اس نے اپنی تمام چیزیں قرینے سے ایک کونے میں بڑی میز پر رکھ دیں۔ کمرہ تینوں جانب سے کھڑکیوں سے گھرا ہوا تھا جو سمندر کی طرف کھلتی تھیں یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ مرکزی کھڑکی سیدھی سمندر کے رخ پر واقع تھی۔ دائیں اور بائیں دونوں کھڑکیوں سے ساحل کے جنوبی اور شمالی حصوں کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ جنوب کی طرف برنسٹو کی بستی

نظر آتی تھی اور شمالی رخ پر کوئی مکان نہیں تھا بلکہ ساحل کے کنارے بھی چٹانیں دکھائی دیتی تھیں۔ بالکل سامنے کے رخ پر گھاس کا طویل قطعہ پھیلا ہوا تھا جس کے قریب کہیں کہیں پرانے کھنڈرات جو زبان اور اس قسم کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی ایک پگڈنڈی گزرتی تھی جس سے بڑے کھاڑی کی حد شروع ہو جاتی تھی۔ ساحل سمندر اور کلب ان کے درمیان پہلے خواہ کتنا ہی فاصلہ ہو لیکن اب ان کا فاصلہ سانچھ گز سے زیادہ نہیں تھا۔

سرائے میں جو لوگ مقیم تھے وہ زیادہ تر گولف کے کھلاڑی تھے۔ البتہ چند افراد ایسے تھے جو خصوصی تعارف کے محتاج تھے۔ سب سے زیادہ نمایاں شخصیت شاید ایک "مرزوجی" کی تھی جو لندن کے کسی کلب کا سیکرٹری تھا۔ اس کی آواز بڑی بلند تھی اور وہ اپنے نظریات کے مطابق واضح طور پر پروٹسٹنٹ تھا۔ اس کے عقائد اس وقت خاص طور سے نمایاں ہوتے جب وہ پادری کے وعظ سنتا۔ یوں اسے دلآویز مذہبی رسوم سے لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ اپنی روایت کے مطابق اس دلچسپی کو زیادہ واضح نہ ہونے دیتا تھا۔

پروفیسر پارکنس جس کی نمایاں خوبی ذہانت تھی۔ برنسٹو آنے کے اگلے دن کا زیادہ حصہ اس کا کرنل ولسن کے ساتھ اپنے گولف کے کھیل کو بہتر بنانے میں گزارا تھا اور دوپہر کے بعد شاید یہ اس کے بہتر کھیل کا نتیجہ تھا۔ کرنل کا رنگ اتنا پھیکا پڑ گیا کہ پارکنس کے لیے گولف کے میدان سے اس کے ہمراہ گھر واپس آنے کے خیال سے وحشت ہونے لگی۔ تنی ہوئی مونچھوں اور جسب کھائے چہرے پر ایک سرسری نظر ڈال کر اس نے بہتر یہی سمجھا کہ قہوہ کو نوشی سے کرنل کی طبیعت بحال ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ رات کے کھانے پر اس سے ملاقات ہو تو وہ ہشاش بشاش نظر آ سکے۔ چنانچہ وہ اس سے جدا ہو گیا۔

"آج میں غالباً کھاڑی کے ساتھ چلتے ہوئے گھر جاؤں گا۔" اس نے سوچا۔

"ٹھیک ہے اس طرح دن کی روشنی میں وہ کھنڈرات بھی دیکھ لوں گا جن کا ڈزنی نے ذکر کیا تھا۔ مجھے ابھی طرح معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں لیکن توقع ہے کہ میں ان سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

یہ بات اس کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ اس کا پاؤں ایک خاردار پودے کی جڑ سے الجھتا ہوا ایک بڑے پتھر سے ٹکرا گیا اور وہ اس کے اوپر گر پڑا۔ جب وہ اٹھا اور اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی حد تک شکستہ زمین کے قطعے پر ہے جس میں جابجا چھوٹے گڑھے اور ابھار پائے جاتے ہیں۔ بغور دیکھنے پر پتہ چلا کہ وہ محض پتھر کے تودے ہیں جو چونے کے پلستر سے ڈھکے ہوئے ہیں اور ان پر گھاس اگی ہوئی ہے وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب تھا کہ وہ قدیم دینی درسگاہ کے آثار پر کھڑا ہے جسے دیکھنے کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنی سیاحت کا انعام مل گیا تھا۔ اکثر بنیادیں زیادہ گہری نہ تھیں جس سے عمارت کی شکل وصورت کا خاصا اندازہ ہو سکتا۔

تھا۔ اسے مدھم سی یاد آئی کہ اس عمارت کے بنانے والوں کا دستور تھا کہ وہ لوگ گرجے تعمیر کیا کرتے تھے۔ اس نے دیکھا کہ اکثر بکھرے ہوئے آثار دائرے کی شکل میں نظر آتے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے شعبے سے باہر شوقیہ طور پر تحقیقی کام کرنے کی کوشش سے باز رہ سکیں گے۔ مگر پروفیسر نے تو مسز ڈزلی کو خوش کرنے کی غرض سے صحیح معنوں میں تحقیق کی کوشش کی۔ اسے خود بھی ایسے کاموں کا کچھ نہ کچھ شوق تھا۔ لہٰذا انھوں نے گول رقبے کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیا اور اپنی نوٹ بک میں اندازے سے اس کی پیمائش کا اندراج کیا۔ پھر وہ اس مستطیل شکل کے ابھار کو جانچنے کے لیے آگے بڑھا جو دائرے کے مرکز سے مشرق کی طرف واقع تھا۔

اس نے سوچا کہ یہاں چبوترہ قربان گاہ ہی ہوگی۔ اس کے شمالی سرے پر پلستر کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا جو شاید کسی لڑکے یا کسی جانور کی کارستانی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ یہاں سے مٹی ہٹا کر عمارتی کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس نے اپنا چاقو نکال کر اس جگہ سے مٹی کو کھرچنا شروع کر دیا۔ اور اب ایک اور چیز دریافت ہوئی یعنی مٹی کا کچھ حصہ اندر کی طرف گرا اور ایک چھوٹے سے خلا کا انکشاف ہوا۔

اس نے دو ایک دیاسلائیاں جلا کر یہ دیکھنا چاہا کہ وہ کس قسم کا سوراخ ہے لیکن تیز ہوا کے سامنے اس کی پیش نہ چلی۔ چاقوں کی مدد سے مزید کھرچنے اور آس پاس ٹھوکنے سے تاثر دیے

دیکھنے کے قابل ہو گیا کہ اینٹوں میں ایک مصنوعی سوراخ بنا ہوا تھا جو مستطیل شکل کا تھا اور اس کے اندر اگرچہ پلستر نہیں کیا گیا تھا پھر بھی اس کی تہہ اور دیواریں ہموار اور متناسب تھیں۔ بظاہر وہ خالی تھا۔

اب اس نے چاقو باہر نکالا اسے کسی دھات کی جھنکار سنائی دی اور جب اس نے ہاتھ ڈال کر دیکھا تو سوراخ کے فرش پر ایک نلکی جیسی چیز پڑی ملی۔ اسے اٹھالیا ایک قدرتی امر تھا اور جب اسے روشنی میں دیکھا گیا جواب مدھم ہوتی جارہی تھی تو پتہ چلا کہ یہ بھی انسان کی بنائی ہوئی کوئی چیز تھی۔ دھات کی بنی ہوئی کوئی چار انچ لمبی ایک نلکی جو بظاہر کافی مدت سے وہاں پڑی ہوئی تھی۔

جب پارکنس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب اس خلا میں اور کوئی چیز نہیں اب اس حد تک تاریکی چھا چکی تھی کہ کوئی مزید تحقیق کرنے کے لیے وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ غیر متوقع طور پر اتنا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ وہ اگلے دن کی روشنی میں آثار قدیمہ کے لیے تھوڑے سے اور وقت کی قربانی دینے کا ارادہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ دریافت شدہ چیز اب اس کی جیب میں محفوظ تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہوگی۔

گھر کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر اس نے اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑائی تو منظر بڑا ویران سا اور قدرے ہیبت ناک تھا۔ مغرب کی طرف مدھم اور زردی روشنی میں گولف کے میدان میں کچھ صورتیں کلب گھر کی طرف متحرک نظر آرہی تھیں۔ ساحلی قلعے کا پست مینار قریب کے گاؤں کی روشنیاں اور

ساحلی ریت کی پتلی پٹی بھی دکھائی دے رہی تھی جسے جابجا سیاہ چوبی پشتے قطع کرتے تھے۔ اس سے پرے ہلکی روشنی میں سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا۔ شمال کی جانب سے تیز ہوا چل رہی تھی جو گلوب ان کی طرف چلتے ہوئے اس کی پشت کے رخ پر تھی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ٹمپلرز کے گرجے کے کھنڈرات سے کتنی دور آ چکا ہے۔ اس نے آخری بار پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو مدھم سی روشنی میں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص اس کے پیچھے آ رہا ہے اور غالباً اس سے آملنے کی غرض سے تیز تیز قدم اٹھا رہا ہے لیکن وہ اپنی کوشش میں کچھ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ ان دونوں کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ بدستور اتنا ہی رہا۔

پارکنس نے سوچا کہ وہ اسے نہیں جانتا ہوگا لہٰذا اس کا انتظار کرنا فضول ہے۔ ایسے موقعوں پر کوئی ساتھ چلنے والا ہو تو اچھا ہے بشرطیکہ آپ اسے جانتے ہوں۔ ماضی میں اس نے کہیں پڑھ رکھا تھا کہ اس قسم کی جگہوں پر بعض اوقات ایسی ملاقاتیں ہو جاتی ہیں جن کے متعلق انسان نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔ وہ ایسی ہی ملاقاتوں کے بارے میں سوچتا گیا۔ حتیٰ کہ گھر پہنچ گیا۔ اسے خاص طور پر اس چیز کا خیال آتا تھا جو اکثر لوگوں کے بچپن میں وہم کی طرح ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

''میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک زمیندار بھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اسے ایک مکروہ صورت بھتنا دکھائی دیا جو کھیت کو پار کر کے اس کی طرف آ رہا تھا۔''

''مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے سوچا۔

''اگر میں پیچھے مڑ کر زرد آسمان کے پس منظر میں اس سائے کو دیکھ لیتا اور مجھے اس کے سینگ اور پردار شخص نظر آتے تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں بھاگ کھڑا ہوتا یا وہیں رک جاتا؟ خوش قسمتی سے میرے پیچھے آنے والا بھلا آدمی اس قسم کا نہیں ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے اب بھی اتنے فاصلے پر ہوگا جتنے فاصلے پر وہ مجھے پہلے نظر آیا تھا۔ اور اگر وہ اسی رفتار سے چلتا رہا تو رات کے کھانے پر میری طرح جلد نہ پہنچ پائے گا۔ باپ رے اب تو بمشکل پندرہ منٹ رہ گئے ہیں مجھے بھاگنا چاہیے۔''

پارکنس کو لباس تبدیل کرنے کے لیے واقعی بہت تھوڑا وقت ملا۔ جب وہ کھانے کی میز پر کرنل سے ملا تو وہ مطمئن اور ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ کھانے کے بعد تاش کھیلنے کے دوران بھی وہ اسی طرح رہا اور پارکنس نے کافی دیر تک پتوں سے دل بہلایا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ بہت رات گئے سونے کے لیے اٹھا تو اسے محسوس ہوا کہ شام بڑے خوشگوار طریقے سے گزری ہے اور اگر اسی طرح کے حالات رہے تو گلوب ان میں دو تین ہفتوں کا قیام بڑا خوشگوار ہوگا۔'' خصوصاً اس نے سوچا۔

''اس صورت میں کہ گولف کی مشق جاری رکھوں۔''

جونہی وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اسے راستے میں سرائے کا خادم ملا جو اسے دیکھ کر ٹھہر گیا اور کہنے لگا۔

''معاف کرنا جناب ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ کا کوٹ برش سے صاف کر رہا تھا کہ کوئی چیز اس کی جیب سے گر پڑی۔ میں نے وہ اٹھا کر آپ کی دروازوں والی الماری پر رکھ دی ہے۔ جناب کسی پائپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ آپ الماری میں سے لے لیں صاحب۔ اچھا شب بخیر جناب۔''

اس گفتگو سے پارکنس کو یاد آ گیا کہ دن کے وقت اس نے ایک چھوٹی سی دریافت کی تھی۔ بڑے تجسس کے ساتھ وہ اسے مرم بتیوں کی روشنی میں لے گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یہ کانسی کی بنی ہوئی ہے اور آج کل کے زمانے کی کتوں کو بلانے والی سیٹی سے ملتی جلتی ہے۔ واقعی یہ ایک سیٹی تھی۔ وہ اسے ہونٹوں تک لے گیا لیکن وہ مٹی اور ریت سے اٹی ہوئی تھی۔ اس لیے بج نہ سکی۔ اس نے چاقو کی مدد سے مٹی وغیرہ صاف کی۔

رات صاف اور روشن تھی اس نے کھڑکی کھولی اور تھوڑی سی دیر کے لیے سمندر کی طرف دیکھا۔ ایک تنہا راہگیر ساحل کے ساتھ ساتھ کسی انجانی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ وہ حیران تھا کہ برنسٹو کے لوگ اتنی رات گئے بھی سوئے نہ تھے۔ اس نے سیٹی کو پھر روشنی میں غور سے دیکھا۔ اس پر کچھ نشان تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حروف کھدے ہوئے تھے۔ ذرا سا رگڑنے پر کندہ عبارت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ لیکن کچھ سوچنے کے بعد پروفیسر کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس کے لیے اس عبارت کا مفہوم اخذ کرنا محال تھا۔ سیٹی کی دونوں طرف کچھ نہ کچھ لکھا ہوا تھا۔

''میرے لیے اس کا مطلب سمجھنا ضروری ہے۔'' اس نے سوچا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ میری لاطینی کچھ زنگ آلود ہو چکی ہے۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ سیٹی کو لاطینی زبان میں کیا کہتے ہیں۔ دوسری طرف کا فقرہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب غالباً یہی ہے۔ یہ کون ہے جو آ رہا ہے؟'' خیر بہتر یہ ہے کہ اسے جاننے کے لیے سیٹی بجا کر دیکھی جائے۔''

اس نے آزمائش کے لیے سیٹی بجائی اور ایک دم رک گیا۔ قدرے حیران ہونے کے باوجود وہ اس کی آواز سے خوش ہوا جو بہت دور تک پھیلنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور نرم تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ سیٹی کی آواز کئی میل تک پہنچی ہوگی۔ یہ ایک ایسی آواز تھی جو ذہن میں صورتیں بنانے کی طاقت رکھتی ہے (جیسے کئی عطر اس کے اہل ہوتے ہیں۔)

ایک لمحے کے لیے اس نے یہ منظر دیکھا کہ رات کا وقت ہے اور چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ تازہ ہوا چل رہی ہے اور اس کے درمیان ایک تنہا صورت ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ منظر کیسے اس کے سامنے آ گیا ہے۔ اگر اس کی کھڑکی سے تیز ہوا کا ایک جھونکا ٹکرانے سے یہ خواب محو نہ ہو جاتا تو شاید وہ کچھ اور بھی دیکھتا۔ ہوا کا ریلا اتنا شدید تھا کہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا۔ عین اسی وقت کسی بحری پرندے کے پر کی سفید جھلک کھڑکی کے باہر دکھائی دی۔

سیٹی کی آواز اسے اتنی دلکش معلوم ہوئی کہ اسے ایک دفعہ اور بجائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس دفعہ

ہلکی ذرا دور سے بجائی گئی۔ مگر اب کوئی تصویر نظر نہ آئی حالانکہ اسے اس کی امید تھی۔

"لیکن یہ کیا بات ہے؟ چند ہی منٹوں میں ہوا اس قدر تیزی سے چلنے لگی۔ کتنا تیز جھکڑ ہے میں نے سوچا تھا کہ گھنٹی لگانے کا کوئی فائدہ نہیں دونوں موم بتیاں بجھ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمرہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔"

سب سے پہلے کھڑکی کو بند کرنے کی ضرورت تھی۔ جتنی دیر آپ ہی آپ بجتی رہی پارکنس اس چھوٹی سی کھڑکی کے ساتھ کشتی کرتا رہا اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی تنومند چور کو پیچھے دھکیل رہا ہے۔ باقی رہا بڑا سخت تھا۔ ایک دم ہوا کا زور ڈھیلا پڑ گیا۔ کھڑکی کے پٹ دھماکے کے ساتھ بند ہو گئے اور آپ ہی آپ گھنٹی لگ گئی۔

اب موم بتیاں پھر جلائی گئیں تاکہ دیکھا جائے کہ کچھ نقصان تو نہیں ہوا۔ لیکن سب کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کھڑکی کا کوئی شیشہ بھی نہ ٹوٹا تھا۔ البتہ اس شور سے سرائے کا ایک مکین یقینی کرنل ضرور جاگ اٹھا تھا۔ اوپر کے فرش پر اس کے قدموں کی چاپ اور غصے سے بڑبڑانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ہوا پوری طرح رکی نہ تھی بلکہ اب بھی تیزی سے چل رہی تھی۔ کبھی کبھی ہوا کی کوئی چیخ اتنی تیز سنائی دیتی تھی کہ پارکنس کے کہنے کے مطابق کئی دوسرے لوگ بے چینی محسوس کرتے ہوں گے۔ چند منٹ بعد اسے خیال آیا کہ وہی لوگ ہی تھیں۔ اس ہوا سے بغیر پہلے شخص کو خوشی ہوئی۔

شاید یہ ہوا تھی یا گولف کھیلنے کا جوش یا کھنڈرات میں تحقیق اس کا باعث تھی کہ پارکنس کو نیند نہیں آرہی تھی۔ بہرحال وہ بہت زیادہ دیر تک جاگتا رہا۔ (میں بھی اکثر ایسی صورت حالات کے تحت سونے سے قاصر رہتا ہوں۔) وہ سوچنے لگا کہ وہ کسی مہلک پریشانی کا شکار ہو گیا ہے۔ اس نے دل کی دھڑکنیں گننا شروع کر دیں۔ اسے وہم ہونے لگا کہ دل کی حرکت بند ہو جائے گی اور اس کے پھیپھڑے، دماغ اور جگر اپنا کام چھوڑ دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی اسے یقین تھا کہ دن چڑھتے تک وہ ان توہمات کو زائل کر دے گا لیکن اس وقت تو وہ رفع ہونے سے انکار کر رہے تھے۔ البتہ اسے اس خیال سے ذرا اطمینان ہوا کہ اس کشتی میں کوئی اور بھی سوار ہے۔ قریب ہی کوئی شخص (تاریکی میں اس کی سمت بتانا آسان نہ تھا) اپنے بستر میں کروٹیں بدل رہا تھا۔

اس کے بعد پارکنس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سونے کا پکا ارادہ کر لیا۔ لیکن اب پھر بڑھتے ہوئے جوش نے ایک اور صورت اختیار کر لی۔ یعنی اس کے سامنے عجیب عجیب تصویریں گھومنے لگیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سونے کی کوشش میں آنکھیں بند کرے تو تصویریں سامنے آ جاتی ہیں اور اگر کوئی ان سے گھبرا کر آنکھیں کھول دے تو وہ منتشر ہو جاتی ہیں۔

پارکنس کو اس موقع پر بڑا اذیت ناک تجربہ ہوا۔ اس کے سامنے جو تصویر آئی وہ یوں دکھائی دی جیسے مسلسل گھوم رہی ہو۔ جب اس نے آنکھیں

کھول دیں تو وہ منظر غائب ہو گیا۔ لیکن جب اس نے دوبارہ آنکھیں بند کیں تو وہی منظر پھر اس کے سامنے آ موجود ہوا جو کہ پہلے کی نسبت تیز تھا نہ سست۔ جو کچھ اس نے دیکھا وہ یہ تھا۔

ساحل کا ایک لمبا قطعہ تھا۔ سنگریزوں سے پرے ریت کی پٹی دکھائی دی جس پر جابجا چوبی پشتے لگے ہوئے تھے۔ یہ منظر بڑی حد تک اس کی بعد دوپہر کی سیر سے ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ کوئی علامت یا ایسی کوئی اور چیز دکھائی نہ دیتی تھی اس لیے اسے پہچاننا دشوار تھا۔ روشنی بڑی مدھم تھی جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ آندھی آنے والی ہے دن کا پچھلا حصہ سرد رہے گا اور قدرے بارش بھی ہوگی۔ پہلے تو اس تاریک سٹیج پر کوئی اداکار نمودار ہوا۔ پھر دور سے کوئی سایہ سی چیز نظر آئی جو جلد ہی ایک آدمی کی صورت اختیار کر گئی۔

وہ چوبی پشتوں کو پھلانگتا اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ جونہی وہ زیادہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ بری طرح خوفزدہ ہے مگر اس کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا اس کے علاوہ وہ بڑا تھکا ہوا نظر آتا تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا ہر رکاوٹ اسے پہلے سے زیادہ دشوار معلوم ہوتی تھی۔

”کیا وہ اس رکاوٹ کو عبور کر لے گا؟“

پارکنس نے سوچا۔

”یہ دوسروں کی نسبت ذرا اونچی لگتی ہے۔“

لیکن وہ جوں توں کر کے اس پر چڑھ ہی گیا اور تقریباً گرتا ہوا اس طرف کود آیا۔ (اب وہ زیادہ قریب دکھائی دینے لگا) پھر یوں معلوم ہوا کہ وہ اٹھنے کے قابل نہیں اور وہ اوپر کی طرف بڑی فکرمندی سے دیکھتا ہوا پشتے کے نیچے نیم بے بسی سے پڑا رہا۔

اس وقت تک دوڑنے والے شخص کے ڈر کی وجہ کسی طرح ظاہر نہ ہوئی تھی۔ لیکن اب دور ساحل کی طرف سے کسی کے تیز چلنے کی جھلک دکھائی دی۔ کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ کوئی شخص زرد اور پھڑپھڑاتے ہوئے کپڑے پہنے چلا آرہا ہے۔ اس کی نقل و حرکت میں کوئی ایسی بات تھی کہ پارکنس اسے قریب سے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک جگہ رک کر اپنا بازو اوپر اٹھاتے اور ریت کی طرف سر جھکایا۔ تب وہ اسی طرح کھاڑی پر سے پانی کی طرف دوڑا اور پھر واپس آگیا۔ اب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور پہلے سے زیادہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ دائیں اور بائیں چکر کاٹتا ہوا اس چوبی پشتے سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ گیا جہاں پہلے بھاگ کر آنے والا چھپا ہوا تھا۔ دو تین بار ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ ایک جگہ ٹھہر گیا۔ ہاتھ اوپر اٹھائے اور پھر تیر کی مانند اس چوبی پشتے کی طرف بھاگ کر گیا۔

اس مقام پر پہنچ کر پارکنس اپنی آنکھیں بند رکھنے میں ناکام رہا۔ آخر وہ اس ارادے سے اٹھا کہ موم بتی جلا کر کوئی کتاب پڑھے اور اسی طرح جاگ کر رات گزار دے۔ اسے اس متواتر منظر سے بڑی کوفت ہو رہی تھی جو اس کی اپنی سیر اور پراگندہ خیالات کو بار بار اس کے سامنے لا رہا تھا۔

(جاری ہے)

ایک خون آشام لڑکی جو زندہ رہنے کے لیے ایک حسین رقاصہ
کا روپ دھار کر نوجوانوں کو اپنے پیار میں پھانس کر ان کا خون پیتی تھی

خون پینے والی

تحریر...... فریدہ بانو

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آرکسٹرا کی دھنوں میں اپنے جسم کو خوبصورت زاویوں میں بدلنے والی روزلین اس درجہ خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ روزلین کو دیکھنے والے اس کے حسن اور جسم سے بیک وقت پیار کرنے لگتے۔ معصوم چہرہ جیسے صدیوں سے مرد کے ہاتھوں کی لمس کو پکار رہا ہو۔ خوبصورت ہونٹ جن سے شہد ٹپکتے رہتے ہوں، محسوس ہوتے۔ مگر یہ دوشیزہ ڈائن تھی چڑیل تھی یا... تفصیل سے پہلے اپنا تعارف بھی کرا دوں میرا نام مائیکل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے باپ کا نام کیا تھا اور نہ ہی یہ علم کہ میری ماں کون تھی ہاں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ایک ملاح نے میری پرورش کی تھی۔ اٹلی کا بوڑھا ملاح جس کی زندگی کے ساٹھ سال مختلف سمندروں کی ہوا کھاتے گزرے تھے۔ بارہ سال کی عمر تک میں اسے اپنا باپ سمجھتا رہا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ میں پیدائش کے دن کا تھا کہ میں جہاز کے کیبن میں پایا گیا۔ نہ جانے میرے وہ سنگ دل والدین کون تھے جو کسی بندرگاہ پر اترتے وقت مجھے کیبن میں پھینک گئے۔

جب ملاح نے مجھے میری کہانی سنائی تو میں اداس ہو گیا۔ کئی روز تک اداس رہا اور میں اپنے آپ کو سمندر کا بیٹا سمجھنے لگا۔ جب میری عمر چودہ سال کی ہوئی تو یہ احساس جاگا کہ مجھے بوڑھے ملاح کے رزق پر نہیں پلنا چاہیے اور میں جہاز کے عرشے پر سگریٹ بیچنے لگا۔ سگریٹوں کی چلتی پھرتی دکان میرے گلے میں لٹکی رہتی تھی۔ اور میں اداکارانہ چالوں سے کام لیتے ہوئے سگریٹ بیچا کرتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد میں خاصا مشہور ہو گیا۔ جہاز کا کپتان مجھے ننھا جوکر کہا کرتا تھا۔ وہ مجھی سے سگریٹ خریدتا اور جہاز کا عملہ بھی اپنے کپتان کی پیروی کرتے ہوئے میری طرف رجوع کرنے لگا۔

ایک دن جہاز کے عرشے پر میں سگریٹ بیچ رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں آواز گونجی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بوڑھا چشمہ لگائے مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے ایکٹنگ کرتے ہوئے گلے میں لٹکنے والی دکان اس کی آنکھوں کے قریب تر کر دی تاکہ وہ اپنی پسند کے سگریٹ خود اٹھا لے۔ وہ ابھی ایسا نہ کر



پایا تھا کہ میری پھیلی ہوئی آنکھیں اور سکڑتے ہوئے ہونٹ دیکھ کر بوڑھے کے پہلو میں بیٹھی اس کی جوان بیوی مسکرادی۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھے جارہی تھی اور اس کے نوجوان ہونٹوں سے لازوال مسکراہٹ ٹپک رہی تھی۔

یہ بوڑھا بریگیڈیئر تھا جس نے اپنی جوان بیوی کے کہنے پر مجھے برازیل کی بندرگاہ پر اترتے ہوئے اپنے ہاں ملازم بن جانے کی دعوت دی اور میں ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ چند مہینے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ملازمت ہر قسم کا کام کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ یہ تو میں ہر روز دیکھا کرتا تھا کہ بریگیڈیئر کی بانجھ بیوی للی ہمیشہ رات گئے گھر لوٹتی ہے اور صاحب قطعاً کوئی نوٹس نہیں لیتے مگر چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ ایک رات میں اپنے سرونٹ کوارٹر میں گہری نیند سو رہا تھا کہ نسوانی دستک نے مجھے بیدار کر دیا۔ دروازہ کھول کر میں نے باہر دیکھا للی نائٹ گاؤن پہنے کھڑی تھی۔ میں اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ وہ بھی خاموش رہی مگر اس کی خاموشی نے ہزاروں مفہوم دے دیے۔

وہ چالاک عورت تھی۔ مجھے تکتے میں اسے دیر نہ لگی۔ اور وہ میری پرشباب آنکھوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے رخسار انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ میں نے اسے اندر چلنے کو کہا تو اس نے اپنی خواب گاہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بوڑھے بریگیڈیئر کے گھر پر ہونے کا احساس دلایا تو وہ بولی۔

"بوڑھا قطعاً کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے لائف انجوائے کرنے کے پورے حقوق دے رکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے کلب میں نوجوان کپتانوں کے پاس چھوڑ آتا ہے۔"

میں نے پوچھا کہ بوڑھے کے نسائی خون میں اتنی سردی کیسے آ گئی تو جواباً وہ بولی کہ کیپٹن سے بریگیڈیئر بنتے بنتے یہ لوگ اپنا سب کچھ اپنے دوستوں کی بیگمات کو سونپ دیتے ہیں اور بڑھاپے میں انہیں آزاد خیال بننا پڑتا ہے۔

میں چونکہ ملازم تھا اور آج میری مالکن نے کسی سوئٹ ڈش کی طرح میری نوجوانی کو طلب کیا تھا لہٰذا میں انکار نہ کر سکا مگر دو ماہ بعد میں نے نوکری چھوڑ دی اور بوڑھے بریگیڈیئر کے ایک کرنل دوست کی وساطت سے آرمی میں ڈرائیور بن گیا۔ اب میری زندگی اسٹیئرنگ کے پیچھے مکمل طور پر سمٹ چکی تھی۔ مگر اکثر اوقات مجھے للی یاد آ جاتی اور میں سوچتا مجھے اتنی جلد ہتھیار نہیں ڈالنے چاہیے تھے۔

سات سال تک میں ڈرائیونگ کرتا رہا اور جب دوسری جنگ عظیم کا افتتاح ہوا تو مجھے برما بھیج دیا گیا۔ یہاں کی فضا میرے لیے نہایت عجیب و غریب ثابت ہوئی۔ گولے پھٹ رہے تھے۔ شعلے اٹھ رہے ہوتے۔ میں اسلحے سے لدے ٹرک میں بیٹھا ہوتا اور خواہ مخواہ میرے ذہن میں للی گھس آتی۔ گو ہم جنگ کے میدان میں جیت رہے ہوتے مگر للی سے مجھے شکست ہو رہی تھی میں نے اس کی یادوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

ایک شام میں ملٹری ٹرک لے جا رہا تھا کہ ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی نے ہاتھ دے کر مجھے رک جانے کا اشارہ کیا۔ آرمی قواعد کے لحاظ سے میرا رک جانا ایک بھیانک جرم تھا مگر لڑکی کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ جوانی مجھے روک رہی ہے۔ آواز دے کر بلا رہی ہے لہٰذا میں نے حسن کا احترام کرتے ہوئے

برکیوں کا سہارا لیا۔ لڑکی میرے قریب آئی اور ملتجی لہجے میں بولی۔

"ہمارے پاس چائے نہیں ہے، چینی نہیں ہے... دودھ نہیں ہے۔ خدا کے لیے ہماری مدد کیجیے۔"

میں واپسی پر بھرپور امداد کا وعدہ کر کے چل دیا۔ سارا راستہ وہ لڑکی میرے ذہن میں گھسی رہی۔ جہاں کے رہنے والے مسلسل جنگ کی وجہ سے اشیا خورونی کو ترس گئے تھے۔ میں نے اپنے کیمپ میں سے جا کے دودھ اور چینی لی اور ٹرک واپس موڑا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"یہی ہے اس لڑکی کی رہائش گاہ۔" یہ سوچتے ہوئے میں نے ایک خوبصورت کوٹھی کے سامنے ٹرک پارک کیا۔ بلیک آؤٹ ہونے کی وجہ سے کوٹھی پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں گیٹ سے ہوتا ہوا میں اندر آ گیا اور سائیڈ روم پر دستک دینے لگا۔

"کون......؟" ایک نسوانی آواز نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ اب میں اسے جواباً کیا کہتا میں یہی سوچ رہا تھا کہ آواز پھر آئی۔

"کون......؟"

"چائے دودھ اور چینی والا۔" میں نے کہا اور دروازہ کھل گیا۔ مگر میرے سامنے ایک تیس سالہ خاتون کھڑی تھی۔

"اندر آ جائیے۔" وہ بے تکلفانہ لہجے میں بولی۔ ابھی میں اس لڑکی کے بارے میں نہ پوچھ پایا تھا کہ اس نے کہا۔

"میری بچی نے مجھے آپ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ آپ یہ چیزیں لے کر ضرور آئیں گے۔"

"مگر وہ خود کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سو رہی ہے۔" خاتون بولی۔ اور میں نے تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا اور جانے کے لیے مڑا تو وہ بولی۔

"ایک کپ چائے تو پیتے جائیے۔ منی کہہ رہی تھی بغیر چائے پلائے انھیں نہ بھیجیے گا۔"

میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ خاتون نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ دروازوں کھڑکیوں اور روشن دانوں پر کالا روغن ہو چکا تھا۔ لہٰذا خاتون نے بے دھڑک لائٹ جلا دی۔ یہ ہندوستانی طرز کا خوبصورت سا کمرہ تھا۔ اور میرے سامنے میز پرشاد بیٹھی تھی۔ جنھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ان کے شوہر محاذ جنگ پر ہیں اور وہ بالکل نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کس بارڈر پر ہیں۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ کھلی ہوئی زلفیں اور نمکین چہرہ وہ بھی ایک سمجھدار عورت تھی۔ لہٰذا میرے دیکھنے کا مفہوم فوراً سمجھ گئی اور چائے تیار ہونے سے پہلے اس نے اس احسان کا بھرپور بدلہ اتار دیا۔ عین اس وقت ہمارے گھر کے اوپر سے گولیاں برساتے ہوئے جہاز گزرے اور تھوڑی دیر بعد میں ٹرک میں آ بیٹھا۔ میری ساری تھکن اتر چکی تھی اور مسز پرشاد گیٹ پر کھڑی ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے الوداع کہہ رہی تھی۔ اس الوداعی خلوص میں لوٹ آنے کا پیغام تھا۔ جس کی میں بعد میں کئی بار تعمیل کرتا رہا اور پھر جنگ بند ہو گئی مگر اسلحہ ابھی باقی تھا لہٰذا میرا ٹرک ادھر سے ادھر آتا جاتا رہا اور کئی دن یونہی گزر گئے۔

جب جنگ کے تمام تر شعلے بجھ گئے تو میں نے باعزت طور پر پنشن لے لی اور چند ماہ بعد روز کلب کی شاف ویگن چلانے لگا۔ پہلی بار میں نے روز لین کو دیکھا۔ آرکسٹرا کی دھنوں پر ناچنے والی روز لین جو اس صدی کی خطرناک ترین عورت تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ ورنہ پہلی نظر میں تو اس کے بارے میں میرے تاثرات بہت ہی اچھے تھے۔ کلب کے ہر ورے کے ملازمین کو یہ اجازت تھی کہ وہ ریڈکشن میں ٹکٹ خرید کے ڈانسنگ کا آخری راؤنڈ دیکھ سکتے تھے۔ مجھے ملازم ہوئے سات ماہ گزر چکے تھے مگر میں نے قطعاً آخری راؤنڈ اٹینڈ نہیں کیا تھا مگر ۱۷ دسمبر کو جب میں ویگن لے کر کلب کے احاطے میں داخل ہوا تو ہال پورٹر نے مجھے ڈیوٹی انچارج کے کمرے کی طرف متوجہ کیا۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو بھاری بھرکم جسم کے کیپٹن البرٹ جو ہمارے ہاں ڈیوٹی آفسر تھے انھوں نے حکم دیا کہ آج سے تم روزانہ رات کے بارہ بجے راک چیلس سے مشہور ڈانسر مس روز لین کو لے آؤ گے اور ساڑھے تین بجے اسے اپنے مقام پر چھوڑنے بھی تم ہی جایا کرو گے۔

بحیثیت ملازم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میں کمرے سے باہر آ گیا۔ اس وقت سپیشل کار کی چابی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے سوچا چلو ویگن سے تو جان چھوٹی۔ اب خوبصورت ڈانسروں کو لے آنے اور لے جانے کی ڈیوٹی میری صحت کے لیے بہتر ثابت ہوگی۔ میں گاڑی لیے کلب سے باہر آ گیا۔ گاڑی اپنی مخصوص سپیڈ سے ویلز روڈ پر تیر رہی تھی کہ اچانک راک چیلس کا نقشہ میرے ذہن میں سٹ آیا۔ گو میں وہیں جا رہا تھا مگر اس محل نما عمارت سے تو کئی پراسرار کہانیاں وابستہ تھیں۔ بھلا ایک ڈانسر اس محل میں کیسے رہ سکتی ہے اور اچانک میں نے اپنے ذہن سے تمام گھٹیا خیالات کھرچ ڈالے۔ اور اس کے بارے میں سوچنے لگا جسے میں لینے جا رہا تھا۔

روز لین' مس روز لین کاش عورتیں اپنے ناموں کے ساتھ لفظ مس یا مسز لگانا چھوڑ دیں تاکہ مرد ہمیشہ خوش فہمیوں کا شکار رہیں۔ اور اصل کیفیت بستر پر سے اٹھنے کے بعد ہی معلوم ہو۔ اور ویسے بھی میں اپنے تجربات کی روشنی میں کہہ [redacted] ں کہ اکثر مسز کہلانے والیاں مس کہلانے والیوں سے کہیں زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔ اچھی سے مراد جنسی تسکین کے وہ زاویے ہیں جو صرف ایک تجربہ کار عورت ہی مرد کے وجود میں تحلیل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ مسز کسی ایک کی بیوی اور کسی ایک کی محبوبہ ہو کیونکہ بہت سے شوہر یا محبوب رکھنے والی کوئی عورت کسی صدی میں کسی مقام پر بھرپور تسکین کا باعث بھی نہیں بن سکتی۔

میرا ذہن الجھتا چلا گیا۔ بچپن سے لے کر اب تک کیے گئے گناہ قطار در قطار کھڑے مجھے احساس ندامت دلا رہے تھے اور میں درختوں کے جھنڈ میں گھری سڑک کا سینہ چیرتا ہوا راک چیلس جا رہا تھا جہاں سے ایک جوانی کو اٹھا کر مجھے کلب لے آنا تھا۔ راک چیلس سنا تھا کہ جس دور میں بھی کسی نے

ہٹل خریدا اس کا پورا خاندان پراسرار ہستیوں کی نذر ہو گیا۔ پھر یہ روز لین کیسی دوشیزہ ہو سکتی ہے جو اس محل میں آباد ہے۔ ہو سکتا ہے جب رات کو کوئی پراسرار ہستی اس کے پاس انتقام لینے آتی ہو وہ اسے ڈانس دکھا کر خوش کر دیتی ہو۔ اس سوچ کے ساتھ ہی میں مسکرا دیا۔

اس وقت شہر کی آخری سڑک دائیں طرف مڑ کر ویرانوں کی جانب منتقل ہو رہی تھی اور میں راک پیلس کے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا۔ چنار، چیڑ اور شبنم کے گھنے درختوں کو میں بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں حد نظر تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے بیچ سے جانے والی سڑک نیم تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میری گاڑی راک پیلس کے پاس رک گئی۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ ایکدم محل کا مین گیٹ کھلا اور ایک خوبصورت دوشیزہ اپنے کولہوں پر پرس مارتی ہوئی محل سے برآمد ہوئی۔ گیٹ بند ہو گیا اور وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔ میں سوچنے لگا کیا روز لین کو میری آمد کا الہام ہو گیا تھا یا وہ وقت کی نہایت پابند ہے۔ عجب سوچیں تھیں میری۔ میں نے گاڑی موڑتے ہوئے کلب کا راستہ لیا۔ وہ ہنوز پچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھی تھی اور میں آئینے میں اسے بخوبی دیکھ رہا تھا۔ یہی کوئی سولہ سترہ سال کے لگ بھگ عمر موٹی موٹی چمکیلی آنکھیں میں نے پرس پر پڑے ہاتھوں کو دیکھا۔ تیز نوکیلے ناخن میں آئینے میں پھر اس کی آنکھوں کا جائزہ لینے لگا۔ مجھ پر بے خودی سی طاری ہونے لگی تھی۔

وہ پچھلی سیٹ پر بائیں جانب کو کھسک گئی۔ اب آئینے میں صرف اس کے سکرٹ کا ایک مختصر سا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں نے اتنی خوبصورت دوشیزہ کبھی نہیں دیکھی تھی۔

کلب پہنچتے ہی میں نے گاڑی پارک کی اور ٹکٹ خرید کر ہال میں آ بیٹھا۔ آج میں اس کا ڈانس دیکھنا چاہتا تھا۔ ہال میں چند لمحوں کو جلنے والی قمقموں نے آنکھ جھپکی، آرکسٹرا کی آواز گونجی اور نیلی پیلی روشنیوں میں بلور سا جسم اسٹیج پر تھرکنے لگا، تھرکتا رہا۔ ڈانس کے ہر زاویے میں روز لین کی جان لیوا ادائیں چھپی تھیں۔ وہ میرے ذہن و دل پر اپنا تسلط جما چکی تھی۔ وہ مجھے کسی دوسری دنیا کی دوشیزہ دکھائی دے رہی تھی اور میں سوچنے لگا کاش میں نے نوجوانی میں اسے دیکھا ہوتا۔ کاش روز لین بچپن میں میری کلاس فیلو رہی ہوتی یا بے روزگاری کے زمانے میں میری پڑوسن۔

جب ڈانس ختم ہوا تو مجھے اپنی ڈیوٹی کا احساس ہوا۔ میں فوراً گاڑی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ وہ آئے تو میں دروازہ کھولوں میں سوچنے لگا۔ بیس منٹ گزر گئے مگر وہ نہ آئی۔ شاید وہ اپنے شیدائیوں میں گھری ہوئی ہو یا کسی اونچے درجے کے تماشائی کے ساتھ شراب پی رہی۔ میں سوچنے لگا۔ تبھی اس وقت ایک کاؤنٹر کلرک میرے قریب آیا اور بولا۔

"دیکھو ذرا خیال رکھنا یہ ڈانسر بہت خطرناک عورت ہے پہلے جو ڈرائیور اسے لایا کرتا تھا

جانتے ہو اس کا کیا حشر ہوا؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا؟"

تو وہ بولا۔ "پہلا ڈرائیور ایک نہایت سرخ و سفید نوجوان تھا اور اب سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے اور اس نے بولنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

یہ بات میرے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں سوچنے لگا۔ عشق میں اکثر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

بال پورا چلا گیا تو اچانک وہ لفٹ سے باہر نکلتی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت نوجوان تھا جس نے نیوی کی وردی پہن رکھی تھی اور وردی سے کیپٹن لگتا تھا۔ میں نے سوچا کاش میں ہی اس کیپٹن کی جگہ ہوتا۔ اچانک وہ دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ روز لین نے راک چیلس چلنے کو کہا اور مجھے کیپٹن پر مزید رشک ہونے لگا۔ اگر آپ اسے رشک کے بجائے حسد کہیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ بعض معاملات میں رشک جیسے مہذب لفظ کی توہین نہیں کرنی چاہیے۔

گاڑی راک چیلس کی طرف بڑھنے لگی۔ آئینہ پھر سی۔ آئی۔ ڈی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ میں نے دیکھا وہ نوجوان کے ہاتھوں سے کھیل رہی تھی۔ نوجوان تقریباً بے ہوش ہونے کو تھا۔ وہ ادھر ادھر ہو رہے تھے میں سمجھ گیا ان دونوں کے تعلقات بہت پرانے ہیں کیونکہ پہلی ملاقات اتنی جاذب نہیں ہوا کرتی ہاں پر کشش ضرور ہوتی ہے۔ اور پھر وقت گزرتا گیا اور میری حیرت میں اضافہ ہوتا رہا۔

ڈیڑھ سال گزر گیا۔ اس عرصہ میں ہر رات وہ ایک نئے نوجوان کو اپنے ساتھ راک چیلس لے جاتی اور وہ نوجوان پھر کبھی کلب میں دکھائی نہ دیتا۔ میں نے ان لوگوں میں سے کسی کو بھی دوبارہ روز لین کے ساتھ کسی مقام پر نہیں دیکھا تھا۔ جنہیں وہ اپنے ساتھ محل میں لے گئی تھی میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ میں سوچتا جانے وہ لوگ کہاں چلے جاتے ہیں جنہیں روز لین کی قربت میسر آتی ہے۔

ایک نئی تبدیلی اور بھی میں نے محسوس کی تھی اور وہ یہ تھی کہ روز لین کے چہرے سے خون ٹپکتا محسوس ہوتا۔ اتنی تندرست صحت مند اور سرخ و سفید لڑکی کے بارے میں میرا ذہن یہ بھی نہیں مانتا تھا کہ یہ چڑیل ہے۔ میں نے ڈریکولائی عورتوں کی کئی کہانیاں پڑھی تھیں اور مجھے کسی کہانی پر حقیقت کا گمان نہیں گزرتا تھا۔ پھر بھی میں یہ سوچتا کہ روز لین کا جسم روز بروز کیوں نکھرتا جا رہا ہے۔ سینے کی گہرائی اٹھانیں بدستور ترقی کر رہی تھیں۔ ہونٹ تو اس کے ایسے تھے جیسے گلاب کی پتیاں۔ وہ اکثر گلابی لپ اسٹک اور سفید پتلون پہنا کرتی۔ سفید ٹائٹ پتلون سے اس کی صحت مند رانیں اور گداز کولہے ایسے نمایاں ہوتے کہ دیکھنے والا خود بخود اس میں دلچسپی لینے لگتا۔ مگر وہ لوگ جو اس میں دلچسپی لے کر اس کے ساتھ محل جاتے تھے وہ پھر کیوں دکھائی نہ دیتے؟

میں اکثر سوچتا کہ اگر انہیں محل میں قتل کر دیا جاتا ہے تو کم از کم اخبار میں کسی نہ کسی کے اغوا ہونے یا مردہ پائے جانے کی خبر تو چھپنی چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ میری تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک تو میں دیوانگی کی حد تک روز لین کو چاہنے لگا تھا

اور وہ دوسرا یہ کہ وہ مجھے دن بدن خطرناک محسوس ہونے لگی تھی۔ کئی بار میں نے چاہا کہ اس کی پراسرار ہستی پر کسی دوست کے ساتھ تبادلہ خیال کروں مگر مجھے ہمت نہ پڑی کیونکہ میرے دوست روز کلب ہی کے ملازم تھے اور وہ بھی چوتھے درجے کے ملازم جو اپنے دل میں کسی بات کو نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا میں سوچتا اگر کسی نے شکایت کر دی تو خواہ مخواہ نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور اب میں عمر کی اس اسٹیج پر تھا کہ کہیں دوسری جگہ نوکری کا ملنا بھی دشوار نظر آتا۔

ابھی دل کی باتیں دل تک ہی محدود تھیں کہ ایک رات تقریباً سوا تین بجے وہ جب کار میں بیٹھی تو میں حیران ہو گیا وہ تنہا تھی۔ ہاں آج وہ تنہا تھی "ایکم تنہا" میں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ مرسیڈیز فراٹے بھرنے لگی۔ جب ہم شہری آبادی سے نکل کر اس ویران سڑک پر آئے جو پراسرار محل کو جاتی تھی تو روز لین بولی۔

"میں دیکھ رہی ہوں تم ایک طویل عرصے سے مجھ میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"جی" میں نے حیرانگی سے کہا۔ اس وقت بھی میں اسے گھور رہا تھا۔

"تمہیں میرے گلابی ہونٹ پسند ہیں ناں؟" وہ بولی اور میں نے سوچا اس نے میرے دل کی بات کیسے جان لی ہے۔ میں نے کچھ بولنا مناسب نہ سمجھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آ گیا ہے میں جانتی ہوں اس عمر میں تمہیں مجھ جیسی کوئی لڑکی لفٹ نہیں دے سکتی شاید میرا اپنا باپ بھی بڑھاپے میں یہی آرزو لے کر مرا ہوگا لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ آج تمہارے بوڑھے دل کی تمنا پوری ہو جائے۔" اس نے باوقار لہجے میں کہا۔

میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ جو لوگ تمہارے ساتھ محل میں جاتے ہیں وہ لوٹ کر کیوں نہیں آتے۔ مگر وقت بہت کم تھا ہم راک پیلس تک پہنچ چکے تھے۔ میں نے گاڑی پارک کی اور اس کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتا ہوا محل میں داخل ہو گیا۔ بڑا سا پھاٹک کھلا ہم اندر داخل ہوئے تو خود بخود بند ہو گیا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پہلا کمرہ جدید طرز کا تھا' خوبصورت سرخ قالین صندل کی مسہری سونے اور دیواروں پر پینٹنگز سب چیزیں سرخ رنگ کی تھیں۔ لہو جیسا سرخ رنگ۔ دوسرے کمرے کی تمام چیزیں زرد رنگ کی تھیں۔ میں سوچ میں گم ہو گیا اور اس عجیب و غریب لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا جو لوگوں کے دل کی باتیں بھی جانتی تھی۔

ہم یکے بعد دیگرے کئی کمروں سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے ہال میں آ گئے۔ ہم کتنے کمروں سے ہو کر آئے تھے میں نہیں جانتا مگر مجھے اتنا یاد ہے کہ کمروں سے گزرتے گزرتے میں تھک گیا تھا اور جب ہم ہال روم میں داخل ہوئے تو روز لین نے ایک جدید طرز کی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں اس پر دراز ہو گیا۔ دوسرے لمحے مجھے محسوس ہوا کہ اتنے بڑے ہال میں صرف یہی ایک کرسی تھی جس پر میں بیٹھا تھا۔

میں نے ہال کا جائزہ لیا۔ اتنے بڑے خوبصورت ہال میں ایک سرخ اور ملائم قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر ننگی عورتوں کی تصویریں تھیں۔ تصویروں سے نظر ہٹائی سامنے دیکھا تو روز لین بھی ڈانسرز کپڑوں سے نجات حاصل کر چکی تھی۔ میں ابھی اس کے جسم کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک ایک ساتھ بہت سارے ساز بجنے لگے۔ دیواروں سے خوبصورت رنگیں پھوٹنے لگیں اور روز لین دیوانہ وار ناچنے لگی۔ وہ ناچتی رہی۔ اس کی باہیں کئی ایک زاویے بناتی رہیں اور پھر وہ تھک ہار کر مجھ پر آ گری اور میرے جسم سے تمام کپڑے نوچ ڈالے۔

دوسرے مجھے ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ جب روز لین میرے جسم سے الگ ہوئی تو وہ ہلدی کی طرح زرد ہو چکی تھی۔ اور میں اپنے وجود میں بیروں خون کا اضافہ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے دائیں سمت والی دیوار پر آویزاں آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ اف میری تو جوانی لوٹ آئی تھی اور میرے گالوں سے یوں لگتا تھا جیسے ابھی خون ٹپکنے لگے گا۔ ساز پھر بجنے لگے اور روز لین پھر ناچنے لگی اور پھر وہ ہلدی کی طرح پیلی پڑ گئی۔ اس نے کلاک پر نظر دوڑائی۔ سورج طلوع ہونے میں ڈیڑھ سیکنڈ باقی تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی ہال کمرے کی دیوار سے جا ٹکرائی۔ دیوار سے ٹکراتے ہی دیوار میں سے دروازہ ابھرا اور وہ اس میں داخل ہو گئی۔ میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک مجھے بجلی کی آواز آئی۔ جس کرسی سے میں اٹھا تھا میں نے دیکھا اس کرسی میں بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ اور میری کیپ جو وہاں رہ گئی تھی جل کر راکھ بن چکی تھی۔

مجھے روز لین پر بے پناہ غصہ آنے لگا۔ اگر میں کرسی سے نہ اٹھتا تو..... میں فوراً دیوار سے ابھرنے والے دروازے میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور کمرے کے آخری کونے میں ایک الیکٹرک مشین تھی جس کے اگلے ہینڈل پر ایک بہت بڑا شیشے کا جام ابھرا ہوا تھا۔ روز لین میرے سامنے کھڑی تھی خالی جام پر اس کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔

آخری بار میں نے دیکھا اس کا عریاں جسم پیلا زرد پڑ چکا تھا اچانک فضا میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ زور زور سے پتوں کے کھڑکھڑانے اور پرندوں کے اڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے الیکٹرک مشین کے قریب آ گیا خالی جام کو دیکھا تو سامنے سوئچ پر نظر پڑی۔ میں نے سوچا کہ روز لین نے بھی یہاں لائی ہو گی اس کرسی پر بٹھا کر یہ سوئچ آن کر دیتی ہو گی اور پھر اس آدمی کا لہو اس جام میں ابھر جاتا ہو گا۔ جسے پینے کے بعد اس کے ہلدی جیسے جسم میں پہلے کی نسبت دوگنی توانائی آ جاتی ہو گی۔ وہ پہلے اپنا خون کسی کے جسم میں منتقل کر کے پھر اس طریقے سے اپنا بھی اور اس کا بھی خون لے لیتی ہو گی۔ خالی جام سے میں تو یہی مفہوم سمجھا تھا اور ہاں خالی جام کو اور مجھے زندہ سلامت دیکھ کر وہ چیخی بھی تو تھی نا لیکن اس کی چیخ اس کی محرومی ہی کی علمبردار تھی۔ مگر وہ اب

کہاں گئی ہے یہ سوچتے ہوئے میں اگلے کمرے کی طرف بڑھا تو سامنے ایک زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ میں زینہ عبور کر کے تہہ خانے میں آ گیا اور پھر بدستور نیچے کی طرف جانے والے کئی زینے مجھے کئی تہہ خانوں میں لے گئے۔

تہہ خانے بھی اور پکی اینٹوں سے بنائے گئے تھے اور ان میں تازہ ہوا کا مکمل انتظام تھا۔ میں نے گیارہویں تہہ خانے میں رک کر یہ سوچا کہ کہیں یہ بھی کوئی سازش تو نہیں۔ میرے ذہن نے مجھ سے سرگوشی کی اور مجھے بتایا کہ یہ تہہ خانے یقیناً تعداد میں اتنے زیادہ ہوں گے کہ آخری تہہ خانے میں روزلین تک پہنچنے کے لیے شام ہو جائے گی اور پھر یہاں پہنچنے والے کی واپسی اس لیے بھی شاید ناممکن ہو کہ رات کو حیوانی بھیس بدلنے والی روزلین اسے ختم کر دیتی ہو۔

میں نے سوچا مجھے بھاگتے ہوئے تہہ خانوں کا سفر طے کرنا چاہیے تاکہ میں وقت سے پہلے روزلین کو پا لوں۔ پھر میں نے سوچا کہ روزلین اتنی جلد کیسے آخری تہہ خانے تک پہنچی ہو گی۔ پھر میری ہی کسی سوچ نے بتایا کہ وہ تو روح کا بھیس بدل کر آناً فاناً ہی آخری تہہ خانے تک پہنچ جاتی ہو گی کیونکہ وہ میری نظر میں ایک پُراسرار حسن ایک خونی حسینہ اور ایک خون آشام بدروح تھی۔

میں بھاگنے لگا بھاگتا رہا یہاں تک کہ سولہویں تہہ خانے تک پہنچا تو مجھے تازہ مُردوں کے جسموں کی بو آئی۔ میرا یہ خیال غلط تھا کہ آخری تہہ خانہ دور ہے جب میں سترھویں تہہ خانے کا زینہ اترنے لگا۔ یہ تہہ خانہ ایک وسیع و عریض کمرے پر مشتمل تھا جس کی دیواریں سیلن زدہ تھیں اندر گیلی مٹی پڑی ہوئی تھی کیا یہ بھی کوئی ڈریکولائی دنیا تھی۔ میں نے سوچا اور ایک ایک تابوت میں جھانکنے لگا۔

ایک تابوت میں تین تین لاشیں تھیں۔ ان ہی افراد کی لاشیں جنھیں روزلین کلب سے اپنے ساتھ لے جایا کرتی تھی۔ میں ایک ایک چہرے کو پہچان رہا تھا مگر کچھ چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔ آخری تابوت میں روزلین سو رہی تھی۔ پیلی زرد روزلین حالانکہ دیگر تمام لاشوں کے چہرے بے رونق تھے۔ آنکھیں بھی پھٹی پھٹی بے ترتیب کھلی ہوئی تھیں۔ نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ مگر روزلین کے چہرے پر وہی کیفیت تھی جو مجھے زندہ سلامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ شام ہونے سے پہلے یہ خونی ہستیاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ لہٰذا میں دیر تک ان تابوتوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے ڈریکولا نما کہانیوں میں پڑھا تھا کہ ان لاشوں کے دلوں میں خنجر یا لوہے کی سلاخیں گاڑی جائیں تو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا انھیں ختم کرنے کا عزم لیے میں واپس لوٹا اور جب محل سے واپس لوٹا تو دن کے سوا چار بج رہے تھے۔

میں گاڑی لیے شہر میں آ گیا۔ ایک نوکیلی سلاخ اور ہتھوڑا خریدا مگر مجھے کیا معلوم کہ یہ سب کچھ احمق کا دوسرا نام تھا۔ میں پولیس کو اس لیے اطلاع نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے تنہا ہیرو کہلانے کا شوق تھا۔ ایک کامیاب انسان کا جذبہ لیے میں دوبارہ محل میں آیا اور مختلف کمروں اور تہہ خانوں

سے ہوتا ہوا مُردوں کی آرام گاہ تک آ پہنچا۔ دیکھو تو کتنی کتنے آرام سے سو رہے ہیں سو رو رہے ہیں چہ۔

میں نے دل ہی دل میں گالی دی اور روزلین کے تابوت پر آ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کے سینے پر دل کے اوپر لوہے کی نوکیلی سلاخ رکھی۔ اور ایک فاتح کی طرح ہتھوڑے کا وار کیا۔ روزلین کا جسم تو فولاد سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ میں نے مسلسل کئی وار کیے پسینے سے شرابور ہو گیا۔ مگر لوہے کی سلاخ اس کی چھاتی میں پیوست نہ ہو سکی۔ میری حیرانگی میں اضافہ ہو گیا۔ مجھے اپنے جسم میں کپکپاہٹ بھی محسوس ہوئی۔ میں نے نوکیلی سلاخ لاش کے سر پر رکھ کر ہتھوڑے کا وار کیا مگر بے سود۔ اسی طرح جسم کے مختلف حصوں میں، میں نے سلاخ ٹھونسنا چاہی مگر ہر کوشش ناکام رہی بالآخر میں نے روزلین کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کا بازو اٹھانا چاہا مگر وہ تو فولاد بن چکی تھی۔ مجھ پر گھبراہٹ کا عالم طاری ہو گیا۔ میں دوسری لاشوں کی طرف متوجہ ہوا مگر وہ بھی روزلین کی طرح فولادی مُردے بن چکے تھے۔ میرا چہرہ دہکنے لگا اور میں تیزی سے عبور کرتا باہر آ گیا۔ محل سے نکل کر میں گاڑی میں بیٹھا تو لگتا یوں لگا کہ میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے میں نے سوچا شام ہوتے ہی یہ مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ اور پھر میرا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک دم کلب جانے کے بجائے میں شہر کی سڑکوں پر ادھر ادھر گھومتا رہا۔ نجات کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ایک سکیم ابھری اور میں ایک بہت بڑے کتاب گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے کاؤنٹر پر بیٹھے نوجوان سے کہا کہ وہ مجھے پراسرار کہانیاں پڑھنے والے کسی ایسے قاری کا ایڈریس دے جو پراسراریت کے موضوع کا رسیا ہو۔ نوجوان نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر شیشے کے نیچے پڑا ایک نیم کارڈ پڑھتے ہوئے مجھے ایڈریس لکھ لینے کو کہا۔ میں نے پتہ نوٹ کر کے فوراً مسٹر ایرک کے فلیٹ پر پہنچا۔ خوش قسمتی سے وہ فلیٹ میں موجود تھا۔

اسی سال بوڑھے کو میں نے اپنی رام کہانی سنائی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میری آپ بیتی سن کر وہ مسکرا دے گا مگر وہ خاصا سنجیدہ تھا۔ جیسے وہ میری ہی کہانی کا کردار ہو۔ اس نے میری پوری داستان سن کر اپنی پھیلی موٹی آنکھوں سے مجھے گھورا اور دوسرے کمرے میں لے گیا۔ مجھے آزمانے کے لیے اس نے تین دوشیزاؤں کے فوٹو میرے سامنے رکھے اور کہا جلدی سے بتاؤ ان میں روزلین کون ہے؟

میں نے تصویریں الٹ پلٹ کر دیکھیں اور فوراً کہا۔ میں اس آزمائش میں کامیاب رہا تھا۔ مگر بوڑھے کے متعلق میرا تجسس بڑھ گیا تھا کہ اس کے پاس روزلین کی تصویر کیسے آئی اور یہ شخص خود کون ہے؟

بوڑھے نے میرے گلے میں ایک صلیب ڈال دی اور شام ہونے ہی مجھے چرچ میں لے آیا اور کہنے لگا کہ اب تم ایک نہایت محفوظ جگہ پر پہنچ چکے ہو۔ مُردوں کا خاتمہ کل صبح ہو جائے گا۔ میرے پوچھنے پر

بوڑھا کہنے لگا کہ اس کا جوان بیٹا اغوا ہونے سے پہلے ایک رقاصہ کے ساتھ دیکھا گیا تھا یہ رقاصہ ان دنوں نیویارک کے فیروکلب میں ناچا کرتی تھی۔ اور اس زمانے میں اس کا نام ہپلولا تھا۔

بوڑھے نے یہ بھی بتایا کہ اس نے ہپلولا کی تصویر نیویارک کے متعلقہ کلب سے حاصل کی ہے اور اب وہ اسی کی تلاش میں تھا اور اسے معلوم نہ تھا کہ وہی ہپلولا روزلین بن کر اسی کے شہر کی روز کلب کی نئی ڈانسر ہے۔ مجھے بوڑھے سے ہمدردی ہونے لگی اور اس جذبے کی خوشبو اس نے میرے لہجے سے سونگھ لی۔

صبح سات بجے ہم چرچ سے باہر آئے۔ صبح کا اخبار دیکھا تو کلب کی طرف سے خبر چھپی تھی جو میرے حق میں نہیں تھی۔ اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ میں کلب کی گاڑی چرا کر فرار ہو چکا ہوں اس وقت گاڑی بوڑھے کے فلیٹ میں تھی۔ اس نے بھی یہ خبر پڑھی اور مجھے لیے محل کو چل دیا۔ ہم ٹیکسی کار میں محل پہنچے۔ اس وقت بوڑھے ایرک کے کہنے پر میں نے سلاخ اور ہتھوڑا بھی اٹھا رکھا تھا۔

ہم محل میں داخل ہوئے اور کئی ایک کمروں سے ہوتے ہوئے آخری کمرے تک آ پہنچے۔ یہاں سے تہہ خانے شروع ہوتے تھے۔ بتدریج نیچے کو جانے والے تہہ خانے۔ جب ہم نیچے تہہ خانے میں داخل ہونے لگے تو نیچے زینہ غائب تھا کانابا روزلین نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی یہ جانتے ہوئے کہ نیچے فرش نیچی سطح پر مشتمل ہے میں نے چھلانگ لگا دی۔ بوڑھا ایرک بھی چھلانگ لگاتے لگاتے

تو میں نے اسے رک جانے کو کہا اور بتایا کہ ہر تہہ خانہ مزید نیچے ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہم چھلانگیں لگاتے ہوئے آخری تہہ خانے تک پہنچ تو جائیں گے مگر واپسی کیسے ہوگی۔ میں نے دوبارہ اوپر چڑھنا چاہا مگر مشکل۔ میں نے ایرک سے کہا تم لوٹ جاؤ اور مستر عدد موٹے رسے لے آؤ۔ ہم بتدریج رسے لگاتے جائیں گے اور واپسی آسانی سے ہوگی۔

ایرک نے میری ذہانت کی داد دی اور جانے کے لیے مڑا تو میں نے اسے آواز دی اور کہا کہ سگریٹ اور ماچس پھینکتا جائے۔ تاکہ میں یہاں بیٹھا بور نہ ہوتا رہوں۔

ایرک چلا گیا اور میں پہلے تہہ خانے میں بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا۔ میں اٹھ کر دیکھ چکا تھا کہ دوسرے تہہ خانے کا زینہ بھی اکھاڑا جا چکا ہے۔ ابھی میں نے مسلسل سات سگریٹ ہی پیئے تھے کہ ایرک آ پہنچا۔ اس نے رسے کا ایک سرا اوپر باندھا اور لٹکتا ہوا میرے پیچھے آ پہنچا اور ہم دونوں اسی طرح اسے باندھتے واپسی کا سامان بناتے آخری تہہ خانے میں آ گئے بوڑھے نے جلدی سے ایک ایک تابوت دیکھنا شروع کر دیا۔ اور جب اسے اپنے بیٹے کی لاش نظر آئی تو وہ اشکبار ہو گیا تابوت کے سرہانے وہ رکا بیٹے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور میری طرف آ گیا۔ میں اس وقت روز لین کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بوڑھا میری ہی طرح نوکیلی سلاخ دل میں پیوست کرے گا مگر اس نے ایسا نہ کیا اور مجھے کہنے لگا ایک پل پہلے اس

نے بیٹے نے خواب میں آ کر اسے کہا تھا کہ جب بھی دولہن تمہیں نظر آئے تم اس کے پاؤں میں چھید کر دینا۔

بوڑھے نے تابوت کی سلاخ لی اور دولہن کے دائیں پاؤں پر سلاخ رکھ کر ہتھوڑے کا بھرپور وار کیا۔ پاؤں سے خون کا فوارہ چھوٹ نکلا۔ ایک ساتھ کئی چیخیں ابھریں۔ ہر تابوت سے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تمام لاشوں کا خون ہوا میں تیرتے ہوئے دولہن کے جسم میں منتقل ہونے لگا۔ باقی تمام لاشیں زرد ہونے لگی تھیں اور دولہن کے پاؤں سے چشمے کی صورت میں خون ابل رہا تھا۔ خون نکلنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کمرے میں خون بھرنے لگا۔

میں تہہ خانے سے باہر نکلنے کے لیے رستے کی طرف لپکا اور چڑھنے لگا۔ ایک نے مجھے پیچھے سے کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ آدمیوں کا بوجھ اٹھا سکتا تھا۔ چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ کمرے میں خون بھر رہا تھا۔ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ کہ ایک تابوت گرا اور ہم دونوں خون کے تالاب میں آ گرے۔ اب باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ گرم گرم خون بڑھتا ہوا ہمارے گھٹنوں تک پہنچا تو رک گیا۔ چیخیں بھی ختم ہو گئیں۔ ایرک نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اب تابوت اٹھا کر ایک دوسرے کے اوپر رکھو اسی طرح ہم باہر نکل سکتے ہیں۔“

تابوت پر تابوت رکھا گیا اور ہم اس مردہ خانے سے نکل کر اگلے تہہ خانے میں پہنچے اور وہاں



سے رسیوں کے ذریعے ہوتے ہوئے محل سے باہر آ گئے اس وقت ہم دونوں کا لباس گرم گرم سرخ سرخ خون میں بھیگا ہوا تھا۔ جونہی ہم مین گیٹ سے باہر نکلے پولیس نے ہمیں حراست میں لے لیا کیونکہ بدحواسی کے عالم میں شہر میں کی گئیں ہماری حرکات مشکوک افسرسانی کی نظر میں آ چکی تھیں۔

اس وقت میں شہر کی تھانے میں بیٹھا اپنی داستان رقم کر رہا ہوں میں اور ایرک لباس تبدیل کر چکے ہیں۔ اخباری نمائندے ہماری تصویریں اتارنے میں مصروف ہیں۔ کل میں اپنی داستان عدالت میں پیش کروں گا۔ ممکن ہے کچھ عرصے کی تفتیش کے بعد مجھے بری کر دیا جائے کیونکہ یہی میرے دوست ایرک کا بھی خیال ہے۔



وہ غیر شعوری طور پر بڑھتا چلا گیا اور پائل کی آواز کا تعاقب کرتا گیا۔۔۔ دور بہت ایک ویران اور عالیشان مکان میں وہ داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہو کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک رنگ محل میں پہنچ گیا ہو

ڈاک بنگلہ

تحریر...... نسیم امتیاز

گھنے گھنے جنگلوں سے گھرے سرسبز راستوں اونچی اونچی پگڈنڈیوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے طویل سلسلے سے گزرتی ہوئی ہماری ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی۔ راج محل دیہا ایک تاریخی شہر ہے۔ شاہ شجاع اور لارڈ کلائیو کی شکست و فتح کی یادگار۔ ماضی کے مٹتے ہوئے نقوش پُرشکوہ کھنڈرات ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ آشوب روزگار شہر کبھی نگاراں رہا ہوگا۔ یہ بل کھاتی ہوئی ندی یہ لہلہاتے سبزہ زار یہ حسین پھولوں کی وادی یہ مہکتے کوہسار چھوٹے سے شہر میں اتنی ساری رعنائیاں۔ لیکن جو چیز ہمیں سب سے زیادہ متاثر کر سکی وہ تھی۔ "نیل کوٹھی" جسے عرف عام میں ڈاک بنگلہ کہتے ہیں۔ ڈاک بنگلہ اس لیے مشہور ہے کہ یہ بنگلہ اب بھی باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں کو پناہ دیتی ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی بھی یہاں چین سے ایک رات بسر نہیں کر سکتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔ لیکن ان میں حقیقت کہاں تک ہے یہ کہنا انتہائی مشکل ہے۔ کوٹھی کے تنہا نگہبان رامو دادا کی رائے بہت مستند مانی جاتی ہے رامو دادا اس ماحول میں رہنے والا قدیم ذہین انسان ہے اس کی زندگی میں اس کوٹھی کے بہت سے مالک بدلے لیکن رامو دادا کی جگہ وہی رہی اور آج بھی بنگال کے ایک بڑے زمیندار ہرنش چندر کے لڑکے دنے چندر کی ضد پر خریدی گئی۔ یہ کوٹھی رامو دادا کے ہی تصرف میں ہے۔ کبھی کبھی یہاں آنے والوں سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کا تنہا حقدار رامو دادا ہے اور یہاں جو کہانیاں جنم لیتی ہیں ان کا واحد راز دار رامو دادا ہے۔ یہاں کی فضا رامو دادا کے سوا کسی اور کو راس نہیں آتی۔ یہاں کوئی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتا۔

اسٹیشن سے نکل کر تھوڑی دیر میں درختوں کے جھنڈ میں پراسرار سی دلہن کی طرح کھڑی یہ کوٹھی بہت ہی حسین ہے۔ اس کے قدموں میں بہتی ہوئی گنگا اس کے آنچل میں ٹنکے ہوئے سرخ سفید پھول۔ چندور پر اس کے شانہ بشانہ پھیلا ہوا اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ دل و دماغ پر ایک خاص اثر چھوڑتا ہے۔ نصف سا



چاندنی رات میں اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے پس منظر میں سیاہ درخت اور سامنے اس کا صحن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی پری لیٹ ہو کے بیٹھی ہو۔ شاہجہاں نے دکن کے سفر پر بنی ہوئی یہ کوٹھی شوق کی تحقیق سے تیار کی تھی بڑی محنت سے بنائی گئی تھی اور اب ہندوستان کی سرزمین پر یہ مغلیہ ثقافت اور طرز معاشرت کا طلسمی ثبوت ہے۔

سامنے سے آئیں تو یہاں پر دور تک پھیلی ہوئی سیڑھیوں اور چبوتروں سے بنی ہوئی ایک سڑک جاتی ہے وہاں سے ایک نئی سڑک شروع ہو جاتی ہے۔ گہری سرخی سے بنی ہوئی یہ سڑک بھی کے قدموں میں بچھی ہوئی ہے۔ کسی وقت بنگلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ اندر جانے سے پہلے ایک بلند گیٹ ملے گا۔ جس کا ایک پایہ گردش زمانہ کی نذر ہو گیا ہے۔ سرخ رنگوں کے خوبصورت پھول کھلے ہیں۔ عشق پیچاں کی بیلیں کانٹے دیواروں سے والہانہ لپٹی ہوئی چھت پر چڑھ رہی ہیں۔

چند زینے طے کرنے کے بعد آپ وسیع صحن میں پہنچیں گے۔ پھر ایک کشادہ سائبان ملے گا۔ جس میں ہر طرف ہوا اور چھجے لگے ہیں۔ ایک بڑا سا ہال ہے جس کے اردگرد پھیلا ہوا سائبان دور تک چلا گیا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بہت ہی کھلی ہوئی جگہ ہے جہاں سے خوشنما موسم اور لہروں کے پیچ و خم کا لطف لیا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ جگہ خاص اسی مقصد کے لیے بنائی گئی ہو۔ یہاں بیٹھ کر دو دھڑکتے ہوئے دل راز و نیاز کی باتیں کر سکیں۔ سائبان سے متصل پرانے قلعے کا قوی ہیکل ستون ایک پہرے دار دیوی مانند پانی کی لہروں میں اتر کر گنگا کی مقدس روانی کا نظارہ بنا کرتا ہے۔ سائبان کا یہ خوبصورت در آگے چل کر ایک تنگ زینے کی طرف مڑ جاتا ہے۔ یہاں سے بہت سی فٹ نیچے چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی اٹھتی ہوئی دیوانہ وار موجیں اپنا دامن کھولے کسی کی منتظر ہیں۔ پاس ہی کے باغ کے احاطے میں بانہیں پھیلائے ہوئے سیاہ درخت اندھیری رات میں انتہائی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ درختوں کے بیچ سے سنسناتی ہوائیں ماحول کی سسکیاں بن جاتی ہیں۔

ہمارے ساتھ چار آدمی تھے اور کسی روشن خیال کو ان دنوں کسی طرح کا خوف محسوس ہو۔ اس لیے جب رامو دادا سے کہا۔

"آج آپ لوگ میری کٹیا میں ٹھہریں میں کل انتظام کر دوں گا۔"

تو ہم مسکرا پڑے۔ نہیں رامو دادا ہمیں یہی جگہ پسند ہے۔

اور جب ہمارے اصرار پر اس نے ڈاک بنگلہ کھولا تو کہہ گیا۔

"آپ لوگ خوب سوچ لیں۔ یہ ویران جگہ ہے دریا میں خوب پانی آ گیا ہے کالے کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔ گھپ اندھیری رات ایسے میں یہاں رہنا اور مشکل ہو جاتا ہے پانی کم ہوتا ہے تو لوگ کشتی لے کر آتے جاتے ہیں لیکن ایسے موسم میں کسی آدمی پر نظر پڑے گی۔"

لیکن ہماری ضد کے آگے رامو دادا خاموش ہو گیا۔ برسوں سے لگا ہوا زنگ آلود قفل کھولا گیا۔ چھتوں پر پھیلے ہوئے مکڑی کے جالے۔ گرد سے اٹے ہوئے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئے۔ شکستہ روشن دان، دیواروں میں آویزاں تصویریں ٹوٹے ہوئے بجلی کے تار اور پنکھے اور ایک کشادہ آتشدان تھا۔ دادا نے جلد ہی صفائی شروع کر دی اور ایک گوشے میں ہمارا سامان قرینے پر رکھ دیا۔ اپنی کتاب سے ایک لیمپ لا کر روشن کیا۔ کچھ لکڑیاں لا کر آتشدان میں ڈال کر گرمی پیدا کر دی اور ضروری چیزیں لینے کو بازار چل دیا۔

شام ہی سے ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی۔ درخت پراسرار خاموشی میں ڈوب گئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوندتی ہوئی بجلیاں سارے ماحول کو پُرذکار بنتیں ایک اداس تاریکی تھی۔ پھر زوروں کی بارش ہونے لگی۔ سارے درخت آنسوؤں میں نہا گئے۔ سنسناتی ہوئی ہوائیں جسم میں گدگدی پیدا کرتی گزرنے لگیں۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہم سب کمرے میں چلے آئے اور آتشدان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ہمیں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ کچھ دیر باتیں ہوئیں پھر بحث کا نیا موضوع نہ مل سکا۔ کچھ تھکاوٹ اور تنگی سے پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ راستہ دادا چھوڑ آیا تھا۔ بارش کا شور اور ہوا کے جھونکوں کی سائیں سائیں اب بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کہیں دور سے بھاری قدموں کی آواز آئی۔

"ٹپ...... ٹپ...... ٹپ۔"

پھر وہ آواز قریب آ گئی اور ایک لمحہ کو آواز رکی پھر دروازہ کھل گیا اور ایک تیز ہوا کا جھونکا کانوں کے پاس سے سنسناتا ہوا نکل گیا۔ ہمیں یاد نہیں ہم نے دروازہ بند کیا تھا یا نہیں لیکن کھٹکے کھلنے کی صاف آواز آئی اور پھر ایک لمبا تڑنگا جوان ہمارے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ ہمیں زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ ہماری ہی طرح ایک اجنبی تھا جو شاید بارش سے بچنے کے لیے ادھر آ نکلا تھا۔ وہ بری طرح شرابور تھا۔ جیسے پانی میں ڈوب کر نکلا ہو۔ اس کے ہاتھ اس کے جسم اس کے کوٹ اس کے جوتے سبھی سے پانی ٹپک رہا تھا۔

اس کی بے تکلفی پر ہمیں ذرا تعجب ہوا۔ لیکن خاموشی سے آتشدان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر باتیں ہوئیں ادھر ادھر کی زمانے کی موسم کی مہنگائی کی اور بالآخر اس مکان کی باتیں ہماری دلچسپی اور بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ مکان ایک زمانے میں دیوندر نامی ایک نوجوان نے خریدا تھا۔ ان دنوں وہ کالج میں پڑھتا تھا۔ اور اپنی پرکشش شخصیت کے باعث بہت مقبول تھا۔ ایک دن اس کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شام کے وقت وہ ایک تاریک گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک مترنم آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"آؤ...... میرے ساتھ آؤ......"

اور وہ غیر شعوری طور پر بڑھتا چلا گیا۔ اور پائل کی آواز کا تعاقب کرتا گیا۔ دور بہت دور ایک ویران اور عالیشان مکان میں وہ داخل ہوئی۔ اندر داخل ہو کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک رنگ محل میں پہنچ گیا ہو۔ نقش و نگار، دلنواز چیزیں انواع و اقسام کے کمرے پری چہرہ عورتیں وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کہاں ہے......؟ لڑکی اسے وہیں چھوڑ کر کہیں گم ہو گئی۔ اور پھر جب واپس آئی تو گہرے سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس تھی اور کہنے لگی۔

"آؤ سیر کریں۔"

اور پھر دیر تک وہ باتیں کرتے رہے۔

ونے چندر گھر لوٹا تو بے حد خوش تھا۔ اب اکثر وہ چاندنی راتوں میں دریا کے کنارے اس لڑکی کے ساتھ گھومتا نظر آتا۔ اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کون ہے......؟ ویرانے کے اندر اتنا حسن کہاں سے نکست آیا......؟ وہ اس پر اتنی مہربان کیوں ہے......؟

ان ہی دنوں اس نے ماں سے ضد کر کے یہ مکان خرید لیا۔ رامو دادا اس کی حفاظت کرتا تھا۔ کچھ دن کے بعد ونے چندر میں ایک عجیب تبدیلی آئی۔ اس کی شادی کو کچھ ہی دن گزرے تھے لیکن اپنی خوبصورت اور نئی نویلی دلہن سے انتہائی بے زار رہنے لگا تھا۔ خاص طور پر اسے سرخ لباس سے انتہائی نفرت تھی۔ آخر ایک دن اس نے گھر کے سارے سرخ کپڑے جلا ڈالے۔ گھر کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اس کے والد آزاد خیال ہوتے ہوئے بھی اب سخت ہونے لگے۔ اور ایک دن اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اور اس مکان کو فروخت کرنے کی سوچ لی۔ لیکن دوسرے دن اس سے بھی حیرتناک واقعہ ہوا۔ بند کمرے سے آواز آرہی تھی۔

”ونے چندر! اس لڑکی کو اپنی (بیوی) کو نکال دو۔ یہ میری دشمن ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔“

اور جب کمرہ کھول کر دیکھا گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ دوسرے دن چاندنی اپنے شباب پر تھی۔ رات گئے وہ اپنے کمرے سے غائب تھا۔ پھر وہی مکان وہی جگہ وہی لڑکی اپنی پائل کی آواز پر ونے چندر کو راستہ بتاتی ہوئی چل رہی تھی۔

آج وہ اداس تھی اور اس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

”ونے چندر ہم اس طرح نہیں مل سکتے ہمیں ایک ہو جانا چاہیے۔“

ونے چندر سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھ سکا۔

پھر وہ دیر تک گھومتے رہے۔ باتیں کرتے رہے۔ رامو دادا اپنی جھونپڑی میں اونگھ رہا تھا۔ دریا میں لہریں ابھر کر نیچے چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ درخت سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ قلعہ کا ٹوٹا ستون خاموش تھا۔ لڑکی اٹھ کر چلنے لگی اور بولی۔

”آؤ...... اب ہم چلیں۔“

اور ونے چندر چلتا رہا...... چلتا رہا...... اپنے سے بے نیاز ماحول سے بے خبر آؤ......“

اس نے پھر کہا۔

”ذرا آگے بڑھو۔“

یہاں تک کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا پچاسوں فٹ نیچے چنگھاڑتی ہوئی لہروں نے اس ہنگامے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

دوسرے دن سویرے ونے چندر کی لاش ملی۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

تو کیا اب یہاں کوئی نہیں رہ پائے گا......؟

ہم نے پھر سوال کیا۔

”نہیں...... رات گئے دھیمے دھیمے پائل کی اور پھر زوردار قہقہوں کی آواز گونجتی ہے۔“

اس نے کہا۔

ہم لوگ کہانی میں اتنے محو ہو چکے تھے کہ خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔ حالانکہ یہ محض ایک کہانی تھی۔ اور پھر اجنبی کی بحث کا موضوع بدل گیا۔

لیکن ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے دور کہیں پائل بج رہی ہو۔ دھیمی دھیمی مدھم مدھم......

ہم دم بخود خاموش ہو رہے۔ بخود دیر یونہی بیٹھے رہے۔ پھر اس نے کہا۔

''چھوڑیے ان کہانیوں کو اس زمانے میں کس کو فرصت ہے کہ ان پر غور کرے......''

ہاں یہ تو ہے لیکن......وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں نے ٹوک کر کہا۔

''ارے یہ کیا؟ آپ اتنی دیر سے آگ کے سامنے بیٹھے ہیں لیکن شرابور ہو رہے ہیں...؟''

ہوں......وہ مسکرایا۔

دور کہیں پائل چھنکی......!

جی آپ کیا کہہ رہے تھے۔ میں نے ٹوکا۔

''میں......''

اس کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں میں کبھی خشک نہیں ہو سکتا میں برف ہوں اور برف پر آگ اثر نہیں کرتی برف اور آگ کا کیا مقابلہ......؟

یہ کہہ کر اس نے جلتی ہوئی لکڑیوں کے کئی شعلے اٹھا کر اپنے ہاتھ پر رکھ لیے۔ اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

''ہاہا......ہاہا......ہاہا......''

تیز ہوا کا جھونکا آیا لیمپ بجھ گیا۔ اور وہ جلے ہوئے کوئلے بجھ گئے۔

جب ہمیں ہوش آیا راموداوا سرہانے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''میں نے کہا تھا......آپ لوگ یہاں رات نہیں رہ سکیں گے۔''

○○

وطن پہ ہوئے جان و دل سے نثار
شہادت کی خاطر رہے بے قرار

پاک افواج زندہ باد

تحریر.....فدا شاہین بھٹی

6 ستمبر 1965ء دفاع پاکستان کا دن ہماری عسکری تاریخ کا انتہائی اہم دن ہے۔ جو ہمیں ان دنوں کی یاد دلاتا ہے۔ جب پاکستان کی مضبوط اور تربیت یافتہ مسلح افواج اور پوری قوم نے اپنی شجاعت اور بہادری سے دشمن کی جارحیت کے خلاف اپنی آزادی اور قومی وقار کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سے طاقتور دشمن کو ناکوں چنے چبا کر اس کا ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔

یہ پاکستانی قوم کے لیے ایک تاریخی معرکہ تھا کیونکہ پاک بھارت 17 روز رہنے والی جنگ نے ثابت کر دکھایا کہ جب بھی پاکستانی قوم کو کسی نے بھی للکارا ہے تو اس نے اپنی سالمیت اور حوصلہ کی لازوال داستانیں رقم کی ہیں۔ یہی جنگ پاکستانی مسلح افواج اور پوری قوم کی وہ مشترکہ جدوجہد تھی جس کے سامنے تاریخ بھی جھکتی ہے۔ جن فرزندوں نے اپنے خون سے تاریخ لکھی اور ان فرزندوں کی بے مثال اور لازوال قربانیوں کی بھی یاد دلاتا ہے۔ جن کی بدولت آج ہمیں تاریخ میں ایک باوقار مقام حاصل ہوا ہے اور یہی تاریخ ہماری آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ کا کام کرتی رہے گی۔

پاک بھارت جنگ کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی کہ بھارت شروع سے ہی قیام پاکستان کے خلاف تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں نے کبھی بھی پاکستان کے قیام کو سچے دل سے قبول نہ کیا اور اس کا شروع سے یہی نظریہ سیاست رہا ہے کہ اپنے ہمسایہ ملک کے خلاف مکر و فریب کے ذریعے جارحانہ عزائم رکھتا ہے اور اس کے علاوہ اس نے اپنے آپ کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ انسانی قیادت حاصل کرنے کا جنون سوار کر رکھا تھا۔

مسئلہ کشمیر بھی پاک بھارت جنگ کی ایک کڑی تھی کیونکہ کشمیر کا علاقہ 1947ء سے متنازعہ رہا ہے۔ جس پر بھارت نے کشمیری عوام کی مرضی کے خلاف غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ ادھر مسئلہ کشمیر پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ جغرافیائی لحاظ سے کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور اس لحاظ سے اس کا الحاق پاکستان سے ہونا چاہیے تھا اور کشمیری عوام کی بھی یہی دلی خواہش تھی۔ لیکن بھارت نے کشمیر کے ساتھ الحاق کا یک طرفہ اعلان کر کے کشمیری حریت پسندوں کو بیدار کر دیا۔ جنہوں نے کشمیر کے مسئلے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی...... لیکن اس کے جواب میں



بھارتی حکومت نے تشدد اور قوت سے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی۔ لیکن جب بھارتی حکومت کشمیری مجاہدوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہی۔

6 ستمبر 1965ء کی علی الصبح بھارتی فوج نے اعلان جنگ کیے بغیر پاکستان پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ جس طریقے سے بھارتی افواج حملہ آور ہوئی تو اس نے بین الاقوامی آداب انسانیت اور شرافت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ بھارتی افواج نے کثرت فوج اور جدید اسلحہ کے زور پر حملہ آور ہوئی تو کیا پاکستان کی افواج تاب نہ لا سکیں۔ لیکن واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ بھارتی فوجیں توپ خانہ اور ٹینکوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ حملہ آور ہوئیں تو تھیں لیکن پاکستان کی بہادر اور جاں نثار فوج نے بھارتی یلغار کو نہ صرف روکا بلکہ دشمن کو بی۔ آر۔ بی نہر سے آگے نہ آنے دیا۔

"کھیم کرن" کی فتح کو اگر کسی بڑے منصوبے کا نتیجہ قرار دیا جائے تو یہ اسلامی تاریخ جنگ میں کوئی نئی

بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسے کئی معجزے رونما ہوئے ہیں..... جن میں یہ بھی ایک شامل تھا۔ اس کے علاوہ بھارت چاہتا تھا کہ پاکستانی افواج کو "کارگل" سے لے کر "تھرپارکر" تک تقریباً ڈیڑھ ہزار میل لمبی سرحد پر پھیلا کر کمزور کر دیا جائے۔ اس کے نزدیک "راجستھان" ہی ایک ایسا محاذ تھا کہ جہاں فوجی سرگرمیاں مشکل ہیں کیونکہ یہ ریگستانی علاقہ ہے اور بھارتی فوج "حیدرآباد" پر قبضہ کرنے کی خواہش لیے "راجستھان" پر حملہ آور ہوئی..... مگر یہاں پر موجود پاکستانی بہادر افواج نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے..... جس کی وجہ سے بھارتی فوج بھاگنے پر مجبور ہوگئی۔

سیالکوٹ کے نواحی قصبہ "چونڈہ" کے مقام پر ٹینکوں کی وہ لڑائی لڑی گئی..... جس کو دوسری جنگ عظیم کے بعد تاریخ کی سب سے بڑی لڑائی قرار دیا گیا ہے۔ جس نے جرمن جنرل "رومیل" کا بھی ریکارڈ توڑ دیا۔ اس محاذ پر پاکستان کی بہادر افواج کے ساتھ ساتھ عوام نے بھی شجاعت اور مہارت کے وہ کارنامے سرانجام دیے جس نے دشمن کی عسکری طاقت کا تمام غرور خاک میں ملا دیا۔ تینوں محاذوں پر پٹ جانے کے بعد یہ آخری محاذ تھا جہاں پر بھی دشمن کو منہ کی کھانی پڑی۔

7 ستمبر 1965ء پاک فضائیہ کی تاریخ کا ایک سنہری دن تھا کیونکہ اس دن فضائی جنگ میں پاکستان کی چوکس فضائیہ نے بھارتی فضائیہ کے مقابلے میں 1/6 حصہ ہونے کے باوجود اپنی برتری منوانے کے ساتھ ساتھ پاک فضائیہ کے سرگودھا کے ایک اہم معرکہ سرانجام دیا جو کہ قابل تحسین تھا۔ جب سکواڈرن

"ایم ایم عالم" نے ایک منٹ میں انڈیا کے پانچ ہوائی جہاز تباہ کر دیے۔

جنگ کے ایام میں پاکستانی بحریہ بھی پوری طرح چوکس رہی اس نے کراچی سے 200 کلومیٹر دور جنوب کی جانب اور انڈیا کے مغربی کاٹھیاوار کے ساحل پر واقع شہر "دوارکا" کا مشہور بھارتی بحری اڈا تباہ و برباد کر کے عظیم کارنامہ سرانجام دیا جو کہ پاک بحریہ کی تاریخ کا ایک یادگار حصہ بن چکا ہے اور 1965ء کی جنگ میں پاک بحریہ نے ناقابل تسخیر عزم و ہمت اور بے لوث فرض شناسی کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے اس پر ظاہر کر دیا کہ سمندروں میں بھی اس کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ان شہیدوں کو سلام پیش کرتے ہوئے یہ عہد کریں کہ اس امانت اور مقدس سرزمین پاکستان کی حفاظت کریں گے کیونکہ مضبوط دفاع کا امن و امان' معاشرتی ترقی اور ملک و قوم کی معاشی' تعلیمی' اخلاقی و سیاسی' تمدنی اور معاشرتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے دفاع وطن کو مستحکم کرنے اور سلامتی کے فروغ کے لیے بھرپور کوشش کرنا ہوگی کیونکہ یہ ہمارے روشن و تابناک ذوقی مستقبل کی علامت ہیں۔

حال ہی میں وزیرستان میں ہونے والے فوجی آپریشن جو کہ "ضرب عضب" کے نام سے ہو رہا ہے۔ میری بلکہ پورے پاکستانی قوم کی دلی دعائیں ہیں کہ پاک فوج کو اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہمارا معاشرہ کتنا بے حس ہو چکا ہے کہ ہر شے کو خوبصورتی کے پیمانوں پر تولتے ہیں۔ان کے لیے شکل و صورت سب سے اہم چیز ہے۔کالی لڑکی کو اپنا شریک سفر بنانے میں بے عزتی سمجھتے ہیں۔آج کے لڑکے تو حسن کے شیدائی ہیں۔ حسن کے پیچھے جان دیتے ہیں۔چاہے بعد میں بھی حسن ان کے لیے وبال جان بن جائے

کالی لڑکی

تحریر......رفعت محمود

وہ نہ جانے کس پر گئی تھی۔ کالی کلوٹی سی۔ حالانکہ ان کے پورے خاندان میں کوئی سانولا تک نہ تھا۔ سب گورے چٹے تھے اور پھر وہ تو اپنے والدین کی بڑے ارمانوں کی اولاد تھی جب پورے چار بیٹوں کے بعد اس نے جنم لیا تو اس کے امی ابو نے یوں خوشی منائی جیسے اس گھرانے میں پہلے بچے نے جنم لیا ہو لیکن امی کی خوشی اس وقت کرکری سی ہو گئی جب سب نے ان سے یہ سوال کیا۔۔۔ یہ کس پر گئی ہے اس سوال کا جواب ان کے پاس کہاں تھا وہ کس پر گئی تھی یہ ان کو بھی معلوم نہ تھا امی خود بے حد خوبصورت تھیں اور چار خوبصورت بیٹوں کو جنم دینے کے بعد انہوں نے ایک بدصورت کالی لڑکی کو جنم دیا تھا ان کو بھی اس کی کالی رنگت پر افسوس ہونے لگا۔ نہ جانے اس کی پیدائش سے پہلے ہم پر کس کا تاریک سایہ پڑ گیا تھا جو یہ ایسی رنگت لے پیدا ہوئی ہے وہ یہ کہہ کر الزام سے بری ہونے کی کوشش کرتی تھیں ابو اسے پیار سے کالی کہا کرتے تھے اولاد چاہے جیسی بھی ہو والدین کو پیاری ہوتی ہے وہ بھی اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھی۔

ابو نے اس کا نام تارا رکھا تھا جو اس پر بالکل نہ جچتا تھا۔ اس کی امی کو قوی امید تھی کہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ ان کی تارا کا رنگ و روپ بھی نکھر آنے گا لیکن بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ اس کی رنگت اور پکی ہوتی گئی امی کو بھی افسوس ہونے لگا لڑکی ذات تھی لڑکے بدصورت تو گوارہ کر لیے جاتے ہیں لیکن کم صورت کی لڑکی بھی ماں باپ کے لیے باعث فکر ہوتی ہے۔ ابھی تو وہ کالی سی گڑیا دو سال کی ننھی سی تب سے امی کو اس کے مستقبل کی شدید فکر ہو گئی تھی اللہ میاں اس سے اچھا تو ہمیں بیٹی دیتا ہی نا۔۔۔۔ کبھی امی شکستہ دل ہو کر سوچتی تھیں حالانکہ ان کو بیٹی کی شدید آرزو تھی۔ لیکن خواہشات پورے ہو کر بے معنی بن جاتی ہیں۔

تارا بھی صرف اپنی کالی رنگت کی وجہ سے امی کے دل کی کھٹک سی بن گئی تھی۔



لیکن تارا ان کے احساسات سے بے خبر تھی۔ پھر وہ ابھی بہت چھوٹی تھی۔ ابو اس کے لیے اکثر بازار سے رنگ برنگے کھلونے خرید لاتے۔ پہروں وہ کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ گھر میں ادھر ادھر شرارتیں کرتی پھرتی لڑکے لڑکیوں کے مقابلے میں زیادہ شوخ اور بدزبان ہوتے ہیں اور بہنوں کو چھیڑنا بھائیوں کا بہترین مشغلہ بھی ہوتا ہے وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی بھائیوں کے دل کا بہلاوا... بھائی اس کو طرح طرح سے چھیڑتے۔

کالی کوئل... تو انہوں نے اس کا نام رکھا ہوا تھا اس کو اس نام کے معنی کب معلوم تھے وہ ناراض ہوتی اسے تو اپنے بھائیوں سے بے حد پیار تھا وہ چار برس کی تھی جب اللہ میاں نے اس کو ایک اور بہن دے دی ننھی چندا اس کے پیدا ہوتے ہی تارا کا زوال شروع ہو گیا۔ چندا بے حد خوبصورت تھی اپنے اور بھائیوں اور امی کی طرح

بالکل گلابی گڑیا سی۔۔۔۔ امی تو چندا کی پیدائش پر یوں خوش تھیں جیسے پہلی بیٹی پیدا ہوئی ہے۔

بہن کی آمد پر نارا بھی بے حد خوش تھی پہلے وہ بے جان گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اب اسے اللہ میاں نے جیتی جاگتی سفید چٹی سی گڑیا دے دی تھی اسے کیا معلوم تھا یہ چٹی گڑیا اس کے حقوق پامال کرنے آئی ہے چاہت اور محبت لوٹنے آئی ہے چندا کی پیدائش کے بعد امی نے نارا کو بالکل نظر انداز کر ڈالا بھائی بھی چندا کے گرویدہ تھے اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے۔ امی سارا دن چندا کو بنانے سنوارنے رہتیں۔ خوبصورت فراکیں اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے سیتیں کہیں باہر جاتیں تو چندا کو ضرور ساتھ لے جاتیں۔

اور ننھی نارا دل میں کڑھ کر رہ جاتی محبت چاہت کی کمی کا احساس اس کے دل میں پیدا ہونے لگا وہ چھوٹی سی عمر میں حساس ہو گئی اسے چھوٹی سی عمر میں اپنی صورت کی کمی کا بھرپور احساس ہو گیا اب بھائی اسے کالی کوئل۔۔۔۔ کالی بلی کہہ کر چھیڑتے تو گھٹ گھٹ کر رونے لگتی۔

نانچہ گھر میں سب گورے گورے تھے ابو سے لے کر چندا تک صرف وہ کالی رات کا سا سماں بنی ہوئی تھی گورے ہونے کا جنون اسے چھوٹی سی عمر میں ہو گیا صابن سے منہ دھو دھو کر بیچ بیچ چہرے کی کھال اتار لیتی لیکن کچھ اثر نہ ہوتا وہ رہتی کالی کی کالی ہی ماہ و سال کے چکروں نے اسے جوان کر ڈالا جوانی میں بھی اس کا رنگ و روپ نہ نکھر سکا لیکن اسے بننے سنورنے کے بے حد گر آ گئے تھے صرف کالی رنگت نے اسے مات دے دی تھی ورنہ جسم اور قد کے لحاظ سے وہ بڑی سمارٹ لگتی تھی ہمیشہ اس نے اپنے بالوں کو ترشوا کر رکھا۔ اسے لمبے بال اور چوٹیاں فضول لگا کرتی تھیں کپڑے بھی وہ ہمیشہ فیشن کے مطابق سلوائی تھی بیل باٹم' فلیپر' میکسیز ہر فیشن کے ساتھ اس کے لباس بدلتے تھے ویسے بھی گھر والے اس کا دل توڑنا بہت خوب جانتے تھے جب کبھی وہ پوڈر لگائی بڑے بھیا ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتے۔۔۔۔

آج باورچی خانے میں سفیدی کیوں پھیری گئی ہے نارا۔۔۔ بھیا کے اس ریمارک پر نارا کی جان جل جاتی آنکھوں میں بے شمار آنسو تڑپنے لگتے اور پوڈر صاف کرنے کے لیے منہ دھونے کی ضرورت نہ رہتی آنسو پانی کا کام خود انجام دے دیتے تھے۔ اس کے مقابلے میں چندا بے حد حسین تھی عمر کے ساتھ ساتھ اس کا حسن نکھر رہا تھا گلابی گلابی رنگت سنہرے سنہرے بال بھی اس کے حسن میں چار چاند لگائے ہوئے تھے حالانکہ جسم کے اعتبار سے وہ کچھ موٹی سی تھی۔

چندا نارا سے چار برس چھوٹی تھی لیکن انجان کی رو سے وہ بارہ برس کی عمر میں نارا کے برابر لگا کرتی تھی دونوں ایک ہی سکول میں پڑھا کرتی تھیں نارا میٹرک میں تھی تو چندا ساتویں میں۔۔۔ اسکول میں بھی سب کو ہی یہ حیرت ہوتی کہ وہ دونوں بہنیں ہیں۔ صورت و شکل کے اعتبار سے دونوں میں بالکل مشابہت جو نہ تھی۔

چندا صورت کے مل ہونے سکول میں زیادہ

مقبول تھی' اکثر سکول میں جو ڈرامے منعقد ہوتے چندا ان میں ضرور کام کرتی ڈراموں میں کام کرنے کی آرزو نارا کو بھی ہوتی لیکن بس اس کی خواہش دل ہی دل میں رہ جاتی اسے ڈرامے میں کبھی معمولی سا رول بھی نہ ملا تھا۔

چندا کی مقبولیت اور چاہت دیکھ کر نارا بہن سے دل ہی دل میں حسد کرنے لگی۔ اس سے جلنے لگی گھر میں بھی ہر طرف چندا کی پکار تھی کیا دنیا میں صرف صورت ہی اتنی اہمیت رکھتی ہے اکثر اس سے اس کا دل یہ سوال کرتا یہ اداس غمگین سی سوچیں اسے دن بدن حساس بناتی گئیں وہ گھر والوں سے دور دور رہنے لگی۔ کسی کو منہ نہ لگاتی گھر میں اسے کوئی چھیڑتا تو وہ اس کو پھاڑ کھانے کو دوڑتی مجھ سے بات مت کرو۔ وہ اپنے سے بڑے بھائیوں کو بڑی آسانی سے تیز تیز جواب دے دیتی اور اس کے منہ سے یہ کلمات سن کر امی اپنا سر پیٹ لیتی تھیں ہائے کم بخت صورت کے ساتھ ساتھ عادت کی بھی بد نکلی۔ کیا ہو گا اس کا کون پوچھے گا اس قسم کی لڑکی کو۔۔۔

امی کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی۔۔۔ مجھے کسی سے خود کو نہیں پچھوانا۔ وہ چیخ کر کہتی تم ساری عمر اس گھر میں بیٹھی رہو گی کیا۔ امی اس کے معاملے میں بڑی سنگدل تھیں۔

پڑھ لکھ کر ملازمت کر کے جب کمانے لگوں گی تب پوچھوں گی بھی نہیں کسی کو۔ وہ نزکی بہ نزکی جواب دیتی۔

گھر والوں کے رویے نے اسے حد درجہ سرکش اور باغی بنا دیا تھا اس کی مستقبل کی سوچیں بڑی باغیانہ تھیں۔ ان میں صرف مایوسی تھی، تاریکی ہی تاریکی تھی خوشی کی ایک رمق بھی نہ تھی۔۔

حالانکہ زندگی کی منزل سے ابھی بہت دور تھی وہ لیکن پھر بھی اس نے یہی سوچا تھا وہ تعلیم کو اپنا زندگی کا نصب العین بنائے گی بہت پڑھے لکھے گی پھر کسی کی محتاج نہ رہے گی وہ پڑھنے میں تھی بھی بہت اچھی اور اس کا ذہن بھی بہت اچھا تھا وہ شاعرہ بھی تھی اور ادیبہ بھی تھی۔ اکثر وہ کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھتی تو کیسے کیسے رومانوی خیالات اس کے ذہن میں ابھرا کرتے اس کا دل خود بھی نہ جانتا تھا ایسی باتیں اسے آپ ہی کہاں سے آتی تھیں۔

ایک بار اس نے اپنا یہ سوچیں احساس بڑی خوبصورتی سے صفحات پر ڈال دیے اور ان کو ایک رسالے میں بھیج ڈالا۔

اور پھر اس کی تحریر چھپ گئی اس کی محنت وصول ہو گئی اپنی تحریر وہ ملک کے مقبول رسالے میں دیکھ کر کتنی خوش تھی کہ اس خوشی کا اندازہ وہ آپ کر ہی پا رہی تھی اپنی خوشی میں وہ دوسروں کو شامل کرنے سے خوشی دوبالا ہو جاتی ہے وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اچانک سب کے سامنے یہ بھول کھولے گی کہ وہ مصنفہ قسم کی چیز بن گئی ہے تو گھر والے بے حد خوش ہوں گے لیکن ہوا اس کے برعکس امی نے الٹا اسے جھڑک دیا۔

پڑھنے لکھنے میں دل لگانے کی بجائے تم ان چکروں میں پڑ گئی ہو۔ ان خرافات سے کیا حاصل ہوتا ہے

کوئی ضرورت نہیں ہے ایسی واہیات کہانیاں لکھنے کی۔۔۔ امی کی اس نفرت سے اس کا خوشیوں بھرا دل کرچی کرچی ہو گیا آنکھوں میں ڈھیر سے آنسو بھرے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

لیکن اس کے مصنفہ بننے کی خبر سارے بھائیوں کو ہو گئی پھر جیسے اس کی شامت آ گئی خوب اس کی تحریر کا مذاق اڑایا گیا واہیات کہانی لکھی ہے تارا تو نے۔ فلمیں دیکھ دیکھ کر یہی سب کچھ لکھو گی محبت' عشق کے علاوہ کیا اور کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ بڑے بھیا بحث پر اتر آئے اور وہ بے چاری شرمندہ ہو کر رونے لگی گھر والے اسے بڑے واہیات خیالات کے لگے چھوٹے بھائی نے تو اس پر الزام تراشی شروع کر دی تھی یوں اس طرح وہ اپنے افسانے کی ہیروئن بن کر کسی سے محبت کر بیٹھی ہو۔

اس کا دل گھر والوں نے ضرور برا کیا لیکن کالج میں سب نے اس کی تحریر کو خوب سراہا۔

اس طرح اس کے ڈولتے حوصلے پھر ابھر گئے وہ خوب جم کر لکھنے لگی گھر والوں سے اب اپنی ہر لکھی چیز چھپانے لگی جلد تارا نے ادب کی دنیا میں ایک مقام پیدا کر لیا لیکن اس کی تحریر میں ہمیشہ اداسی کا رنگ چھپتا تھا مایوسی ہوتی' وہ ہر لڑکی کو شکستہ دل بناتی تھی جو دنیا میں صرف غم جھیلنے کے لیے آئی ہو پھر آخر میں اس لڑکی کی موت رقم کر کے وہ کہانی کا اختتام کرتی۔

اس کی تحریر کا انداز دل پر اثر کرتا۔ وہ ٹریجڈی لکھتی اور پھر بھی پسند کی جاتی۔

جلد تارا نے قلم کے زور سے اپنا سکہ گھر والوں پر بھی جما لیا وہ بھی امی اور بہن جو پہلے پہل اس کی تحریر پر صرف تنقید کیا کرتے تھے اب اس کی تعریف کرنے لگے تھے۔

اب امی بڑے فخر سے اپنے ملنے جلنے والوں کو بتایا کرتی تھیں کہ ان کی بیٹی تو بڑی لائق ہے وہ اس کے ہنر سب کے سامنے گنوا جاتی تھیں' امی اس کے ہنر کی تعریفیں کر کے وہ مسئلہ حل کرنا چاہتی تھی جو ان پر دن بدن فکر بن کر چھایا رہا تھا تارا کب کی جوان ہو چکی تھی اب وہ بی اے کے آخری سال میں تھی چندا بھی جوان تھی لیکن چندا کی جوانی کی فکر امی کو نہ تھی وہ تو چودھویں کا چاند تھی تو تارا دھندلی شام' گزرنے دنوں کے ساتھ ان کی شادیاں بھی ہونے لگیں۔ امی بھی بہوئیں خوب چھانٹ چھانٹ کر لائی تھیں ایک سے ایک خوبصورت' بڑی بھابھی تو بے پناہ حسین تھیں اور ان کو کچھ زیادہ حسن کا احساس بھی تھا سارا دن بننے سنورنے میں لگی رہتیں خوبصورت انگلیوں کے بڑھے ہوئے ناخنوں پر نیل پالش بدلنا اور ان کا بہترین مشغلہ تھا اور بھابھی کے بھی دیکھا دیکھی تارا بھی ناخن بڑھا کر ان پر ایک دن سرخ رنگ کی نیل پالش لگا لی خود کو تو اسے ہاتھ اچھے لگ رہے تھے لیکن بھابھی نے اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر عجیب سا منہ بنایا۔

ہائے میں مر جاواں تارا کتنے بدنما لگ رہے ہیں تمہارے ہاتھ' بالکل چیل کے پنجے۔ گورے گورے ہوتے تو کوئی بات بھی تھی۔ انہوں نے

اپنے خوبصورت ہاتھوں کو اس کے سامنے لاتے ہوئے کہا۔۔۔ اور مارے بے عزتی کے صدمے کے نارا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں اس نے اپنی مٹھی اتنے زور سے بھینچی کہ ناخن اس کی ہتھیلی میں گڑ گئے اپنے بستر پر لیٹ کر وہ دیر تک روتی رہی۔ میں کالی ہوں' بدصورت ہوں' اس وجہ سے مجھے بننے سنورنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کا دل آپ ہی اس سے ایسی باتیں کرکے اسے اور غمزدہ کرتا گیا گھر پر اب بھابیوں کا راج تھا امی تو اب ریٹائرڈ ہو چکی تھیں بھائی اور بھابیوں کی چاہت کے میٹھے میٹھے انداز دیکھ کر کبھی نادا کے جذبات بھڑک جاتے وہ بھی ایک خواہش بھرا دل رکھتی تھی اس کے دل میں بہت سی امنگیں کروٹ لیتی تھیں لیکن پھر اپنی صورت کے احساس سے اس کا دل آپ بجھ جایا کرتا ہمیں کون پوچھے گا بارہا اس کا دل اسے کہتا اور یہی بات بھی تھی اسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔۔۔ متعدد بار امی نے اپنی کوششوں سے اس کے رشتے کی بات کی عورتیں اسے دیکھنے آئیں۔ اسے اس طرح نمائشی انداز میں خواتین کے سامنے جانا پسند نہ تھا لیکن اسے جانا پڑتا۔ گہری گہری نظروں سے اسے گھورا جاتا وہ گھبرائی رہتی۔ لجائی رہتی۔ ان کی خاطر مدارت میں لگی رہتی اور پھر ان کے جانے کے بعد اس انتظار میں لگی رہتی۔ شاید کوئی پلٹ کر کہے ہم نے نادا کو پسند کر لیا ہے لیکن ایک بار آکر کوئی پلٹ کر نہ آیا تو اس کے دل کے زخموں میں ایک زخم کا اور اضافہ ہو جاتا اور اس نے اب پختہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی شادی نہ کرے گی چندا کے لیے تو ابھی سے رشتوں کی بھرمار تھی جسے سب گھر والے مل کر رد کر دیا کرتے تھے امی کو چندا کے لیے بے پناہ اونچے گھر کی خواہش تھی نارا کو احساس تھا اگر اس کے لیے ایک کلرک کا رشتہ بھی آجاتا تو امی اور گھر والے انکار نہیں کریں گے گھر والوں کے سلوک کی وجہ سے اس کے دل میں بھی بغاوت بری طرح جنم لے چکی تھی۔ اب وہ ہر حربہ استعمال کرنے لگی تھی جو گھر والوں کے لیے تکلیف دہ تھا۔

بی۔ اے کے بعد امی کی لاکھ مخالفت کے باوجود اس نے یونیورسٹی میں جرنلزم میں داخلہ لے لیا۔ روز سویرے گھر سے نکلتی دوپہر ڈھلے واپس آتی اسے گھر والوں سے اب کوئی سروکار نہ رہا تھا یونیورسٹی میں کلاس ختم ہونے کے بعد اس کا گھر کی طرف رخ کرنے کو دل نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ اپنی خردماغی کی وجہ سے وہ کسی سے میل ملاپ نہ بڑھا سکی تھی اور پھر لڑکے تو حسن کے شیدائی ہوتے ہیں اس میں تو کوئی چارم نہ تھا کسی نے اس کی طرف رخ نہ کیا۔

پھر ان دنوں حد درجہ شکستہ دل ہو رہی تھی اچھا لباس پہننا بھی اس نے چھوڑ دیا تھا بجھے سفید کپڑے پہنتی نہ بالوں کا کوئی سٹائل بناتی اپنے سیدھے سیدھے بالوں کو ربن سے جکڑ لیتی کتابیں ہاتھ میں لیے وہ گم سم سی لڑکی کافی سوگوار سی لگتی کبھی منچلے لڑکے اسے چھیڑ دیتے' کوئی فلاسفر کہتا کوئی دقیانوسی روح' لیکن نادا پر کب ان باتوں کا

اثر ہوتا حالات سے تو اسے اچھا خاصا پتھر بنا ڈالا تھا' کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ لائبریری میں بیٹھے بیٹھے ایک آدھ افسانہ لکھ لیتی تھی اکثر ہی لکھتے نظر اٹھاتی تو لائبریرین کو عجیب سی نظروں سے خود کو تکتا پاتی وہ نظریں محسوس کرکے اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا نہ جانے ان نظروں میں کیا تھا کہ اس کا رواں رواں کانپ جاتا دماغ سے سب کچھ نکل جاتا اور اسے لائبریرین پر غصہ آنے لگتا۔ کمینہ..... خبیث' بدنیت وہ اپنے دل میں اس کو لاکھوں صلواتیں سنواتی تھی پختہ عمر کا وہ مرد تین بچوں کا باپ لگا کرتا تھا۔ بعض لوگوں کو تو بس لڑکیوں کو گھورنے کی عادت ہوتی ہے نارا کو اس کے اس انداز سے نفرت سی محسوس ہوتی اور پھر وہ دوسرے کونے میں ایسی جگہ جاکر بیٹھنے لگی۔ جہاں سے اسے لائبریرین شکیل صاحب کو اس کی جھلک ہی نظر نہ آتی ہو۔ لیکن اکثر وہ الماری سے کتابیں نکالنے کے بہانے ایک آدھ چکر اس طرف ضرور لگا جایا کرتا۔ شکیل کافی خوبرو تھا لیکن آدھے سفید بال اور لباس ڈھنگ سے نہ پہننے کا انداز اسے کم تر کیے ہوئے تھا وہ بے حد ان سمارٹ تھا۔ چیک دار پتلون اور نیلی قمیص جسے اس کا یونیفارم بن کر رہ گئی تھی اور اس کا یہ گندہ حلیہ دیکھ کر اکثر نارا سوچتی کہ جیسے" اس کی بیوی حد درجے بے ڈھنگی قسم کی ہے جو اپنے شوہر کا ذرا بھی خیال نہیں کرتی جب بھی وہ کتاب ایشو کروانے شکیل کی میز پر جاتی تو وہ معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر لاکر اس کا استقبال کرتا۔ آپ بہت مختلف لڑکی ہیں لڑکیاں تو بہت کم لائبریری میں آیا کرتی ہیں بعض لڑکیاں تو محض تفریحاً یونیورسٹی آیا کرتی ہیں وہ اس کی تعریف کر جاتا اور نارا ناک سکیڑ کر چہرے پر بیزاری پھیلا لیتی۔

اسے شکیل کا یہ والہانہ انداز بالکل نہ بھاتا تھا بلکہ وہ تو اسے زہر لگا کرتا تھا...... کوئی اور لڑکی لفٹ نہ دیتی تھی تو اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا ایک روز انجانے میں نارا اپنے افسانے کا مسودہ لائبریری میں میز پر چھوڑ آئی گھر آکر اسے خیال نہ آیا ہوش تو اس وقت آیا جب چہرے پر بشاش مسکراہٹ لیے شکیل اچانک اس کے قریب چلا آیا کل آپ اسے یہاں چھوڑ گئی تھیں وہ اس سے ذرا فاصلے پر کرسی پر جھک کر کھڑا ہو گیا اس کے اس طرح کھڑے ہونے کا انداز بھی نارا کو بے حد واہیات سا لگا۔ اس نے منہ سے شکریہ کا لفظ نکالے بغیر مسودہ اپنے بڑے سے جینز بیگ میں ڈال لیا آپ تو چھپی رستم نکلیں۔ آپ اتنی مقبول مصنفہ ہیں اور ہمیں علم ہی نہیں وہ اس کی تعریف کرنے لگا ہر انسان اپنا اشتہار آپ تو نہیں ہوتا نارا اپنی تعریف پر تھوڑی سی خوش ہو گئی پہلی بار شکیل سے بات کرنے کا اس کا موڈ بن گیا ویسے بھی لائبریری میں اس وقت کافی لڑکے اور لڑکیاں موجود تھے اور ایسے میں شکیل سے بات کرنا کوئی مشکوک نہ تھا۔

وہ اس کے افسانوں کے بارے میں اپنی رائے دینے لگا مجھے مطالعے کا بہت شوق ہے پھر کتابیں تو تنہائی کا بہترین ساتھی ہوتی ہیں۔ میں نے آپ کی ہر تحریر کو پڑھا ہے وہ اپنے الفاظوں میں اسے کتنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلند مقام دے رہا تھا کتنا سراہے جا رہا تھا اور وہ حیران حیران نظروں سے اسے تک رہی تھی کیا وہ سنا تھا۔ یہ خیال اس کے دل میں عجب ہلچل مچائے دے رہا تھا اور دل کی بات لبوں پر آ ہی گئی کیا آپ اکیلے ہیں اس نے کچھ سوچ کر سوال کیا کیونکہ اکیلا آدمی ہی اتنا لاپرواہ دکھائی دے سکتا ہے جوتوں سے لے کر قمیض کی حالت یہ بتاتی تھی کہ اس کا کوئی خیال کرنے والا نہیں ہے۔

ہاں بالکل تنہا۔۔۔ نہ ماں نہ باپ نہ بہن بھائی اور نہ کوئی ہمدم۔ اس نے افسردگی سے کہا۔

اور نارا کو اس پر ترس آ گیا اور اس دن نارا کو اچھا لگنے لگا وہ گھر آ کر شکیل کے بارے میں سوچتی رہی وہ جو مفلس تھا بدحال تھا تنہا تھا ایسی شخصیت کا مالک نہ تھا کہ کوئی لڑکی یوں اس کو اپنی آنکھوں میں بسائے۔

لیکن نارا تو افسانوی سوچیں رکھنے والی لڑکی تھی اور پھر محبت کوئی فرق محسوس نہیں کرتی جس پر دل آ جائے دل کو اس سے ہی محبت ہو جاتی ہے اور پھر بالکل افسانوی انداز میں نہ جانے کس نے اپنے میں اتنی ہمت پیدا کی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے نارا کو حیرت بھی تھی کہ شکیل کو نہ جانے اس کی کیا ادا بھا گئی ہے اس کی چاہت وقتی بہلاوا نہ ہو اس نے ایک بار اپنے اس خدشے کو اظہار کر ڈالا۔ شکیل قسمیں کھانے لگا میں صورت پر مرنے والا نہیں ہوں میں تو صفات کو پرکھا کرتا ہوں اور اپنی پسند چاہے کچھ بھی ہو انمول ہوتی ہے حسن کچھ نہیں ہوتا اور پھر تم میری پسند ہو اپنی پسند سب میں حسین لگا کرتی ہے شکیل کے ان جملوں پر بارے شرم کے نارا کی گوری گوری رنگت تپ کر سرخ ہو گئی شرما کر اس نے اپنے سفید آنچل میں منہ چھپا لیا۔

شکیل اس کو ایک کھٹارا سی موٹر سائیکل پر بٹھا کر اپنا آشیانہ دکھانے لے کر گیا وہ اپنے اس اندھیرے کمرے کو آشیانہ ہی کہا کرتا تھا۔ اس کا کمرہ دیکھ کر نارا کا دل بجھ گیا شکیل کے پاس دولت نہ تھی تو کچھ نہ تھا۔ یہ بات نارا کے دل میں کسک سی پیدا کر گئی تھی لیکن اس نے اس بات کا اظہار شکیل پر نہ ہونے دیا ویسے بھی وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی کیونکہ شکیل غیر تھا اور اس طرح اس کے گھر آنا اس کے لیے باعث توہین بن سکتا تھا وہ بدنام ہو سکتی تھی لیکن اسے شکیل کی شرافت پر بڑا مان تھا۔

شکیل تو سچ مچ اس کے آگے بچھے جا رہا تھا اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ قریبی دکان سے اس کی خاطر مدارت کا کافی سامان لے آیا چائے بھی اپنے ہاتھوں سے بنائی وہ کتنا اچھا تھا کتنا مخلص زندگی کے سفر میں کیا تم کو اتنا چاہنے والا مل سکتا ہے شکیل کے برابر بیٹھے بیٹھے وہ محویت میں ڈوب گئی وہ جو ایک بدصورت لڑکی تھی جس میں کوئی ہمدم نہ تھا کشش نہ تھی پھر بھی اس پر کوئی مرتا تھا شکیل جو خوبرو تھا سنجیدہ تھا لیکن غریب تھا اور اس کی غربت سے نارا کو گلہ تھا محبت اور چاہت پا کر نارا اداس تھی دل میں بار بار ایک تلخی کا احساس جاگ رہا تھا وہ جو ایک بڑے گھر کی لڑکی

تھی اس کے ابو بزنس مین تھے سارے بھائی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے وہ بہت بڑے بنگلے میں رہتی تھی اس کا اپنا بیڈ روم بھی شکیل کے کمرے سے دوگنا اچھا اور اعلیٰ سامان سے آراستہ تھا اور شکیل کا سامان صرف ایک چارپائی لوہے کا ایک صندوق' میلا سا بچھونا اور کتابوں کے ایک انبار کے علاوہ کچھ نہ تھا وہ کھانا بھی باہر کسی سستے سے ہوٹل میں کھایا کرتا تھا۔

اپنی تنخواہ میں سے وہ اپنی بیوہ بہن کے اخراجات پورے کیا کرتا تھا جو گاؤں میں رہا کرتی تھی اس وجہ سے اپنے خرچ کرنے کو اس کے پاس کم روپے بچا کرتے تھے صاف گوئی سے اس نے یہ تمام باتیں نارا کو بتا دی تھیں اور شکیل کی اس صاف گوئی پر نارا خوش نہ ہو سکی تھی لیکن زندگی کے طویل سفر میں نارا کو کس نے پوچھا تھا اسے تو صرف صورت کی بنا پر اپنے گھر والوں نے بھی نہ چاہا تھا وہ محبت کی بھوکی تھی پیاسی تھی اس کو زندگی نے ان گنت زخم عطا کیے تھے صرف اس وجہ سے وہ کم شکل تھی اسے کوئی نہ پوچھتا تھا لیکن محبت کی وہ متلاشی تھی وہ شکیل میں پوشیدہ تھی شکیل اس پر مرتا تھا اس بدصورت لڑکی سے محبت کرتا تھا ان دنوں نارا کے خیالات بھی عجیب سے ہو گئے تھے سارا دن الجھی الجھی سوچوں میں گرفتار رہتی اب نہ اس کا پڑھنے میں دل لگتا تھا اور نہ کچھ لکھنے کا موڈ بنتا تھا اس کی زندگی تو اب خود ایک افسانہ بنی ہوئی تھی پھر بھلا اس کا ذہن دوسری طرف کیسے جاتا شکیل اس کا طلب گار تھا لیکن ساتھ ساتھ اسے اپنی حیثیت کا اور نارا کے گھر والوں کی شان و شوکت اور امارت کا بخوبی احساس تھا اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوا جا رہا تھا اس کا حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ وہ اپنا مدعا لے کر اس دہلیز پر قدم رکھے اور نارا وہ تو خود کم حوصلہ لڑکی تھی محبت تو کر بیٹھی تھی لیکن گھر والوں پر اظہار کی ہمت نہ تھی ویسے اس کی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ امی اس کی طرف سے بے حد فکر مند تھیں اس کا ایک رشتہ بھی نہ آیا تھا اس سے چار برس چھوٹی بہن چندا کے رشتوں کی بھرمار تھی اور امی اس کے لیے انکار کر کے تھک گئی تھی ان کی نظروں میں چندا کے لیے کوئی رشتہ جچتا ہی نہ تھا اور نارا کے لیے کوئی رشتہ آتا نہ تھا امی کو اس کی صورت کے ساتھ بخت لگا کرتی تھی قابلیت میں نارا کے مقابلے میں چندا کچھ نہ تھی وہ تو نازنخروں کی وجہ سے میٹرک بھی نہ کر پائی تھی بس ہمیشہ بننے سنورنے میں لگی رہتی اس طرح اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ ہو جایا کرتا تھا وہ تو بغیر بنے سنورے ہی قیامت لگا کرتی تھی پھر بھی اپنا اتنا خیال کرتی تھی اور جس کو بننے سنورنے کی ضرورت تھی وہ ضرورت سے لاپروا رہتی امی اسے ٹوک ٹوک کر تھک گئی تھیں لباس ڈھنگ کا پہنا کرو یہ لمبا سفید لبادہ پہنے رکھتی ہے اور وہ سر جھٹک کر تلخی سے مسکرا دیتی وہ وقت اسے یاد آتا جب اسے ہر طرح کے نت نئے لباس پہننے کا شوق ہوا کرتا تھا اور گھر والے اس پر طرح طرح کے ریمارکس پاس کیا کرتے تھے ان ہی ٹوکوں کی وجہ سے دل اٹھ

ہو کر اس نے اپنا ہر شوق اور ارمان خاک میں ملا ڈالا تھا۔

ویسے بھی وہ اب گھر والوں سے کٹی کٹی رہتی نہ بھائیوں سے بولتی نہ چندا کو منہ لگاتی بس گھر پہ اپنے کمرے میں بند ہو کر بس الٹی سیدھی باتیں سوچ سوچ کر دماغ خراب کیا کرتی تھی ان دنوں وہ تشکیل کی کشمکش میں گرفتار تھی کہ بڑے بھیا کے ایک دوست بزنس کے سلسلے میں ان کے شہر میں منتقل ہو گئے ریحان کا اپنا ذاتی پریس تھا ایک اخبار بھی نکالتا تھا اب وہ اس جگہ سے اپنا ایک رسالہ نکالنا چاہتا تھا ریحان مانا ہوا صحافی تھا ادبی ذوق اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اپنے اخبار میں وہ مستقل کالم اور اداریے لکھا کرتا تھا جس سے اس کی قابلیت کا پتہ چلتا تھا

اب جب وہ اس شہر میں آیا تو بڑے بھیا نے اسے اپنے گھر مدعو کرنا اپنی خوش نصیبی تصور کی اس کی دعوت کی خاطر کافی اہتمام کر ڈالا نارا تو گھر کے ایسے ہنگاموں سے دور رہتی تھی لیکن آج کی دعوت میں ریحان کا نارا سے تعارف کروانا بھیا نے ضروری سمجھا کیونکہ وہ دونوں ہم ذوق تھے بھیا کے بے حد اصرار پہ چہرے پہ اتنی بیزاری کے سائے لیے وہ سفید ساڑھی میں لپٹی ریحان سے ملنے چلی آئی بھابھیاں امی اور چندا پہلے ہی ہال میں موجود تھے اس کو اتنے مہمانوں کے بیچ میں اس حلیے میں دیکھ کر بھابیاں مسکرا پڑیں اور امی کو غصہ آگیا نہ جانے وہ اتنی نا سمجھ کیوں ہے ضدی ہٹ دھرم قسم کی امی بڑبڑا کر رہ گئیں چندا بار بار اپنے زرتار کپڑوں کو سنبھالتی ادھر ادھر پھر رہی تھی اور وہ کتنی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

پوری محفل میں صرف ایک ریحان نارا کی طرف متوجہ تھا کیونکہ بھیا ریحان سے پہلے ہی نارا کا بڑے تمسخر سے غائبانہ تعارف کروا چکے تھے بعض رسالوں اور اخبارات میں ریحان نے اس کا نام پڑھا تھا اس وجہ سے اب وہ اس کے سامنے آئی تو بڑے بےباک انداز میں اس سے ملا بالکل اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنا ڈالی نارا سمٹ کر بیٹھ گئی ریحان اس سے اس کی تحریروں کے بارے میں گفتگو کرنے لگا وہ اس کا ہم ذوق تھا پل بھر میں نارا کی بیزاری اور جھنجھلاہٹ جاتی رہی اور وہ کافی کھل کر ریحان سے باتیں کرنے لگی اس رات کافی دیر تک ریحان وہاں بیٹھا رہا اور نارا بھی وہیں رہی اس کو ریحان اپنا پروگرام بتاتا رہا اس کو نئے رسالے کا ڈیکلریشن مل چکا تھا اسے اسٹاف کے لیے قابل اور ادبی صلاحیت رکھنے والوں کی ضرورت تھی آپ میری مدد کریں گی وہ بڑے یقین سے اس سے پوچھنے لگا.......

ضرور...... ضرور...... نارا تو ریحان سے مل کر بے حد خوش تھی اس نے اس کو اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا ریحان نے اپنے رسالے کا افتتاح بڑے اہتمام سے کیا۔ نارا کی خوش نصیبی تھی کہ ریحان نے اسے اپنے رسالے کی معاون مدیرہ منتخب کیا اسے ریحان نے بہت بڑی خوشی دی تھی عزت دی تھی بہت بڑا اعزاز دیا تھا وہ تو خود کچھ نہ سمجھتی تھی اب وہ خود کو اہم سمجھنے لگی [illegible]

اسے شکیل کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ ملی رسالے کی اکثر ذمہ داریاں اس پر تھیں اور پھر ریحان اسے اچھی تنخواہ بھی دے رہا تھا وہ وہاں ملازمت کر رہی تھی بھلا کس طرح کوتاہی برتتی۔ یونیورسٹی سے وہ سیدھی دفتر چلی جاتی جہاں مسودوں کی کانٹ چھانٹ ڈاک کے جوابات اور پھر بہت سے کام اسے انجام دینے پڑتے۔

لائبریری میں اکثر ہفتوں جانے کی نوبت نہ آتی کیونکہ ریحان اس سے وقت پوچھ کر روز اپنی کار اسے لانے بھیج دیا کرتا تھا اور وہ کلاس سے نکل کر سیدھی کار میں بیٹھ کر دفتر آجاتی۔

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شکیل اس سے دفتر ہی ملنے چلا آیا کرتا۔ اس کی بے توجہی کا شکوہ لبوں پر لے کر ایک ذمہ دار کرسی پر بیٹھ کر اتنے سارے کاغذات کے انبار تلے دبے ہوئے اس وقت شکیل کو دیکھ کر نارا کے دل میں ذرا سی بھی محبت کا احساس نہ جاگا بلکہ وہ گھبرا گئی شکیل کو ہدایت کرنے لگی کہ وہ اس سے یہاں ملنے نہ آیا کرے حالانکہ اکثر دفتر میں لوگ اس سے ملنے آتے رہتے تھے اور وہ ہر ایک سے بات کرتی تھی لیکن صرف کام کی حد تک لیکن شکیل سے وہ ایک بات بھی نہ کر سکی وہ مایوس سا لوٹ گیا بڑے دکھ سے لہجے میں کہہ کر تم بدل گئی ہو۔۔۔۔۔۔

وہ چلا گیا لیکن اس کے جملے نارا کے کانوں میں گونجتے رہے تم بدل گئی ہو تم بدل گئی ہو۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا' سچ مچ اس کا دل شکیل کی طرف سے بدل گیا تھا۔ حقیقت تھی دل کو شکیل سے اتنی لگن کب رہی تھی وہ کم تر سا انسان اپنے اندر کچھ حیثیت نہ رکھتا اور نارا اس کا ستارہ عروج پر تھا ریحان نے اسے ذرے سے آفتاب بنا ڈالا تھا ریحان کا رسالہ صرف نارا کی وجہ سے ترقی کر رہا تھا نارا کی خوبصورت شاعری اور متاثر کن افسانے حد درجہ پسند کیے جاتے ہر بار تعریفی خطوط کا انبار لگ جاتا۔ اور اپنی تعریفیں پڑھ کر وہ فخر سے پھولی نہ سماتی ریحان تو اس سے بے حد خوش تھا۔

تمہیں پا کر تو میرے نصیب جاگ گئے ہیں۔ نارا.... وہ اس کی اتنی بھرپور تعریف کرتا اور نارا ہواؤں کے دوش بدوش اڑنے لگی۔

ریحان کے قریب رہتے ہوئے اس نے شکیل کو فراموش کر ڈالا اسے اب اپنی عقل مندی پر غصہ آنے لگا۔

بھلا شکیل بھی چاہے جانے کے قابل تھا اسے خود پر غصہ آنے لگتا وہ دل جو کبھی شکیل سے متاثر تھا اب ریحان پر آگیا تھا حالانکہ یہ محبت یکطرفہ تھی پھر بھی اس کا دل ریحان کی پرستش کیلئے تھا

رسالے کی ترقی کے لیے نارا دن رات محنت کر رہی تھی اب تو وہ ہفتوں یونیورسٹی بھی نہ جاتی دفتر کے ہی اسے کتنے کام انجام دینے پڑتے تھے کبھی سروے کرنے مختلف لوگوں کے پاس جا رہی ہے تو کبھی انٹرویو کے لیے مشہور و معروف لوگوں کے گھر جا رہی ہے ہر ادبی نشست میں اور تقریبات میں وہ رسالے کی مدیرہ کی حیثیت سے ریحان کے شانہ بشانہ موجود ہوتی ریحان تو اس کا کتنا ممنون تھا احسان مند تھا اکثر احسان اتارنے کی خاطر اس سے

لیے تحفے تحائف لے آتا اسے زبردستی اپنے ساتھ لنچ کے وقت ہوٹل لے جاتا ایک سے ایک ٹاپ کلاس ریسٹورنٹ میں وہ دونوں اکثر شام کی چائے پیتے ریحان کے ساتھ اس طرح گھومنا پھرنا اسے اچھا لگتا کیونکہ گھر والوں نے بھی نہ جانے کیا سوچ کر اسے اب ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی ریحان سے اس کی بے تکلفی دیکھ کر امی تو اعتراض کے بجائے سکون سا ہوتا ان کو محسوس ہوتا جیسے بس اب نارا کے نصیب کا ستارہ کھلنے والا ہے ریحان کی آہٹ پر ان کے کان لگے تھے یہ سب محسوس کرکے انھوں نے چندا کا رشتہ بھی ایک ڈاکٹر سے کر دیا تھا چندا کی منگنی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی گھر میں شادی کی تیاریاں بھی ہو رہی تھیں چندا کو جو نارا سے عمر میں بہت چھوٹی تھی جلد بیاہی جانے والی تھی اور نارا اس کی زندگی اب تک سنسان تھی لیکن اس کو اب ان باتوں کا احساس ہوتا تھا وہ تو بس آنکھیں کھولے ایک رنگین سپنا دیکھے جا رہی تھی اور یہ سپنے دیکھتے دیکھتے پوری عمر بتانے کے درپے تھی۔

ریحان مری گیا تو اس کے لیے بے حد خوبصورت کوٹ خرید لایا اتنا مہنگا اتنا خوبصورت تحفہ پا کر وہ گم سم سی ہو کر ریحان کو دیکھنے لگی وہ اس کے چہرے کو پڑھ گیا دیکھو اسے قبول کرنے میں تکلف نہ کرنا میں نے بڑی چاہت سے صرف اور صرف تمہارے لیے اسے لیا ہے اور جو چیز جس کا تصور ذہن میں بنا کر پہنچائی ہے وہ اس کے پاس ہی رکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

وہ لفظوں میں اپنی خوشی اور چاہت سب کا ذکر کر گیا اور اس پختہ عمر میں بھی نارا نا سمجھ بچی بن کر بہکنے لگی۔ سفید فراک کا خوبصورت سا کوٹ اس نے سردیوں کی آمد کے ساتھ پہنا تو اسے ایک عجیب سی راحت کا احساس ہوا اسے ریحان خرید کر لایا تھا اس کے ہاتھوں نے اسے چھوا تھا اسے آپ ہی آپ شرم آنے لگی۔ ان دنوں اس نے یونیورسٹی جانا بالکل بند کیا ہوا تھا شکیل کی طرف سے اس کے دل میں چور تھا پھر اس کا سامنا کرنا اسے اچھا نہ لگتا تھا اور پھر اب بقول ریحان کے اسے صحافت کی ڈگری کی کیا ضرورت تھی بغیر ڈگری کے وہ بہت قابل تھی کیونکہ نارا کے یونیورسٹی جانے کی وجہ سے دفتر کا کام ادھورا پڑا رہتا تھا اور اکثر رسالہ لیٹ ہو جاتا تھا کیونکہ ریحان کو اور بھی بہت سے کام دیکھنے پڑتے تھے اکثر وہ کام کی غرض سے دوسرے شہروں میں بھی جاتا رہتا تھا اس نے تو اپنا ماتحت نارا کو بنا ڈالا تھا وہ سارے کام کی نگراں تھی سب پر حکم چلاتی اس کے دفتر میں ہوتے ہوئے کوئی بھی غفلت نہ برت سکتا تھا۔

ان دنوں وہ بے حد مسرور اور مگن تھی دل میں آرزوؤں کا ایک سیلاب موجزن تھا اس کو محسوس ہوتا اس کی زندگی میں بس اب خوشیاں آنے والی ہیں اور ریحان کی عنایتیں رنگ لانے والی ہیں لیکن وہ دن کب آئے گا اس کے جذبات بری طرح ابل پڑنے ہوئے تھے لیکن ریحان اسے ساتھ لیے گھومتا پھرتا۔ بے تکلفی سے اس پیچھے

باتیں کرتا اسے بہترین ساتھی اور دوست تک عیاں نہ ہوا تھا چندا کی شادی کے ہنگاموں میں بھی وہ گھر سے دور رہی دفتر سے ایک دن کی چھٹی بھی نہ لی۔ حالانکہ ریحان نے خود اسے چھٹی کا کہا تھا لیکن وہ انکار کرگئی اس کی اس ذمہ داری پر ریحان خوش ہوگیا لیکن پھر مذاق کے طور پر کہنے لگا۔

سوچ لو۔۔۔ بدلے کے طور پر چندا بھی تمہاری شادی پر کام نہیں آئے گی۔

اونہہ۔۔۔ ہمیں اس بات کی پروا نہیں ہے۔ اس نے جھک کر کچھ شرماتے ہوئے کہا۔

چندا کی شادی پر بڑی رونق رہی چندا دلہن بنی بارات آئی بڑی چاؤ سے دولہا اسے رخصت کر کے لے گیا اور وہ اپنے مقام پر کھڑی رہی اس کی چھوٹی بہن ہر بات میں اس سے جیت گئی تھی شادی کی محفل میں بارہا اس کے کانوں نے یہ سنا کہ بڑی بہن کے ہوتے ہوئے چھوٹی کا بیاہ ہو گیا۔ باتوں کی گھٹن سے اس کا دل عجیب سا ہو گیا دل کی خواہشات ایک ہلچل سی مچانے لگیں وہ بھی دلہن بننا چاہتی تھی یہ ہر لڑکی کی طرح اس کی بھی فطری خواہش تھی۔

لیکن اپنے نزدیک یہ خواہش اسے اسوفی سی لگنے لگی جس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر وہ شدت سے پیاس محسوس کرنے لگی تھی۔

ان دنوں ریحان تقریباً ایک ماہ سے کراچی گیا تھا رسالہ بھی اس کی غیر موجودگی میں نارا نے ہی نکالا اس ماہ کا پرچہ کچھ زیادہ ہی مقبول ہوا تھا ریحان

آیا تو بے حد مسرور تھا نارا انعام کے طور پر چلو ہم تم کو کراچی کی مفت سیر کرواتے ہیں اس نے نارا کی محنت کا انعام دینا چاہا وہ کچھ خوش سی ہو گئی۔ اتنا کام کرتے کرتے تم تھک گئی ہو گی۔ پورے ایک ماہ تم کراچی رہنا پندرہ دن کے اندر اندر میری شادی بھی ہے جس میں تم شرکت کرو گی تو میری خوشی دوبالا ہو جائے گی اچانک اس نے یہ کہا کہ دیا تھا نارا کی دنیا تار تار ہو گئی وہ اسے انعام کے طور پر کتنی بڑی سزا دے رہا تھا اپنی شادی میں شرکت کرنے جا رہا تھا وہ اس کی خوشی کا ساں اپنے ٹوٹے پھوٹے برباد دل سے کیسے دیکھے گی کیسے دیکھی گی منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر وہ ریحان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی وہ اس کا کمرہ تھا اس کی اجازت کے بغیر وہاں کوئی اور نہیں آ سکتا تھا دل میں جو غبار تھا وہ اس وقت نکلنے کے درپے تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی روتے روتے اس نے دیکھے آگے بکھرے کتنے صفحات بھگو کر اپنی کی محنت کو آگ لگا رہی تھی لیکن اس وقت اس کو صرف اپنی پروا تھی اپنی قسمت سے گلہ تھا ریحان نے کب اس سے کوئی وعدہ وفا کیا تھا جو وہ اسے قصوروار ٹھہرائی۔ قصور تو سراسر صرف اپنے ہی دل کا تھا اس کا بے سکون دل پھر نئے سرے سے زخمی ہو گیا وہ گھر آئی تو بے حد اداس تھی رات اس نے آنکھوں میں بتا دی تو چاہے جانے کے قابل نہیں نارا اس کا دل مسلسل اس سے یہ بین کر رہا تھا لیکن مجھے بھی کسی نے چاہا تھا۔۔۔ شکیل۔۔۔ شکیل۔ وہ مفلس قلاش لائبریرین اسے

بے تحاشا پھر یاد آنا جس سے اس نے بے وفائی کی تھی اور اسے اس نے صرف اس لیے ٹھکرایا تھا وہ دولت مند نہ تھا لیکن وہ خود عمر بھر دولت سے کھیلتی آئی تھی اب خود وہ ہر ماہ چار ہزار روپیہ آسانی سے کما رہی تھی دولت نے اسے کون سا سکون دیا تھا۔

اب ٹھوکر کھانے کے بعد اس کا دل مستقل اس سے یہ کہہ رہا تھا دولت کچھ نہیں ہوتی۔

دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے لیکن دلی سکون دولت بھی میسر نہیں کرتی اسے سکون کی ضرورت تھی راحت کی ضرورت تھی محبت کی ضرورت تھی رات بھر میں اس کے دل نے ایک اہم فیصلہ کر لیا بغیر کسی سہارے کے زندگی کی راہیں کٹھن ہو جایا کرتی ہیں۔

اسے بھی ہم سفر کی ضرورت تھی اس نے اپنے دل میں شکیل کی بن جانے کا سوچ لیا شکیل کی چند دن کی رفاقت نے اسے کتنا سکون دیا تھا وہ اس سکون کو عمر بھر کو اپنی جھولی میں بھر لینا چاہتی تھی شکیل کی خاطر وہ اپنا راحت کدہ چھوڑ کر اس کے جھونپڑے میں بس جانے پر آمادہ تھی اس نے سوچ لیا وہ شکیل سے شادی کر کے اپنے گھر والوں سے بھی کنارہ کش ہو جائے گی تاکہ کسی قسم کا احساس اس کے دل میں نہ جاگ پڑے کہ وہ کسی سے کمتر ہے۔

صبح وہ دفتر جانے کی بجائے یونیورسٹی پہنچ گئی اور کلاس کا رخ کرنے کی بجائے وہ سیدھی لائبریری پہنچی لیکن وہاں شکیل نہ تھا اس کے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ چند دن کی رخصت پر ہے۔

کیوں۔ کیوں۔۔۔ یہ ابھرتا سوال اس کے دل میں آیا وہ بیمار نہ ہو۔۔۔ یہ خدشہ بھی اس کے دل میں جاگا وہ سست قدموں سے لائبریری سے باہر نکلی تو اس کے قدم آپ ہی آپ شکیل کے کوارٹر کی طرف بڑھنے لگے اس کا کوارٹر زیادہ دور نہ تھا لیکن تارا کو پیدل چلنے کی عادت کہاں تھی جب شکیل کی دہلیز پر پہنچی تو اس کے قدم بری طرح تھک چکے تھے پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

پھر اس کا دل ڈر رہا تھا اس نے کبھی شکیل کی توہین کی تھی نہ جانے شکیل کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہو؟ اسے ذلیل ہی نہ ہونا پڑے لیکن شکیل کے ہاتھوں اس وقت اسے ذلیل ہونا بھی گوارہ تھا شکیل کی موٹر سائیکل باہر کھڑی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اندر موجود ہے۔

کھٹ... کھٹ... کانپتے ہاتھوں سے وہ دروازے پر دستک دینے لگی دروازہ شکیل نے ہی کھولا اور پھر اس کے کمرے میں اور تھا بھی کون.........

اوہ۔۔۔ آپ... شکیل کے چہرے پر اس کو دیکھ کر تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے ادھ کھلے دروازے کے دونوں پٹ وا کر دیئے اور تارا کچھ بولنے سے قبل ہی خاموش ہو گئی کھلے دروازے میں تارا کو کمرے کا نظارہ بخوبی نظر آ رہا تھا شکیل کا وہی ہی اندھیرا اندھیرا کمرہ آج کتنا صاف ستھرا اور سجا سجایا تھا کونے میں پڑے چارپائی کی بجائے ڈبل بیڈ نظر آ رہا تھا جس کا بستر بھی ریشمی تھا پلنگ دلہن کی سیج کی طرح سجا ہوا تھا کمرے پر ایک نظر ڈالی۔

کر تارا سب کچھ سمجھ گئی اس پل اس کے دل پر تو ایک قیامت سی گزر گئی اسے شکستہ سا ہو گیا آیئے اندر تشریف لائیے شکیل بڑے مہذب انداز میں اس سے مخاطب تھا دل تو تارا کا اس وقت یہ چاہ رہا تھا کہ الٹے قدموں واپس لوٹ جائے اس کی آنکھوں میں اب یہ نظارہ دیکھنے کی تاب نہ رہی تھی لیکن وہ اپنی یہ کمزوری شکیل پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی دوسرے پل وہ سنبھل گئی۔

میں آپ کو شادی کی مبارک باد دینے آئی تھی اس نے شکیل سے اس طرح کہا کہ جیسے کبھی شکیل اور اس کا کوئی دلی تعلق نہ تھا اور شکیل کی شادی سے اس کو ذرا بھی صدمہ یا ملال نہ ہوا تھا۔

بڑی مہربانی ہے آپ کی۔۔ شکیل خوش اخلاقی سے بولا۔

اچھا میں پھر کبھی آؤں گی یہ کہہ کر وہ آہستہ سے چل دی جو کسی کا دل توڑتے ہیں وہ کب آباد ہوتے ہیں۔ اپنی ہی سوچیں اس کے دل کی ویرانی بڑھاتی جا رہی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے وہ سوچے جا رہی تھی۔ ٹیکسی والے کی آواز پر وہ چونک پڑی وہ اس سے کہاں اترنے کا پوچھ رہا تھا ذرا فاصلے پر اس کا گھر تھا وہ ٹیکسی سے اتر کر پورچ میں آئی تو ریحان کی نیلی کار کھڑی تھی اور اندر ڈرائنگ روم میں وہ بے چینی سے اس کا منتظر تھا وہ اسے بتائے بنا آج غائب ہو گئی تھی صبح سے ریحان مسلسل گھر پر فون کیے جا رہا تھا۔

آج ایک سیاست دان کی بیگم کا انٹرویو کرنے تارا کو جانا تھا۔ تین بجے کا اپوائنٹمنٹ تھا اور تارا ایک دم غائب تھی بے چارہ حد درجے گھبرائے ہوئے تھا جب وہ آئی تو اس کی جان میں جان آئی۔

کہاں غائب تھی تم۔ وہ بے صبری سے اس کے بیڈ روم میں چلا آیا۔

ایک عزیز دوست کو اس کی شادی کی مبارکباد دینے جانا تھا وہ ریحان سے سچ بولنے لگی۔

لیکن اب تم جلدی سے تیار ہو کر میرے ساتھ چلو ریحان اسے پروگرام کے بارے میں بتانے لگا تارا تو بے حد شکستہ دل تھی اس نے تو سوچا تھا گھر جا کر آنسوؤں کے ذریعے دل کا غبار نکال کر رہے گی لیکن اب ریحان کے سامنے وہ ایک آنسو بھی نہ نکال سکتی تھی اور نہ اس کے ہمراہ جانے سے انکار کر سکتی تھی آپ بیٹھئے میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔

صبح تبدیل کیا ہوا لباس اسے برا لگنے لگا تھا وہ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنے سفید سوٹ پر استری کرتے کرتے تارا پھر الجھ گئی۔ تو۔ کتنی نا سمجھ ہے تارا۔ اپنے آپ کو تنہا کیوں کہتی ہے۔ تیری کتنی مصروفیات ہیں۔ کتنا اونچا تیرا نام ہے کیا ان کے سہارے تم جی نہیں سکتیں۔ یہی سوچ اس کے دل کو تسکین پہنچانے لگی۔ میں صرف اور صرف اپنے لیے جیوں گی تیار ہوتے ہوئے اس کے دل نے کتنے عہد اپنے آپ کر لیے دل کے نگر میں شکیل اور ریحان کے بعد وہ کسی کا سایہ نہ ڈالنے کا عہد کر کے چہرے پر پر امید سی مسکراہٹ لیے جب ریحان کے ہمراہ کار میں بیٹھی تو بے حد پر سکون تھی۔

ریحان صاحب آپ مجھے ڈرائیونگ سکھا دیں نا۔

اب زندگی کا ہر سفر میں تنہا طے کرنا چاہتی ہوں۔ اسے ریحان کا یہ عارضی سا ساتھ بھی گوارا نہ تھا۔ ضرور...... ریحان نے اس سے وعدہ کر کے اسے ایک عجیب سی راحت میں مبتلا کر ڈالا سکون

ت اس نے اپنا تھکا تھکا سر سیٹ کی پشت پر ٹیک دیا آنکھوں میں آئے دکھ کے آنسو آپ ہی آپ خشک ہو گئے ویرانی دل کو اب قرار سا آگیا۔

صرف ایک رات

تحریر۔ امتیاز خانم

کچھ عرصے کی بات ہے میرے ابو کا تبادلہ لاہور سے رحیم یار خان ہوا۔ ہم سب بہت اداس نظر آرہے تھے۔ میں اپنی چھت پر تھی سامنے والے گھر کی چھت پر ایک لڑکی نظر آئی ایسے ہی کمزور سی پیاری سی خوبصورت آنکھوں والی کوئی بھی عورت کسی دوسری عورت کی تعریف نہیں کرتی۔

مگر وہ تھی ہی تعریف کے لائق اس طرح وہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہم اسے اسی طرح چھت پر دیکھتے۔ اِدھر سے اُدھر جاتے ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ کسی کے انتظار میں ہے۔

وہ چھت پر جا بجا گھومتی نظر آتی صبح سے لے کر شام تک تیرا انتظار کیا۔ مگر تو نہ آیا

ایک دن اتفاق سے امی کہنے لگی!

رابعہ تیار ہو جاؤ سامنے والوں کے گھر چلتے ہیں جب ہی ہم ان کے گھر گئے تو وہ لوگ بہت زیادہ خوش ہوئے۔

ہم نے اپنا تعارف کرایا اور انہوں نے اپنے بارے میں بتایا۔ اسی طرح سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ کبھی ہمارے ہاں آجاتی۔ کبھی میں ان کے ہاں چلی جاتی۔ عموماً دیکھنے میں آیا۔ لڑکیاں اتنی چست چالاک ہوتی ہیں۔ مگر وہ لڑکی تمام لڑکیوں کی نسبت بہت مختلف تھی۔ ہمیشہ اداس اور خاموش نظر آتی تھی۔

میں نے کافی کوشش کی کہ اس سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھوں مگر وہ ہمیشہ کسی طرح ٹال دیتی!

اسی دوران ہمیں لاہور اپنے کزن کی شادی پر جانا پڑ گیا اور پھر ہم لوگ لاہور چلے گئے۔ تقریباً ہمیں ایک ماہ لگ گیا۔ جب ہم لوگ واپس آئے ایک دو دن ہم نے آرام کیا۔

پھر ایک دن میں گھر کی صفائی کر رہی تھی کہ سامنے والے گھر کے دروازے کے سامنے کافی موٹر سائیکل وغیرہ کھڑی تھیں۔

ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے خیر وہ ان کے گھر آئے مہمان! پھر پتہ چلا ان کی لڑکی ثوبیہ باجی جو تین ہفتے بیمار ہے دوسرے دن جب میں ان کے گھر گئی!

وہ ایک کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن سے جب میں نے پوچھا۔

اس نے تو اندر ہی ثوبیہ باجی، رابعہ باجی آئی ہے۔

ثوبیہ نے کہا۔

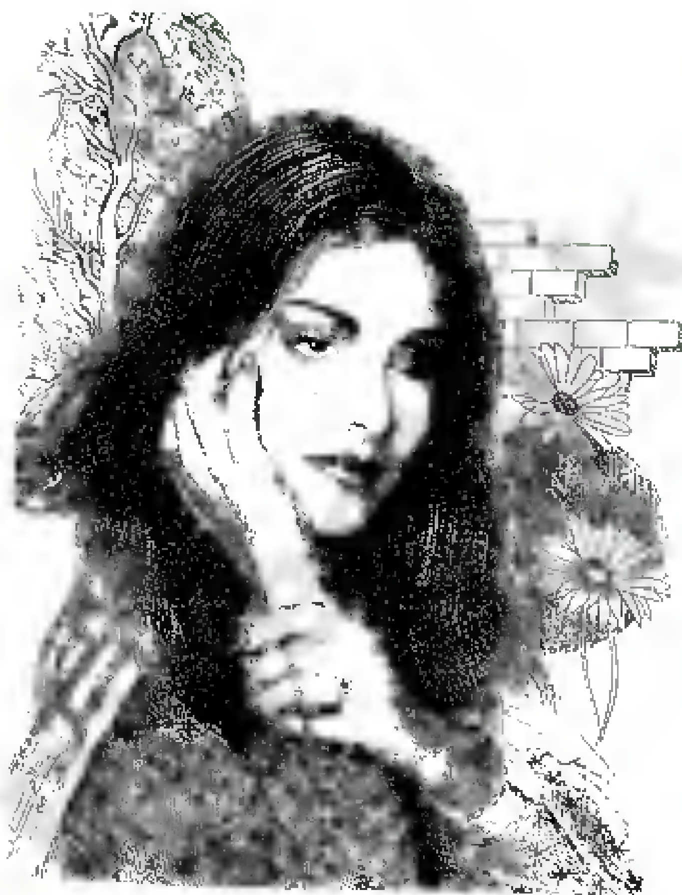
میں خود اس کے پاس چلی گئی جیسے ہی میں اس کے پاس کمرے میں گئی تو اس نے سفید رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی سفید گلاب کا پھول۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ثوبیہ باجی نے بتایا!

رابعہ میں اتنی بیمار تھی تمہیں پتہ نہیں چلا۔

میں نے کہا

ثوبیہ باجی میں لاہور گئی تھی۔ مجھے تو کل ہی پتہ چلا اور آج میں آگئی!



انہوں نے میرے لئے چائے منگوائی

پھر کافی دیر تک باتیں کرتی رہی اس دن مجھے بھی

موقع مل گیا۔

آج میں بھی ان سے دل کی حالت پوچھوں مگر پھر وہ

ٹال گئی!

لیکن میں نے بہت اصرار کیا ثوبیہ باجی کہنے لگی۔

رابعہ کوئی بھی میرے دل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا میں اندر ہی

اندر گھٹ گھٹ کے رو رہی ہوں۔

رابعہ ثوبیہ باجی آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ اتنی اداس

کیوں نظر آتی ہیں؟

ثوبیہ بولی! رابعہ ابھی مجھے پتہ چلا ہے کہ میں

کینسر کی مریض ہو گئی ہوں۔

ثوبیہ نے کہا۔ رابعہ تم سننا چاہتی ہو۔ تو سنو! رابعہ!

ابھی آپ لوگ یہاں نہیں آئے تھے۔ کافی عرصہ کی بات ہے! میری پھوپھو کراچی رہتی تھی۔

ان کے دو لڑکے سہیل اور عامر بڑے پیارے اور لائق محنتی قسم کے لڑکے تھے۔

بڑا والا سہیل جس کے ساتھ میری منگنی بچپن سے ہوئی تھی۔ میری پھوپھو میرے ساتھ بہت پیار کرتی تھی۔

ایک دن فون آیا پھوپھو آرہی ہیں۔ دوسرے دن ابو اسٹیشن پر پھوپھو کو لینے گئے مگر وہ نہ آئیں!

جب ابو واپس آئے تو اکیلے تھے۔ پھوپھو ساتھ نہ تھیں ہم نے کہا ابو پھوپھو کہاں ہے۔

ابو نے کہا بیٹا میں نے تمام گاڑی دیکھ ڈالی۔ مگر تمہاری پھوپھو نہیں نظر نہیں آئیں۔

اس طرح ہر کوئی پریشان ہو گیا۔ شام ہونے کو تھی۔

فون کی گھنٹی بجی۔

میں نے فون اٹھایا!

فون پر میرے پھوپھا تھے۔ انہوں نے کہا بیٹا اپنے ابو کو بلاؤ۔

میں نے ابو کو آواز دی۔

ابو آئے!

پھوپھا نے بتایا کل رات سہیل اپنی امی کو اسٹیشن چھوڑنے آرہا تھا۔ نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کر دی۔

جس سے سہیل کی حالت بہت خراب ہے۔ آپ لوگ فوراً آجایئے۔

ابو نے کہا ہم لوگ ابھی آرہے ہیں۔

ابو نے امی کو بتایا تو امی ابو جانے کے لئے ابھی تیار ہو ہی رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے فون آیا۔ سہیل ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

امی ابو تو اس وقت چلے گئے۔ لیکن زخم تو میرے لئے نیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے پوری دنیا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ رابعہ۔

ثوبیہ ایک دم خاموش ہو گئی!

رابعہ نے کہا!

ثوبیہ باجی آپ کی شادی کس کے ساتھ ہوئی ثوبیہ نے بتایا! سہیل کی وفات کو تین سال گزر گئے۔ میرے گھر والوں نے سوچا اب ہم عامر کے لئے کس طرح بات کریں۔ انہیں دنوں اچانک پھوپھو ہمارے پاس آگئیں۔ کافی دن رہیں۔ ابو نے موقع دیکھ کر بات کی۔ آپا! اب اگر ثوبیہ اور عامر کی منگنی کر دیں۔

پھوپھو نے کہا بھائی مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ایسا معلوم ہو گا جیسے پھوپھو مجبوری کے طور پر کر رہی ہو۔

اسی طرح ہمارے دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی۔ پھر ڈھولک بجی مہندی لگی۔

میں دلہن بن کر کراچی آ گئی۔

جیسے ہی مجھے سسرال والے کمرے میں لے جایا گیا تو میں وہاں جا کر اپنا تمام دکھ بھول گئی۔

عامر کمرے میں داخل ہوئے وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا۔ ثوبیہ مجھے معلوم ہے تم اندر سے ٹوٹی ہوئی ہو۔ لیکن یہ سب قسمت کی بات ہے۔

اب تم میری بیوی ہو اب تم پر کوئی آنچ آنے نہیں دوں گا۔

ثوبیہ نے کہا! واقعی رابعہ وہی بات!

وہ مجھ سے اتنا پیار کرتا میں تمہیں اپنے الفاظ میں بتا نہیں سکتی۔ جب وہ صبح دفتر جاتا۔ میرا چہرہ دیکھ کر جاتا۔ اس کے بغیر میں سارا دن اس طرح گزارتی جیسے وہ صدیوں سے مجھ سے دور ہو۔

میں صبح سے شام کا انتظار کرتی۔ جب شام ہوتی عامر آتے ہم بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کرتے۔

ہر روز اسی طرح ہوتا۔ بے چینی میں سارا دن

گزرتا۔ یہاں تک رحیم یار خان سے فون پہ فون آتا۔ ثوبیہ آکر ہمیں مل جاؤ۔

مگر عامر میرے بغیر ایک دن تو کیا ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے چھوڑ کر آنے کو میرا بھی دل نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح چھ ماہ گزر گئے۔ اور امید سے ہوئی سب کو بہت خوشی ہوئی۔ عامر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

وہ پہلے سے بھی زیادہ میرا خیال رکھنے لگا۔ میں اپنے آپ کو اس طرح محسوس کرتی جیسے آسمانوں سے کوئی حور اتر آئی ہو!

ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے۔ ایک دن اچانک فرش سے میرا پاؤں پھسل گیا۔ میں گر گئی جس سے مجھے چوٹ بھی آئی اور میں بیمار بھی ہو گئی۔ جس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں عامر کو چاند سے پھول نہ دے سکی۔

مگر عامر نے اپنا حوصلہ بلند رکھا۔ میری اتنی خدمت کی۔ اس نے مجھے پھولوں کی طرح رکھا۔ مجھے بھی کسی طرح صبر آ گیا۔ اللہ کی مرضی اسی میں تھی۔ اللہ ہمیں اور دے گا۔

لیکن مجھے چھوڑ کر دوسرے دن بدن تنگ ہو ناچار یا تھا۔ عامر مجھے محسوس نہ ہونے دیتا۔ کچھ ہفتوں بعد میں ٹھیک ہو گئی۔

پھر ایک دن رحیم یار خان سے فون آیا۔ امی نے کہا! ثوبیہ تم اور عامر کچھ دنوں کے لئے یہاں آجاؤ۔

میں اور عامر رحیم یار خان آگئے۔ چند دن رہے۔ ایسا محسوس ہوا۔ جیسے ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہوں۔ جو انسان کو اپنے گھر آزادی ہوتی ہے۔ اکٹھے اٹھنا بیٹھنا۔ وہ والدین کے گھر کہاں۔

ایک ہفتے کے بعد ہم لوگ واپس چلے آئے۔ پھر وہی ہم صبح سے شام کا انتظار کرتا۔ کب عامر دفتر سے آئے! ہم بیٹھ کر باتیں کریں۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں عامر نے کہا! ثوبیہ اگر ہم دونوں میں سے کوئی مر جائے تو زندگی کس طرح گزرے گی۔ میں نے فوراً کہا۔ عامر ہم اکٹھے مریں گے۔ عامر ہنس پڑا۔

کچھ دن گزر گئے عامر کے دفتر کا ہیڈ آفیسر کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اس کا یہاں اپنا کوئی نہ تھا۔ تو اس کی خدمت کرتا رہا۔ رات دفتر کا ایک آدمی اس کے پاس رہتا۔

آج جمعرات کا دن تھا۔ عامر کی باری تھی۔ جمعرات کی رات ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں گزارنے کرتے رہے۔ اچانک عامر نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اونچی آواز میں بولا!

یار بڑا ٹائم ہو گیا ہے۔ میں نے وہاں پہنچنا ہے۔ میں نے بڑی ضد کی عامر میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی!

عامر کہنے لگا!

ثوبیہ پاگل ہو گئی ہو۔ رات ہسپتال میں کس طرح گزارو گی۔ میں امی کو کہہ جاتا ہوں تمہارے پاس سو جائے گی۔

میں نے بڑی ضد کی عامر کہنے لگا۔ پلیز ثوبیہ میرے بغیر صرف ایک رات صرف ایک رات۔

ہمارے شادی کا پہلا ہی سال تھا۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر رہ رہے تھے۔

یہ کہتے ہوئے عامر نے موٹر سائیکل گیٹ سے باہر نکالنے لگا۔ میں گیٹ میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا۔ اسے دیکھتی جاؤں۔

مگر وہ موٹر سائیکل سٹارٹ کرتے ہوئے ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔

ثوبیہ پلیز میرے بغیر صرف ایک رات ایک رات کی تو بات ہے!

اسی طرح موٹر سائیکل دور دھواں چھوڑتی ہوئی میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ عجیب سی بے چینی سی تھی

نی ہے۔ چند قدم چلنے دل گھبرا جاتا ہے۔ بستر پر لیٹتی تو نیند بھی نہ آتی۔

سمجھ نہ آئے میں کیا کروں۔ کبھی کمرے سے باہر آجاؤں۔ کبھی کمرے میں جاؤں۔ وہ بھی رات بھی نہیں گزر رہی تھی۔

اچانک فون کی بیل ہوئی میں نے بھاگ کر فون پکڑا۔ سوچا عامر کا فون ہو گا مگر کسی دوسرے شخص کا فون تھا۔ اس نے کہا۔

یہ عامر کا گھر ہے۔ میں نے کہا ہاں عامر کا گھر ہے۔

کیوں؟

اس نے کہا عامر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کے دماغ پر چوٹ لگنے سے وہ انتقال کر گیا ہے۔ یہ لفظ سنتے ہی میری چیخ نکل گئی!

پھوپھو اور پھوپھا اپنے کمرے سے بھاگ کر آئے۔ مجھے کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ پھوپھا نے ریسیور پکڑا۔ اس آدمی سے بات کی۔ دوسرے دن صبح 5 بجے لاش گھر آگئی۔ میرا دل اس طرح تھا جیسے پھٹ جائے گا۔

ابھی عامر کی لاش میرے سامنے پڑی تھی۔ میری پھوپھو نے کہنا شروع کر دیا۔

یہ تو ہے ہی منحوس، میرے دونوں بیٹوں کو نگل گئی۔

اس دن میری یہ حالت تھی۔ میں بھی عامر کے ساتھ مر جاؤں گی۔ مگر مجھے موت کہاں! اسی طرح دن گزرنے لگے عامر میرے ساتھ ایک رات کا وعدہ کر کے نہ لوٹا اس کے بغیر میرے دن قیامت کے دن گزرنے۔

عامر کا چہلم تھا۔ میرے امی ابو بھی آئے۔ دوسرے دن میری پھوپھو نے ابو سے کہا۔

اس منحوس کو میرے گھر سے لے جاؤ۔ اس کے لئے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ مجھے اس وقت بھی کسی انتظار تھا۔ عامر آئے۔ رات گھر آنے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔ امی ابو مجھے گھر واپس لے آئے۔

مگر وہ 13 ماہ میرے لئے اس طرح تھے۔ جیسے میں نے پوری زندگی عامر کے ساتھ گزاری ہو وابستہ! اب عامر کی وفات کو 12 سال ہو گئے۔ مگر عامر کو ایک دن بھی نہیں بھول سکی۔ یہی امید ہے عامر آئے گا ضرور۔ وہ وعدہ کر کے گیا ہے۔

ثوبیہ کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔

میں نے اسے حوصلہ دیا۔

ثوبیہ باجی۔ پلیز آپ روئیے نہیں۔ آپ پہلے ہی بیمار ہیں۔

ثوبیہ نے کہا۔ معلوم نہیں مجھے کب موت آئے گی۔

اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آگئی۔ جانیں اس کی بات کو ایک منٹ بھی نہیں بھول پائی۔

اللہ کی قدرت ہے اللہ تعالیٰ انسان کو سکھ بھی دیتا ہے اور دکھ بھی مگر اس نے انسان کو اتنا حوصلہ دیا ہے کہ وہ ہر دکھ کو برداشت کر لیتا ہے۔

میں تو بس اتنا کہوں گی کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص منحوس نہیں ہوتا۔ ہر بات نصیب پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی کا نصیب اچھا اور کسی کا برا۔

میں تو کہوں گی۔ نہ کسی کی بیٹی منحوس ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا منحوس ہے۔ تو اس دنیا کی زبان جو کر کسی کے دکھ کو نہیں سمجھتی۔ اگر سمجھتی ہے تو بس دنیا صرف اپنے ہی مفاد کو!

میرے نزدیک اس دنیا کا عظیم انسان وہ ہے۔ جو کہ سب کے دکھوں کو اپنی جھولی میں سمیٹ لے اور اپنی خوشیاں دوسروں پر نچھاور کر دے۔

ثوبیہ باجی کو کبھی عامر بھلائے نہیں بھولتا۔ بس اس دنیا کا دستور ہے۔



تیرا دیس چھوڑ چلے

تحریر...... رانا جی

فیروز سات سال کی عمر میں والدین جیسے عظیم رشتوں سے محروم ہو گیا۔ اس کے والدین راولپنڈی شادی میں شریک کی غرض سے جا رہے تھے، کہ راستے میں ان کی گاڑی ایک ٹرک سے ٹکرا گئی اور وہ موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئے۔

فیروز کے والدین کی وفات کے بعد فیروز کے انکل جبار اسے اپنے گھر لے آئے۔ اور اس کی باپ بن کر پرورش شروع کر دی۔ اور اسے باپ کی کمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ یہاں پر مسرت و شادماں تھا سب سے بڑھ کر فری کی قربت میں وہ غموں اور پریشانیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جسکو وہ زندگی سے بڑھ کر چاہتا تھا۔ فری اس کی کزن تھی۔ اور والدین کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی۔ اور اسی سے ان کی تمام امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ فری کو اس قدر چاہتے تھے کہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات پل بھر میں پوری کر دی جاتی۔ فری بھی والدین کا بہت احترام کرتی تھی۔

ملک جبار اور آمنہ بیگم کی خواہش تھی کہ اللہ تعالٰی انھیں نرینہ اولاد سے نوازے مگر لاکھ علاج معالجے اور تعویذ گنڈوں کے باوجود ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی تھی۔ آمنہ بیگم نے کئی بار اپنے میاں ملک جبار سے کہا کہ وہ دوسری شادی کر لیں شاید ان کی یہ خواہش خدا پوری کر دے۔ مگر ملک جبار نے دوسری شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے اگر خدا نے بیٹے سے نوازنا ہوتا تو اسی بیوی سے نواز دیتا۔ جب خدا کو منظور ہی نہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آمنہ بیگم پر سوکن اور فری پر سوتیلی ماں کا سایہ تک نہیں پڑنا دینا چاہتے تھے۔ اور اب تو ویسے بھی وہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے تھے، کہ جب انسان بوڑھا کہلانے لگتا ہے۔ اب تو کل کائنات فری ہی تھی۔

ملک جبار شہر کے ایک بڑے بزنس مین تھے۔ اور اس میں فیروز کا برابر کا حصہ تھا۔ کیونکہ ملک جبار اور ملک فیروز دونوں مل کر شراکت میں کاروبار کرتے تھے۔ اور فیروز کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ اس لیئے والدین کی وفات کے بعد وہ اپنے باپ کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا۔

فیروز ایف ایس سی سال دوم میں پڑھ رہا تھا۔ جبکہ فری فرسٹ ایئر میں تھی۔ فیروز ہر کلاس میں فرسٹ پوزیشن میں پاس ہوتا چلا آ رہا تھا۔ اور ہر کلاس میں فرسٹ پرائز لیتا تھا۔ اس کی ذہانت کا سب سٹوڈنٹس اعتراف کرتے تھے۔



فری نے ہر کلاس میں ہر ممکن کوشش کی۔ کہ وہ کسی طرح کسی کلاس میں تو فیروز سے زیادہ مارکس لے کر اس کے ریکارڈ کو توڑ دے۔ مگر دن رات کی محنت کے باوجود وہ اس قدر مارکس حاصل نہ کر پاتی۔

اس کا خیال تھا کہ فیروز ٹیچرز کو رشوت دیکر مارکس بڑھوا لیتا ہے۔ اور خوامخواہ اپنی ذہانت کا رعب دوسروں پر ڈالتا رہتا ہے۔ لیکن میٹرک کے اگزام میں اسے دلی طور پر اس کی ذہانت کا اعتراف کرنا پڑا

تھا۔ کیونکہ یہ بورڈ کا اگزام تھا۔ اور یہاں رشوت سے کام چلانے کے بہت کم چانس تھے۔

میٹرک میں فیروز نے پورے سکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ بہترین کارکردگی پر تمام اساتذہ نے اسے خصوصی طور پر مبارکباد دی تھی۔ سکول ہیڈ ماسٹر صاحب نے فیروز کو سکول کا ذہین و فطین طالب علم قرار دیا تھا۔ اور اس خوشی میں ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے علامہ اقبال کی تصانیف کے ساتھ اعزازی تحفے سے بھی نوازا تھا جو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔

اس دن جب وہ خوشی خوشی گھر آیا تو وہ گھر میں آتے ہی زور زور سے فری کو پکارنے لگا۔ اس سے یہ بے پایاں خوشی قابو میں نہیں آرہی تھی۔ بڑی مشکل سے فری اسے کمرے میں مل گئی۔ اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اسے اپنے گرد کئی چکر دے ڈالے۔

"فیروز... یہ کیا بدتمیزی ہے"۔ فری نے چلا کر کہا۔

"فری آج میں بہت خوش ہوں۔ جی کرتا ہے ہواؤں میں اڑتا پھروں"۔

"مگر ایسی بھی کیا خوشی ہے" فری نے فیروز کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس لئے کہ میں پورے سکول میں میٹرک میں نے سب سے زیادہ مارکس لیے ہیں"۔ فیروز نے فرط مسرت میں کہا۔

"مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم فرسٹ آئے ہو" فری کو اس کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ دراصل وہ جان بوجھ کر اسے ستانا چاہتی تھی۔

"یہ دیکھو' آنکھیں کھول کر' یہ آج کا اخبار ہے۔ یہ میری تصویر لگی ہے جس کے نیچے لکھا ہوا ہے کہ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر2 کے فیروز نے میٹرک میں سب سے زیادہ مارکس لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی ہے"۔ فیروز نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پڑھا۔

"فیروز کے بچے! تم نے تو کمال کر دیا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم میٹرک کے بورڈ کے اگزام میں اپنی سابقہ پرفارمنس کھو دو گے۔ مگر تم نے میری سوچ کے برعکس اپنے سابقہ ریکارڈ کو بھی برقرار رکھا۔ بلکہ اس بار تو تم نے پہلے سے بھی زیادہ مارکس حاصل کئے ہیں۔ خیر تم اچھی پرفارمنس میں رہے مگر میرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ اگلے سال میرا بھی میٹرک کا اگزام ہے پھر دیکھنا تم سے زیادہ مارکس نہ لوں تو میرا نام بدل دینا" فری نے فیروز کو چیلنج کرتے ہوئے متکبر لہجے میں کہا۔

"یہ منہ اور مسور کی دال...!" یہ کہہ کر فیروز کمرے سے تقریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا کیونکہ فری اسے مارنے کو دوڑی تھی۔

فری کئی دنوں سے فیروز کے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ وہ میٹرک میں امتیازی پوزیشن میں کامیابی کی خوشی میں اسے کوئی خوبصورت گفٹ دے۔ جبکہ فیروز ابھی سوچ رہا تھا کہ گفٹ میں اسے کیا چیز دے۔ کئی روز تک فیروز اسی کشمکش اور تذبذب میں مبتلا رہا۔ آخر اسے ایک چیز پسند آہی گئی۔

اس نے صرافہ بازار سے ایک خوبصورت

انگوٹھی خریدی۔ جس میں کئی رنگ کے خوبصورت نگینے جڑے ہوئے تھے۔ اور نگینوں سے یکے بعد دیگرے کئی رنگ آشکار ہوتے تھے۔ انگوٹھی پیک کروانے کے بعد وہ اسے گھر لے آیا۔ فری اپنے کمرے میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اچانک اپنے کمرے میں قدموں کی چاپ سن کر چونک گئی۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے فیروز ہونٹوں پر مسکان سجائے بڑی محبت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آیئے آیئے فیروز کمرے کیوں ہو بیٹھونا"۔ فری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور فری کی پیشکش پر وہ مسکراتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ کچھ لمحے کمرے میں گہرا سکوت رہا پھر اس سکوت کو فری نے ہی توڑا۔

"آج جناب ضرورت سے زیادہ ہی خوش نظر آرہے ہیں" فری نے کتاب ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو" فیروز نے کہا۔

"اچھا تو ہاتھ میں کیا چیز دبا رکھی ہے" وہ براؤن کلر کا ننھا سا پیکٹ جو فیروز نے اپنے تئیں فری سے چھپا رکھا تھا۔ مگر فری نے دیکھ لیا تھا۔

"یہ .... یہ آپ کی امانت ہے میری طرف سے حقیر سا گفٹ! فری کے پیکٹ دیکھ لینے پر وہ کچھ ندامت سی محسوس کرنے لگا تھا۔ شاید وہ کسی اور مناسب موقعہ پر وہ گفٹ دینا چاہتا تھا"۔

"ادھر ہاتھ کرو" فیروز نے کہا اور فری نے فوراً" ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ فیروز نے اس کا نرم و ملائم ہاتھ پکڑ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے ڈبیا کھولی۔ اور چم چم کرتی انگوٹھی باہر نکال لی۔ نگینوں کی شعاعیں فری کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ فیروز نے فری کی مخروطی انگلیوں کا جائزہ لیا۔ اور ایک انگلی میں وہ انگوٹھی پہنا دی۔ فری کے ہونٹوں پر مسکان نے کروٹ لی۔ اور اس نے دیوانہ وار انگوٹھی کو کئی بار چوم ڈالا۔

"ارے تم نے تو ایسے انگوٹھی پہنائی ہے جیسے تم سے میری منگنی ہو رہی ہے" فری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جن کی نسبتیں بچپن میں طے ہو جائیں ان کی بار بار منگنی نہیں ہوا کرتی۔ ویسے تم اسے کوئی سا بھی نام دے سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں" فیروز نے متانت سے کہا۔ اس سے پہلے کہ فری اس کی بات کا جواب دیتی۔ آنٹی آمنہ کمرے میں آ گئیں اور ان کی اچھی بھلی باتوں کا ستیاناس کر دیا۔

فری دن رات کتابوں کے مطالعے میں محو نظر آتی۔ وہ ہر حال میں فیروز سے زیادہ مارکس لے کر اس کا میٹرک کا ریکارڈ توڑنا چاہتی تھی۔ یوں تو وہ ہر کلاس میں خوب محنت کرتی تھی۔ مگر دن رات کی محنت اور مطالعے کے باوجود وہ بڑی مشکل سے دوسری پوزیشن حاصل کر پاتی تھی۔ جبکہ فیروز تو پورے سکول میں ٹاپ کرتا تھا۔

فری جس انداز میں اس مرتبہ امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ اسے پوری امید تھی۔ کہ اس مرتبہ وہ فیروز کا ریکارڈ توڑنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی اس لئے اس نے غیر نصابی پروگرام مس کر رکھے تھے۔ وہ ہر ہفتے بازار شاپنگ کرنے ضرور جاتی تھی مگر اب تو اسے شاپنگ کئے ہوئے بھی کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ اور اس نے فرینڈز سے بھی ملنا جلنا ترک کر رکھا تھا۔

فیروز اب سکول کی فضا سے نکل کر کالج کے ماحول میں رچ بس گیا تھا۔ وہ ایف ایس سی کے سال اول میں تھا۔ اور حسب معمول اگزام کی بھرپور تیاری کر رہا تھا۔

فری اگزام سے فارغ ہو چکی تھی۔ اور رزلٹ آؤٹ ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ خدا سے فیروز کا ریکارڈ توڑنے کی دعائیں بھی مانگتی رہتی تھی۔ مگر شاید اس کی دعائیں قبول نہ ہو سکیں۔ رزلٹ آیا تو وہ فیروز جتنے مارکس لینے میں بری طرح ناکام رہی تھی۔ وہ کلاس میں دوسرے نمبر پر رہی تھی۔

فری جب گزٹ سے اپنے مارکس دیکھ کر گھر لوٹی تو وہ کچھ نڈھال اور کچھ شرمندہ شرمندہ سی تھی۔ فیروز چونکہ گزٹ پر اس کے مارکس دیکھ چکا تھا۔ اس لئے وہ اس کے بجھے بجھے اور لٹکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔

فری آج کے دن فیروز کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی مگر ایسا ممکن نہ تھا۔ ایک ہی گھر اور ایک صحن میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے سامنا نہ ہو یہ ممکن نہ تھا۔ اور فیروز تو گڑے مردے اکھاڑنے والا تھا۔ فری نے اپنے آپ کو مقید کر لیا تھا۔ اور کمرے میں فیروز کے نہ آنے کی دعائیں مانگتی رہی۔ مگر ابھی اسے اپنے کمرے میں آئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ فیروز بھی وہیں آ دھمکا۔ اور اسے دیکھ کر اس کی جبیں عرق آلود ہو گئی۔ وہ آتے ہی گویا ہوا۔

اوے محترمہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے تم اچھے خاصے نمبروں سے کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہو۔ پھر یہ اداسی، بے چینی اور پریشانی کیسی؟ ہاں مجھے خود افسوس ہے کہ تم میرے جتنے مارکس نہ لے سکیں۔ اور میرا ریکارڈ توڑنے میں ناکام رہی۔ خیر چھوڑیئے! چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل برداشتہ نہیں ہوا جاتا۔ ہو سکتا ہے تم اگلی بار مجھ سے بھی زیادہ مارکس لے لو۔ اور اب غصہ تھوکو اور پاس ہونے کی خوشی میں منہ میٹھا کراؤ"۔ فیروز نے دائیں ہاتھ سے اس کے جھکے ہوئے سر کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ مگر اس کے باوجود ادھر خاموشی چھائی رہی۔ شاید اس نے ابھی تک غصے اور شرمندگی کے غبار کو نہیں نکالا تھا۔

"اوے محترمہ! اب غصہ تھوک بھی دو۔ یہ لٹکا ہوا چہرہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھا رہا۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو"۔ اور فیروز کی یہ بات اپنا کام کر گئی۔ فری کے ہونٹوں پر تبسم کھلنے لگا۔

"شکر ہے۔ کفر ٹوٹا ورنہ....."

"تم خوشیاں مناتے اور مجھ پر طنز کرتے، نشتر لگاتے"۔ فری فیروز کی بات کاٹتے ہوئے پرطیش لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

"فری! تم ہوش میں تو ہو۔ یہ ایک دم تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس خوشی کے موقع پر تم۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے فری۔ اگر میری وجہ سے تمہیں کوئی ٹھیس پہنچی ہے تو مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا"۔ فیروز نے بڑی عاجزی و انکساری سے کہا۔

"اوے فیروز تم تو واقعی سیریس ہو گئے"۔

فری نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو تمہیں ستانے کے لئے یہ ناٹک کیا ہے۔ کون بدبخت اس خوشی کے موقعہ پر ناخوش ہو سکتا ہے"۔ فری نے فیروز کے حیرت زدہ چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا چھوڑیے اس فضول بحث کو یہ بتاؤ تم اس خوشی میں کون سا تحفہ لینا پسند کرو گے"۔

"پہلے وعدہ کرو تم۔ کہ جو مانگوں گا تم دو گی"۔

"ٹھیک ہے بشرطیکہ وہ چیز میری دسترس میں ہو"۔

"تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو"۔

"دیکھو فیروز! اس وقت مذاق کا بالکل موڈ نہیں۔ سیریس بتاؤ"۔ فری سنجیدہ ہو گئی۔

"دیکھو فری خدا کی قسم میں نے یہ مذاق نہیں کیا"۔ اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"تم باز نہیں آؤ گے۔ ہر وقت مذاق، اگر گفٹ نہیں لینا تو نہ لیجیے"۔ اس نے خفگی سے کہا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ارے تم کہاں چلیں۔ بیٹھو تو سہی"۔ اور فیروز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔ کچھ ساعتیں سکوت کی نذر ہو گئیں۔ پھر اس سکوت کو فیروز نے ہی توڑا۔

.... "فری! میں نے کہا تو وہ بھی ٹھیک تھا۔ تم اسے مذاق سمجھو تو تمہاری مرضی۔ تم جو چاہو گفٹ کر سکتی ہو۔ مجھے منظور ہو گا"۔ اور وہ وہاں سے اٹھ آیا۔

فری نے فیروز کے لئے ایک خوبصورت لاکٹ خریدا اور گھر لے آئی۔

"مے آئی کم ان فیروز؟" دروازے پر فری کی آواز سن کر فیروز چونک گیا۔ جانے وہ کن خیالوں کی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اور خیالات کی اس لڑی کا ٹوٹنا اس پر ناگوار گزرا تھا۔ وہ اس وقت کسی کی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔

"نو"۔ فیروز نے متانت سے کہا۔

"لیکن میں آ رہی ہوں" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اندر گھس آئی۔

"اگر تمہیں آنا ہی تھا تو پھر اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ فیروز نے خفگی سے کہا"۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں آئندہ تمہارے کمرے میں قدم نہیں رکھوں گی" فری نے فیروز کو ناراض دیکھا تو جانے کے لئے چل دی۔ فیروز کو فری کا ناراض ہونا بھی گوارا نہ تھا۔

"اوہو تم تو ناراض ہو گئیں ارے بابا میں تو مذاق کر رہا تھا آئی ایم ویری سوری!" یہ کہہ کر فیروز نے اسے کندھوں سے پکڑ کر زبردستی صوفے پر بٹھا دیا۔ اور فری فیروز کی اس خوبصورت حرکت پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ مجھے گفٹ سے نوازنے آئی ہیں؟"

"جی ہاں!"

"تو لاؤ نا.... دیر کس بات کی ہے"

"یہ لیجیے" فری نے ہتھیلی پر لاکٹ رکھ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ارے ایسے نہیں، یہ لاکٹ تم خود میرے گلے میں پہناؤ گی" فیروز نے مچلتے ہوئے کہا۔

"نو پرابلم ہم خود ہی پہنا دیتے ہیں"۔ فری

نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور لاکٹ فیروز کے گلے میں ڈالنے لگی۔ لاکٹ فیروز کے گلے میں پہنا کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یقین کرو فری، تم نے میری بات مان کر میری روح تک کو سرشار کر دیا ہے"۔ فیروز نے مغلوب ہوتے ہوئے کہا۔

وقت کا پنچھی محو پرواز رہا۔ اور دو سال کا عرصہ انہی شرارتوں میں پلک جھپکتے میں گزر گیا۔ اس عرصے کے آخری ایام میں ایک اہم واقعہ ہوا جس کا فیروز کو دلی طور پر دکھ ہوا۔ فری دن رات کی محنت اور کوشش کے باوجود ایف ایس سی کا امتحان پاس نہ کر سکی تھی۔ جو نہ صرف فیروز بلکہ پورے گھر والوں کی سوچ کے برعکس تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہر امتحان میں اچھے مارکس لینے والی فری ناکام بھی ہو سکتی ہے۔ فیروز چاہتے ہوئے بھی اس کی وجہ نہ پوچھ سکا۔ وہ فری کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں اس کے سامنے آنے سے بھی گریز کر رہا تھا۔ تاکہ فری اس کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ مگر اس دن وہ اس سے نہ صرف ملنے بلکہ اس سے بہت کچھ پوچھنے پر بھی تیار ہو گیا تھا۔ یہ خبر اس کے لئے انتہائی حیرت اور پریشان کن تھی۔ فری نے مزید آگے پڑھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

فری کا تعلیم کو خیرباد کہہ دینے کے فیصلے پر فیروز بہت رنجیدہ تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ ایف ایس سی کے بعد وہ فری کو میڈیکل میں داخلہ دلوائے گا۔ اور اپنے ساتھ اسے بھی ڈاکٹر بنائے گا۔ اور پھر شادی کے بعد ایک خوبصورت کلینک بنائیں گے۔ جہاں دونوں مل کر مریضوں کا علاج کیا کریں گے۔ لیکن بعض اوقات انسان سپنے تو بڑے سندر اور حسین دیکھتا ہے۔ مگر ان کی تعبیر اتنی بھیانک اور پر اذیت ہوتی ہے۔ کہ انسان کی روح تک زخمی ہو جاتی ہے۔ سپنے تو شاید صرف آنکھوں میں سجانے کیلئے ہوتے ہیں۔

"دیکھو فری! زندگی میں ناکامیاں اور کامیابیاں تو آتی رہتی ہیں۔ بلکہ ناکامی تو کامیابی کا زینہ ہے۔ اگر انسان ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر اپنا مستقبل داؤ پر لگا دے تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ تعلیم تو انسان کو بہت سی ناکامیوں اور محرومیوں سے نجات دلاتی ہے۔ کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے۔ جب سب لوگ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اس نازک موڑ پر تعلیم ہی انسان کا ساتھ دیتی ہے۔ خدارا تم اپنا فیصلہ واپس لے لو۔ ایک بار پھر پوری لگن سے امتحان کی تیاری کرو انشاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی" فیروز فری سے ہر کوشش سے اس کا فیصلہ بدلوانا چاہتا تھا۔ اس لیئے وہ مختلف دلائل سے تعلیم کی اہمیت بتا کر اسے تعلیم کی طرف راغب کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر فری خاموش رہی پھر دھیرے دھیرے لب کشائی کی۔

"فیروز، میں تمہاری باتوں کی دل سے قدر کرتی ہوں۔ اور اس کا اعتراف بھی کرتی ہوں کہ تعلیم کے بغیر انسان ادھورا ہے۔ لیکن میرے خیال میں میں نے اتنی تعلیم حاصل کر لی ہے کہ میں معاشرے میں سینہ تان کر چل سکتی ہوں۔ ویسے بھی عورتوں کیلئے اتنی تعلیم کافی ہوتی ہے" فری نے

متانت سے کہا۔

"فری آخر تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی۔ تمہارے لیئے یہ تعلیم بہت کم ہے۔ آخر ایسی کون سی مجبوری آڑے آگئی ہے جو تمہیں تعلیم سے متنفر کیئے ہوئے ہے" فیروز نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"فیروز پلیز! میں مزید آگے نہیں پڑھ سکتی۔ اپنے احساسات وجذبات کا مجھے علم ہے۔ میرا دل اور دماغ مکمل طور پر تعلیم سے باغی ہو چکا ہے۔ میں لاکھ کوشش کے باوجود تعلیم کی طرف توجہ نہیں دے سکوں گی"۔

"دیکھو فیروز پلیز" میں کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔ تمہیں میری قسم ہے۔ اس موضوع پر بات نہ کرو۔ میں کسی صورت میں آگے نہیں پڑھ سکتی مجھے مجبور مت کرو پلیز" وہ انکسار کر رہی تھی۔

فری کی انکساری اور اس کی قسم نے فیروز سے وہی کسی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا اور پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر کچھ نہ کہہ سکا۔ اور بجھے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ شدت غم سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور وہ کتنی دیر تکیہ بھگوتا رہا۔

اسے اپنے سپنوں کا محل ٹوٹتا نظر آرہا تھا۔ اس نے فری کے ڈاکٹر بننے کے جو سندر سندر خواب دیکھے تھے۔ وہ چکنا چور ہو گئے۔ کئی روز تک وہ اسی غم میں کالج بھی نہ جا سکا تھا۔ اب وہ اکثر سوچتا کہ چلو کوئی بات نہیں۔ کہ فری مزید آگے نہ پڑھ سکی۔ اگر وہ ڈاکٹر بن جاتی تو شاید گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہ ہو سکتی۔ اب شادی کے بعد وہ اسے بھرپور پیار دے سکتی تھی۔ پھر بچے ہوں گے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال بھی تو کرنا ہو گی۔ یوں وہ ایک بھرپور زندگی گزاریں گے۔

انہی سندر سندر اور حسین سپنوں کے روش رواں دواں رہا۔ وقت سرکتا رہا گزرتا رہا اور کئی سال بیت گئے۔ فیروز ان دنوں ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ اور عنقریب اپنا کلینک کھولنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس دوران فری اپنی فرینڈز کے ساتھ ملک کے بہت سے مقامات کی سیر کر چکی تھی۔ اور خود کو مصروف رکھا تھا۔

اب فیروز فری کو جلد از جلد اپنی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ کہ کلینک بنانے کے فوراً بعد ہی وہ انکل اور آنٹی سے فری سے اپنی شادی کا مطالبہ کر دے گا۔

ایک دن جب وہ ہاسپٹل سے واپس گھر لوٹا تو گھر سے ایک اسمارٹ اور خوش شکل نوجوان اور عمر رسیدہ مرد اور خاتون کو جاتے دیکھا۔ اگرچہ انکل اور انٹی سے ایسے ملنے والے آتے رہتے تھے۔ مگر نامعلوم کیوں فیروز کو وہ لوگ کچھ مشکوک سے لگے۔ وہ ان لوگوں کے متعلق جاننے کے لئے فری کے کمرے میں جا دھمکا جو اس وقت کسی کتاب کی ورق گردانی کرنے میں مصروف تھی۔ فیروز کو دیکھ کر وہ مسکرا پڑی اور گویا ہوئی۔ "آیئے" ہم تو نظریں بچھائے بیٹھے ہیں آپ کیلئے"۔ فری کا غیر متوقع خوشگوار موڈ دیکھ کر وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔

"لگتا ہے آج بہت خوش ہو" فیروز نے

مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں' بالکل بہت زیادہ خوش ہوں" وہ ایک ادا سے بولی۔ اس کا چہرہ خوشی و مسرت سے تمتما رہا تھا۔ اس وقت فیروز کے دل سے دعا نکلی۔ اے خدا میری فری کو یونہی سدا پر مسرت و شادمان رکھنا

"فری آخر کون سا تمہیں قارون کا خزانہ مل گیا ہے۔ جو تم اس قدر ہواؤں کے دوش اڑ رہی ہو"۔

"ابھی نہیں جب وقت آئے گا تمہیں خود معلوم ہو جائے گا"۔

"تو گویا سرپرائز دینا چاہتی ہو"۔

"یونہی سمجھ لیجئے"۔

"اچھا فری میں اس وقت تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں"۔

"پوچھیئے" اس نے اپنی جھیل سی گہری آنکھیں اس پر گاڑ دیں۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تین عدد مہمان یہاں سے تشریف لے گئے ہیں وہ کس سلسلے میں یہاں آئے تھے"

"کیوں ان کے آنے پر تمہیں کوئی اعتراض ہے"۔

"بس یونہی پوچھ رہا تھا"۔

"وہ مہمان مجھے تمہاری شراتوں سے نجات دلانے آئے تھے"۔

"کیا مطلب" فیروز ایک دم چونک گیا۔

"مطلب یہ کہ وہ مجھے اس گھر سے سدا کیلئے لے جانے کی تاریخ مقرر کرنے آئے تھے۔ اور تاریخ مقرر کر گئے ہیں۔ اب وہ مجھے ڈولی میں بٹھا کر ہمیشہ کیلئے اپنے گھر لے جائیں گے۔ یعنی میں پیا دیس سدھار جاؤں گی"

"فری کیوں مذاق کرتی ہو" وہ ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ وہ فری کی بات کو مذاق سمجھ رہا تھا۔ ایسے پیاروں سے جنہیں متاع حیات سمجھ لیا جائے ایسی پر آفت باتوں کی توقع بھی تو نہیں ہوتی مگر۔۔

"ارے فیروز! وہ حیرانگی سے بولی۔ تم واقعی اناڑی ہو۔ یہ دیکھو منگنی کی انگوٹھی جو آج خالد نے مجھے اپنی تمام تر چاہتوں کے ساتھ پہنائی ہے۔ ابھی رسم منگنی ادا ہوئی ہے۔ ایک ماہ بعد رخصتی ہے" وہ قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

"تت... تم سے پوچھے بغیر... شادی کی تاریخ مقرر کر دی انکل انٹی نے..." وہ اب بھی بے یقینی کا دامن پکڑے ہوئے تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ممی ڈیڈی تو ابھی شادی کیلئے رضامند نہیں ہو رہے تھے یہ تو میں نے مجبور کیا ہے کیونکہ خالد کی یہی خواہش تھی"۔

"تت... تو گویا شادی تمہاری رضامندی سے ہو رہی ہے"۔

"بالکل! وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی خالد میری سویٹ فرینڈ نادیہ کا بھائی ہے۔ خالد اور میں ایک دوسرے کو تین سال سے چاہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جنون کی حد تک چاہتے ہیں۔ اور ہمارے درمیان جینے مرنے کے عہد و پیماں ہوئے ہیں۔ فیروز اگر خالد مجھ سے جان بھی مانگے تو خدا قسم اس پر

قربان ہو جاؤں گی" فری نے سنجیدگی سے کہا۔ اور فیروز کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

"فیروز ہم نے دوستوں کی طرح اچھا وقت گزارا ہے۔ ایک دوست کو دوسرے دوست کی جدائی کا دکھ تو ہوتا ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے"۔

فیروز کا دل چاہا کہ وہ کہہ دے یہ زخم وقت کے ساتھ ساتھ مندمل تو نہیں ہوتے بلکہ وقت کے تھپیڑوں میں لپٹی ہوئی حسین و تلخ یادیں ان زخموں کو ہر پل ہرا کرتی رہتی ہیں۔ اور زخم سدا رستے رہتے ہیں۔ مگر اس وقت تو اس کے سامنے فری کا خوشی و مسرت میں چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ بے حد مسرور تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کسی بات سے فری کی خوشی رنجیدہ ہو۔ وہ سدا اسے ہنستے مسکراتے اور خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

"وہ ارے فیروز تم کہاں کھو گئے" فری کی بات پر اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"وہ .... کہیں بھی نہیں" وہ پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولا۔

"فیروز' آج اس خوشی کے موقعہ پر تم جو بھی مانگو گے میں دوں گی" وہ ایسے کہہ رہی تھی۔ جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو اس کے بہت بڑے کارنامے پر خوش ہو کر انعام سے نوازنا چاہتا ہو۔ وہ فری کی بات پر ایک زہریلی مسکراہٹ مسکرا دیا۔ میں نے پہلے بھی تم سے کچھ مانگا تھا۔ اور تم نے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر تم نے میری بات کو مذاق میں ختم کر دیا تھا۔ اور آج تو مانگنے کو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ وہ دل ہی دل میں اس سے کہہ رہا تھا۔

"فیروز میں نے کچھ کہا ہے" فری چلا رہی تھی۔

تم مجھے اپنے سارے دکھ دے دو" وہ سنجیدہ تھا۔ اور فری اس کی بات پر یوں مسکرا دی جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

"فیروز آج خوشیوں کی بات کرو۔ دکھ تو ہم سے کوسوں دور بھاگ گئے ہیں"

"خوشیاں مجھے راس نہیں آئیں' میں اب کچھ لے کر کیا کروں گا تہی داماں ہی اچھا ہوں" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں یاد آیا' یہ تمہاری انگوٹھی جو تم نے مجھے تحفے میں دی تھی۔ خالد دیکھے تو کہیں برا نہ مان جائے" وہ دروازے کے بیچ کھڑی تھی۔ اس نے وہیں سے کھڑے کھڑے کیچ کرانے والے انداز میں انگوٹھی فیروز کی طرف اچھال دی اور چلی گئی۔ کوشش کے باوجود فیروز انگوٹھی کیچ نہ کر سکا۔ اور انگوٹھی پختہ فرش پر گر گئی۔ انگوٹھی میں جڑے ہوئے رنگ برنگے خوبصورت نگینے ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر گئے اور فیروز کو ایسا لگا جیسے اس کا دل بھی نگینوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا ہو۔ وہ بیٹھ کر نگینوں کے ٹکڑوں کو سمیٹنے لگا۔ شدت غم سے اس کی آنکھیں اشک خون اگلنے لگیں اور وہ سسک سسک کر رو دیا۔

مہندی والی رات تھی۔ گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فری گھونگھٹ میں سہیلیوں میں گھری بیٹھی تھی۔ اور لڑکیاں اس سے چھیڑ چھاڑ کر

رہی تھیں۔ اور فری کو مہندی لگانے کی تیاری بھی کی جا رہی تھی۔ لڑکیاں کسی بزرگ خاتون سے رسم مہندی کا آغاز کروانا چاہتی تھیں۔ ابھی تمام بزرگوار اہم بحث و مباحثے میں مصروف تھے اور قریب قریب ان کے فارغ ہونے کے چانس نہ تھے۔ کئی لڑکیاں فیروز کے گرد منڈلا رہی تھیں۔ وہ اس اہم دن بھی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ کتاب پڑھنے کا تو اک بہانہ تھا دراصل وہ خود کو مصروف رکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

اچانک تین چار لڑکیاں اس کے کمرے میں آ دھمکیں۔ جو اس کے لئے ناآشنا تھیں۔ "فیروز صاحب! ادھر آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔ اور آپ ادھر کتابی کیڑے بنے بیٹھے ہیں۔ آج کے دن تو کتابوں کی جان چھوڑ دیجئے"۔ ایک لڑکی نے بے تکلفی سے کہا۔

"فرصت تو آپ نے آنا ہی ہے"۔ دوسری لڑکی نے فقرہ کسا۔

"کون ہے جو میرا انتظار کر رہا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ارے آپ کا انتظار کرنے والے تو بہت ہیں۔ مگر آپ کسی کو گھاس ڈالیں بھی تو"۔ ایک لڑکی نے شوخی سے کہا۔

"اچھا چلو!" وہ ان کے ساتھ چل دیا۔ فری کو بہت سی لڑکیاں گھیرے کھڑی تھیں۔ فیروز کو دیکھ کر لڑکیوں نے فری تک جانے کا راستہ بنایا۔

"کیا ہوا جو فری کے انکل آنٹی نہیں ہیں۔ اللہ انھیں جوار رحمت میں جگہ دے ان کا بیٹا فیروز جو ہے"۔ یہ کسی بزرگ خاتون کی آواز تھی۔

فیروز کے لئے یہ غیر متوقع بات تھی۔ کیونکہ مہندی لگانا عورتوں کا کام ہوتا ہے۔ مگر وہ سب کے اصرار پر فری کے ہاتھ پر مہندی لگانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے مہندی کی تھال میں انگلی ڈبوئی۔ اور فری کے ہاتھوں پر لگانے لگا۔ اسی لمحے فیروز کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے فری کے ہاتھوں پر گر گئے۔ فری نے چونک کر فیروز کی طرف دیکھا۔ جو ہونٹوں پر مسکان سجائے اپنی ہی شادی میں مہندی لگا رہا تھا۔

"فیروز یہ آنسو کیسے؟" فری نے سرگوشی کی۔

"پگلی یہ آنسو تو خوشی کے ہیں" فیروز نے کہا۔

اور تیز قدموں سے ہجوم سے باہر نکل آیا۔

برات آ گئی تھی۔ فیروز اپنے دل پر پتھر رکھے۔ اپنی ہی آنکھوں کے سامنے اپنی محبت دوسروں کے حوالے ہوتا دیکھ رہا تھا۔ وہ ہر موڑ پر فری کو شکست دیتا آیا تھا مگر اس اہم موڑ پر وہ مات کھا گیا تھا۔

وہ کاموں میں اس قدر مصروف رہا۔ اسے فری کی رخصتی کا خیال ہی نہ آیا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ اس موقع پر اسے بلا لیا جائے گا مگر اس موقع پر بھی اسے نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ وہ جب وہاں پہنچا فری دولہا کی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ اور وہ جونہی گاڑی کے قریب پہنچا گاڑی ایک جھٹکے سے چل پڑی۔ اور وہ دل تھام کر رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے کمرے تک پہنچا۔ اور کٹے ہوئے شہتیر کی طرح بیڈ پر ڈھ گیا۔ اور تکیے میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا۔

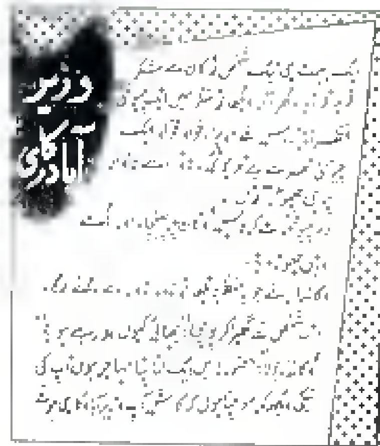
تیسرے روز جب فری گھر والوں سے ملنے آئی تو اس کی متلاشی نگاہیں فیروز کو ڈھونڈنے لگیں۔ جب فیروز نظر نہ آیا تو اس نے ممی سے پوچھا۔

"ممی فیروز نظر نہیں آ رہا کہاں گیا ہے؟"

"وہ بیٹی کسی دوست کے ہاں جانے کا کہہ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا وہ کافی دن وہاں رہے گا۔ جانے سے پہلے بہت مغموم تھا۔ اور ہاں وہ تمہارے نام ایک لفافہ دے گیا تھا۔ کہہ گیا تھا فری آئے تو اسے دے دینا" کچھ دیر بعد ممی ایک خاکی لفافہ کمرے سے اٹھا لائی اور فری کی طرف بڑھا دیا۔ فری نے بے تابی سے لفافہ چاک کیا اور اندر سے کاغذ نکال لیا۔ اور پڑھنے لگی۔

فری جان!

سلام جدائی! بعض اوقات انسان کسی چیز کو اس قدر چاہنے لگتا ہے کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ وہ چیز کبھی اس سے جدا ہو گی۔ یا چھن جائے گی۔ مگر شاید یہ میری سب سے بڑی بھول تھی۔ تقدیر اور وقت انسان کی بڑی بڑی سوچوں کو مات کر رہا ہے۔ میں بھی ایک ایسی ہستی کو بہت پیار کرتا تھا۔ بہت چاہتا تھا اسے مگر وہ چیز میری تھی ہی نا۔ اور چھن گئی۔ اور اب یہاں میرے لیے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ اس لیے یہ دیس چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے لندن جا رہا ہوں۔ جہاں ماموں ممانی شدت سے میرے منتظر ہیں۔ ویسے بھی تمہیں میرے یہاں رہنے پر تکلیف ہو گی۔ تمہیں بہت ستاتا تھا نا میں۔ اب تمہیں کوئی نہیں ستایا کرے گا۔ تم لوگ شدت سے یاد آؤ گے۔ مگر کیا کروں آخر دل کی کرچیوں کو سمیٹنے کیلئے کبھی کبھی دل



پر پتھر رکھنا ہی پڑتا ہے۔ میری دعا ہے خدا تمہیں سدا پرمسرت و شادمان رکھے۔

بدنصیب "فیروز"

خط کی تحریر کیا تھی فری کے لئے بم کا دھماکہ تھا۔ جس نے فری کو پور پور کو لہولہان کر دیا تھا۔ وہ خط میں منہ چھپا کر سسک پڑی "فیروز۔ یہ تم نے کیا کیا۔ تم اپنے من میں میرے لئے اتنی محبت اتنی چاہت چھپائے پھرتے تھے۔ میں ان کی خوشبو تک کو محسوس نہ کر سکی۔ تم نے کبھی مجھ پر سنجیدگی سے اپنی محبت کا اظہار بھی تو نہ کیا تھا۔ میں تمہارے گونگے جذبات و احساسات کو کیسے سمجھ پاتی۔ مگر شاید اس میں میرا قصور ہے کہ میں تمہاری باتوں کو مذاق سمجھتی رہی۔ میں تمہاری مجرم ہوں فیروز۔ پلیز مجھے معاف کر دینا۔ مجھے معاف کر دینا"۔

فری کو روتا دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے کائنات کی ہر چیز رو رہی ہو۔

خواتین کے ساتھ پولیس اسٹیشنوں پر ایسی کہانیاں ہر روز دہرائی جاتی ہیں۔ ظلم و ستم اب بھی جاری ہے۔ ایک افسوس ناک المناک حقیقت

تھانوں میں خواتین پر کیا بیتی ہے؟

تحریر: حمیرا اطہر

کوئی عورت جب دادرسی کے لیے قانون کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو اسے تھانے میں سب سے پہلے ایف آئی آر درج کرانی ہوتی ہے مگر یہ مرحلہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اکثر اوقات تھانیدار یا ایس ایچ او بجی ایف آئی آر درج کرتے ہیں یعنی سادے کاغذ پر درخواست لے کر ٹرخا دیتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ الٹا اسے ہی ملزمہ نامزد کر کے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں جب کوئی مرد عورت کے خلاف ایف آئی آر درج کراتا ہے اور ملزمہ کی گرفتاری عمل میں آتی ہے تو تشدد کا دوسرا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

قانوناً کسی بھی ملزم یا ملزمہ کو چودہ روز سے زیادہ تھانے میں نہیں رکھا جا سکتا

سروے کے مطابق تھانوں میں دو ہفتے سے ایک ماہ تک رکھی جانے والی عورتوں کا تناسب 26.25 فیصد اور ایک ماہ سے بھی زائد عرصہ تک رکھے جانے والی عورتوں کا تناسب 12.8 فیصد تھا۔ ان میں بھی اکثر عورتوں کو شہر کے عام تھانوں میں رکھا گیا تھا۔ جن کا بنیادی مقصد زیر حراست عورتوں کو مرد پولیس کے تشدد سے بچانا نیز خواتین کے موقف کی تردید ہمدردانہ شنوائی کو بھی یقینی بنانا ہے۔

کراچی میں خواتین پولیس اسٹیشن کا قیام 2 اپریل 1994ء کو عمل میں آیا لیکن یہ اسٹیشن خود استحصال کا شکار ہے۔ قیام کے وقت اس کو ایک باقاعدہ خوبصورت عمارت دی گئی تھی

ایس ایچ او نے بتایا کہ تھانے کے ریکارڈ کے مطابق فی زمانہ عورتیں ڈکیتی، قتل، اغواء غرض ہر طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتی ہیں۔ گھروں میں کام کرنے والی ماسیوں اور لڑکیوں پر زیادہ تر مقدمات چوری کے ہوتے ہیں۔ ویسے ڈکیتی میں شریک اور لڑکوں سے دوستی لگانے والیاں بھی آتی ہیں۔ مرد اسی صورت میں آتے ہیں جب بیوی سے علیحدگی یا اس کی وفات ہو جانے کے بعد بچوں کی تحویل کا جھگڑا پڑ جاتا ہے۔

یوں تو ہمیں میاں بیوی کے جھگڑوں میں ہاتھ ڈالنے کا اختیار نہیں ہے لیکن چونکہ ہم خود بھی کسی کی بیوی، بیٹی اور بہو ہیں لہٰذا مصالحت کرانے



WWW.PAKSOCIETY.COM

کی کوشش کرتے ہیں اکثر و بیشتر اس میں کامیابی ہوتی ہے۔

اگر کبھی کوئی قیدی ویمنز تھانے کی حوالات میں بند کی جائے اس پر کیا گزرتی ہے اس کا اندازہ ان چند واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

شوہر کے قتل کے الزام میں جیل میں قید ایک خاتون نے بتایا کہ گرفتاری کے بعد وہاں کے ایس ایچ او نے مجھ سے دس ہزار روپے رشوت طلب کی۔ میں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہیں تو اس نے مجھ سے نہایت بدتمیزی سے بات کی اور دوسرے کمرے میں لے جا کر میرا دوپٹہ اتارنے کی غرض سے کھینچنے لگا۔ میں نے اسے دھمکی دی کہ میں آئی جی سے شکایت کر دوں گی جس پر اس نے مجھے لاک اپ میں بند کر دیا۔ سات دن تھانے میں رکھا اور شروع کے دو تین دن سوٹیوں سے پٹائی کی۔

گرفتار ہونے والی دو دیگر ملزماؤں نے بتایا کہ انہیں چودہ روز تک تھانے میں رکھا گیا اور اقبال جرم کرانے کے لیے تھانے والوں نے ان کے نازک حصوں پر تشدد کیا' سر کو دیواروں سے ٹکرایا' تھپڑ مارے گئے اور مار پیٹ کے لیے مرد پولیس والوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان میں سے ایک ملزمہ جو تین ماہ کی حاملہ بھی تھی کے ہاتھوں پر تواتر سے سوئیاں ماری گئیں کہ جب وہ چودہ روز بعد جیل بھیج دی گئی تو اس کے ہاتھوں پر اور کہنیوں تک سوئیوں کے نشانات تھے اور کھال ابھری ہوئی تھی۔ اس کے یہ زخم دو ماہ تک ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔

ان چند مثالوں سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عورتوں پر تھانے میں کیا بیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ہر ڈسٹرکٹ میں ایک ویمنز سیل ہے تو پھر مذکورہ عورتوں کو مردوں کے تھانے میں کیوں رکھا گیا؟ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ذمہ دار افسران کو اس بات کا سختی سے پابند کیا جائے کہ کوئی بھی عورت کسی بھی صورت میں مردوں کے پولیس اسٹیشنوں میں نہیں جائے گی۔

یوں بھی کسی شہر میں ایک ویمنز اسٹیشن اس لحاظ سے ناکام ہو جاتا ہے کہ دور دراز کے علاقوں کی عورتیں وہاں تک با آسانی نہیں پہنچ پاتیں

نیز ایسے قوانین نہ صرف بنائیں جائیں بلکہ ان کے نفاذ کو بھی یقینی بنایا جائے تاکہ پولیس اپنے فرض کی ادائیگی کے دوران عورتوں کو تشدد کا نشانہ نہ بنا سکے۔ تشدد قانون پر قانون' سماجی اور انتظامی پابندیاں عائد کی جائیں خواہ وہ گھر میں کام کی جگہ علاقے یا معاشرے میں ہو۔

خواتین پر تشدد کرنے والے ریاستی اداروں مثلاً پولیس اور رینجرز پر کڑی نظر رکھی جائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی خاطر ایک موثر نظام تشکیل دیا جائے۔

بیجنگ میں منعقد ہونے والی 1995ء میں عورتوں کی چوتھی عالمی کانفرنس کے موقع پر پاکستان دنیا بھر کے ان سو سے زائد ممالک میں شامل تھا جنہوں نے خواتین کے ساتھ ہر قسم کے امتیاز کے

خلاف اقوام متحدہ کے کنونشن سیڈا پر دستخط کیے۔

یہ دستاویز دنیا کی آدھی آبادی یعنی عورتوں کو انسانی حقوق کے دائرہ کار میں لاتا ہے اور حکومتوں کے لیے عمل کا ایک ایجنڈا بھی ہے تاکہ خواتین اپنے حقوق سے مستفید ہو سکیں۔

اس دستاویز میں 30 شقیں شامل ہیں جن میں عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ مختلف شعبوں میں کیے گئے امتیازی سلوک کے حوالے سے اہم نکات شامل ہیں مثلاً۔

آرٹیکل نمبر 2۔ کنونشن میں فریق ممالک خواتین کے خلاف عدم مساوات کی مذمت کرتے ہیں اور بغیر تاخیر کے اور ہر ممکن طریقے سے خواتین کے خلاف تمام امتیازی رویے ختم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل عہد کرتے ہیں۔

1۔ خواتین اور حضرات میں مکمل مساوات کی ملکی آئین کے ذریعے ضمانت دینا اور اس مقصد کے لیے ضروری قانون سازی کرنا۔

2۔ خواتین کے ساتھ عدم مساوات کے خلاف تمام قوانین کا خاتمہ اور ان کی جگہ مناسب قانون سازی کرنا۔

3۔ عورتوں کو قانون کے ذریعے مردوں کے ساتھ مکمل حقوق دینا۔

4۔ کوئی ایسی کارروائی نہ کرنا جس کا تعلق عورتوں کو غیر مساوی حقوق دینے سے ہو اور اس بات کی ضمانت دینا کہ سرکاری مشینری اور ادارے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کام کریں گے۔

5۔ کسی بھی ادارے، شخص یا تنظیم کی طرف سے عورتوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے خلاف اقدامات کو روکنا۔

6۔ ایسے قوانین، ضابطے، رسومات اور روایتوں کو ختم کرنا یا ان میں ترمیم کرنا جو خواتین کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے خلاف ہوں۔

7۔ تمام ایسی تعزیرات کا خاتمہ جو خواتین سے امتیازی سلوک کے خلاف ہوں۔

آرٹیکل نمبر 3 فریق ممالک سماجی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں مردوں کے برابر عورتوں کو تمام حقوق مساوی دینے کے لیے ضروری اقدامات کریں گے۔

آرٹیکل نمبر 5-A فریق ممالک ایسے اقدامات کریں گے جن کا مقصد ایسے قوانین، رسومات اور تعصبات کا خاتمہ کرنا ہے جو مرد یا عورت کو جنس کی بنیاد پر ایک دوسرے سے کمتر یا بہتر بناتے ہیں۔

آرٹیکل 6 تمام فریق ریاستی قانون سازی کے ساتھ ایسے اقدامات اٹھائیں گے جن سے عورتوں کی فروخت اور استحصال ختم ہو جائے۔

آرٹیکل 9۔ حکومتیں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی شہریت حاصل کرنے کا حق دیں گی۔ وہ یہ بھی یقینی بنائیں گی کہ مرد کی شہریت کی تبدیلی کی وجہ سے عورت شہریت سے محروم نہ ہو جائے اور نہ مرد کی شہریت عورت پر ٹھونسی جا سکے۔

2۔ حکومتیں بچوں کی شہریت کے معاملے میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیں گی۔

آرٹیکل نمبر 1-15 ریاستیں عورت اور مرد کی

مساوی حیثیت کو قانونی طور پر تسلیم کریں گی۔

2- شریک ممالک خواتین کو مردوں کی طرح کاروبار میں معاہدہ جائیداد کی خرید، فروخت اور عدالتوں اور ٹریبونل کے سامنے کیس لڑنے کے مساوی مواقع مہیا کریں گے۔

3- کنونشن میں شریک ممالک اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی تمام قانونی دستاویزات اور قانون جو عورتوں کی قانونی حیثیت متاثر کرتی ہیں ختم کر دی جائے گی۔

4- تمام ممالک مردوں کی طرح عورتوں کو ایک جگہ رہائش اختیار کرنے اور جہاں ان کا دل چاہے ڈومیسائل حاصل کرنے کی آزادی فراہم کریں گی۔

ان تمام آرٹیکلز پر عمل درآمد کے لیے ایک نیشنل پلان آف ایکشن مرتب کیا گیا ہے جس کے تحت 1998ء سے لے کر 2013ء تک مرحلہ وار اقدامات طے کیے گئے ہیں۔ ان میں سرفہرست عورتوں کی حیثیت کے بارے میں انکوائری کمیشن رپورٹ کا ترجمہ کرنا، اس کی اشاعت اور وسیع پیمانے پر تقسیم شامل ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں آگاہی ہو سکے۔

لڑکیوں میں قانون سے آگہی کے لیے جامع اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مہم چلائی جائے گی۔ نیز قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اراکین، جیل کے عملے، انتظامیہ اور نجی اداروں کو عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کی تربیت دی جائے گی۔ جنسی طور پر ہراساں



جناب والا! آپ کی تنخواہ کا تو پتا نہیں، بچوں میں اضافہ ضرور ہوتے رہا ہے



کرنے کی تمام اقسام کی شکار عورتوں کو قانونی تحفظ دیا جائے گا۔

فلسطین اور اسرائیل کے بارے میں ایک حقیقت

افروز کہانی حیرت انگیز واقعات لیے ہوئے

بندگلی

مترجم: کامل پاشا

وہ لبنان کے مشرقی حصہ میں واقع تنتیلا کیمپ کے قتل کے فوراً بعد بیروت میں آئی تھی اور چند ہی دن میں بشیر جمائل کے ویران ولا میں آباد ہو گئی تھی۔ جو کئی ماہ سے محفوظ علاقہ کے سیاہ پوش اسرائیلی محافظوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

جلدی اس ولا پر قصر نیل ہوٹل کا بورڈ نظر آنے لگا۔ اس خیال نے میری حیرت دور کر دی تھی کہ یہ نام غیر لبنانی عربوں کو متوجہ کرنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے ساتھ ہی اس ہوٹل کی غرض و غایت مشکوک لگنے لگی تھی۔

لیکن عملاً" ایسا ہوا نہ تھا۔ زیادہ تک امریکن یورپین اخبار نویس یا سیاح ادھر کا رخ کرتے کیونکہ یہ عیاشی پنپا میں واقع تھا۔ یہ ضرور تھا کہ مصری عراقی اور اردنی قصر نیل ہی کو ترجیح دیتے۔ وہ قصر نیل کی مالک تھی یا تنخواہ دار منتظمہ اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکا تھا اس کی عمر اب چالیس کے قریب ہو گی۔ اسے مکمل دیکھنے سے وہ کوئی ناگوار سی بھاری بھر کم چیز لگتی تھی۔ لیکن جدا جدا اس کے نقوش بڑے تیکھے اور پرکشش لگتے تھے۔ بولنے میں مصریوں کی طرح دو تین کلمے ایک ساتھ بولتی۔ جیم کو گاف، قاف کو ہمزہ بولنا بھی مصریوں کا سا تھا لیکن بولتے وقت مصریوں کی طرح زبان کے ساتھ آنکھیں ہاتھ گردن اور کولھے نہ چلتے تھے۔ بلکہ بولنے کا انداز بڑا باوقار تھا۔ اس لیے مجھے اعتبار نہ ہوتا کہ وہ مصری ہے۔

بیں اکیس سال پہلے وہ میرے سامنے ہی وارد نہ ہوئی ہوتی تو میں لبنانی ہی سمجھتا۔ اس وقت وہ بلا کی حسین تھی۔ قصر نیل میری شکار گاہوں میں سے تھا اس لیے وہاں پراسرار لوگوں کی آمد اور رخصت میری نگاہ سے چھپی نہ رہ سکی۔ خود اس کی مالکہ یا منتظمہ شوشو کیا کم پراسرار تھی۔

قصر نیل میری توجہ کا مرکز اس وقت بنا تھا جب ایک خاص مقصد کے تحت الفتح کے ایک ساتھی نے قیام کے لیے قصر نیل کا انتخاب کیا تھا۔ لیکن ایک رات اندر داخل ہونے کے بعد وہ قصر نیل سے نہیں نکلا۔ اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اسے کوئی نہ جان سکا۔ اس کا وہ مشن بھی غصب ہو گیا تھا جس پر اسے بھیجا گیا تھا۔

اس نگرانی کے دوران تو اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی عرب باشندہ قصر نیل میں داخل تو ہوا لیکن باہر آتا



اسے نصیب نہ ہوا۔ یہ بات بھی میں نے نوٹ کی کہ جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا اس رات ساحل سمندر سے اسٹیمر کا سائرن خاص انداز میں بجتا جیسے کوئی کتا لمبی تان لگا کے رویا ہو اور پھر تین بار بف بف کر کے غرایا ہو۔ غائب ہونے والے شخص کے دیکھے جانے کی وہ آخری رات ہوتی۔

سائرن کی اس مخصوص آواز کے آدھے گھنٹے بعد شہروی کے لباس میں چند لوگ آتے اور چند منٹ بعد ان کی واپسی شوشو کی منی بس میں ہوتی۔ شوشو اسے ڈرائیو کر رہی ہوتی۔ لیکن ان کے تعاقب کی ہمت میں نہ کر سکا تھا آج بھی آدھی رات کے بعد وہ شہروی مسلح لوگ' قصر تل میں نظر آئے۔ حسب معمول شوشو انہیں منی بس میں لے گئی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی خالی بس لیے لوٹی۔ میں اسی سوچ میں ڈوبا تھا کہ صبح کو کون غائب پایا جاتا ہے۔

تبھی رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی ہذیانی انداز میں نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ وہ شوشو کی چیخیں تھیں جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر نکلی بس اسٹارٹ کی اور آندھی طوفان کی طرح بس کو اڑاتی چلی گئی۔ میں تو کسی بھی آپریشن کے لیے ساری رات مستعد رہتا تھا۔ فوراً ہی اپنی واٹر کول بائیک کو بس کے پیچھے لگا دیا۔ مشرقی ساحل پر بس کے رکتے ہی میں نے بائیک ریت کے ٹیلے کے پیچھے چھوڑی اور جھاڑیوں کی اوٹ لیتا ہوا ساحل کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں سے تاروں کی چھاؤں میں اسٹیمر کا ہیولی صاف نظر آ رہا تھا اور چند سائے شوشو کی چیخ و پکار سن کر برآمد ہوئے تھے شوشو کا کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پھر اسٹین گن کا برسٹ مارا گیا شوشو کی چیخیں یک لخت بند ہو گئیں۔

وہ جھاڑیاں میرے لیے اوٹ تو بن سکتی تھیں

لیکن اسٹین گن کی بوچھاڑ سے مجھے بچا نہ پائیں۔ اس لیے اسٹیمر کے انجن کی آواز سنائی دینے تک میں اپنا سر ابھارنے کی بھی ہمت نہ کر سکا۔ آدھی رات کے اندھیرے میں نظر بھی کیا آسکتا تھا۔

اسٹیمر دور جا چکا تھا۔ ساحل سنسان سمندر خاموش تھا شوشو جس کا تعاقب کرتا ہوا میں موت کے کارندوں کی زد میں آگیا تھا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر وہ چیز مجھے نظر آگئی جسے میری نظریں تلاش کر رہی تھیں شوشو کی لاش۔

میں لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ وہ چت پڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں اس طرح کھلی ہوئی تھیں جیسے ستاروں کا نظارہ کرنے میں مگن ہوں۔ اس کا پیٹ خون سے لبالب بھری بڑی سی قالب لگ رہا تھا۔ جوں ہی میں اس پر جھکا اس کی آنکھوں نے حرکت کی لب ہلے۔

وہ میرے بیٹے کو لے گئے ہیں۔ وہ میرے بیٹے کو لے گئے ہیں۔

جذبات سے یکسر خالی چہرہ آنکھیں آسمان پر گڑی ہوئی جیسے کوئی مردہ آسمان سے شکوہ کر رہا ہے۔

وہ میرے بیٹے کو لے گئے ہیں۔

میں نے اپنی قمیض اتار کر اس کے زخم کو باندھنے کی کوشش کی اور سیٹوں کے بیچ بس میں ڈال کر اپنے یونٹ کی کیمپ گاہ پر لے آیا۔ جلدی ہی وہ اس قابل تو ہو گئی تھی کہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔

چند دن پہلے اس کی ساتویں سالگرہ دھوم دھام سے منائی گئی تھی اس کے والد تل ابیب کی انتظامیہ میں کسی نچلے عہدے پر تھے۔ اس دن ان کے کسی اعلیٰ افسر کی گاڑی ان کے گھر کے آگے رکی۔ وہ کرسمس سے اگلا دن تھا۔ بیت اللحم کی تقریبات جاری تھیں اس کے والد اسے یہ تقریبات دکھانے کے لیے اس اعلیٰ افسر کی گاڑی میں آ بیٹھے گاڑی دیوار گریہ کے جوار میں آ کے رکی۔ ایک شخص لپک کر گاڑی کے قریب آیا۔ اس کے ساتھ شوشو کی عمر ہی کی ایک بچی تھی۔ شوشو کو گاڑی سے اتار دیا گیا اور اس بچی کو گاڑی میں کھینچ لیا گیا۔

وہ شخص شوشو کے لیے دکانوں سے چیونگم چاکلیٹ کھلونے اور شوشو کے پسندیدہ لباس خریدتا رہا۔ پھر اسے نوعمر بچیوں کے ایک ہوسٹل میں لے گیا۔ شوشو بہت مگن تھی لیکن رات جب اپنی ماں کے بغیر گزارنی پڑی تو اسے اپنے خسارے کا احساس ہوا۔ وہ ساری رات سسکتی رہی۔

اس کا گھر ماں باپ بھائی بہن اس کے لیے خواب بن چکے تھے۔ دو ماہ اس ہوسٹل میں اس کی اس قدر دلجوئی کی گئی اور اس انداز میں تربیت دی گئی کہ خود اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ وہ اس کو بھلا دے کہ جو شخص اسے ہوسٹل لایا تھا اس کا باپ نہیں ہے یہ کہ وہ تل ابیب نہیں قاہرہ کی مضافاتی بستی الواسع کی باشندہ ہے۔ یہودی نہیں بلکہ عیسائی ہے حتیٰ کہ اس کا نام سارہ نہیں شوشو ہے۔

اپنے ماضی سے تعارف کے ساتھ دو ماہ بعد مصری

پاسپورٹ پر اس مصری عیسائی کی بیٹی کی حیثیت سے وہ قاہرہ کے ایئرپورٹ پر اتری۔

اسے حیرت ہوئی کہ ہر جگہ اسے مصری عیسائی کی بیٹی شوشو تسلیم کیا گیا۔ جو تین سال بعد اپنے باپ کے ساتھ وطن لوٹی تھی۔

چند دن بعد ہی اسے یہ یقین دلایا جانے لگا کہ وہ یہودی ہے اس کے ماں باپ تل ابیب میں ہیں۔ یہی نہیں اس کے ماں باپ کے ٹیلی فون بھی آنے لگے ہر ہفتہ اس کی ماں کا پیار بھرا خط اسے ملنے لگا جو بیروت سے پوسٹ کیا جاتا تھا۔

ساتھ ہی اس کی ٹریننگ اور تعلیم شروع ہوئی۔ تربیت تمام تر مارشل آرٹ جاسوسی کے آلات فنا ور گوریلا چالوں پر مشتمل تھی لیکن بظاہر وہ ایک عیسائی لڑکی شوشو تھی۔ اس حیثیت سے اس نے ابتدا ہی سے جامعہ تک تعلیم حاصل کی۔ اب وہ قیامت خیز حسن کی مالک ایک جوان لڑکی تھی۔ جامعہ اسکندریہ سے ڈگری لیتے ہی اسے ایک شمالی افریقہ کے ملک کے سفارت خانہ سے ایک خالی اسامی کے لیے انٹرویو لیٹر ملا۔ ظاہر ہے اس کا اہتمام اس کے زیر زمین سرپرستوں نے کیا تھا۔ خدا جانے اپنے حسن یا اپنی لیاقت یا پھر اس کے سرپرستوں کے اہتمام کے طفیل اسے وہ ملازمت مل گئی۔

اپنی اس حیثیت سے وہ بہت خوش تھی۔ اسے اس کے زیر زمین سرپرستوں کی جانب سے اپنے سیکشن آفیسر کے قریب تر ہونے کی ہدایت ملی اس حکم سے وہ بددل بھی نہ ہوئی کیونکہ مذکورہ سیکشن آفیسر جوان جاذب نظر اور وجیہہ تھا حلمی یلالی اس کا نام تھا وہ مصری تھا وہ حلمی کے قریب ہوتی گئی۔

یہ قربت عشق اور عشق جسمانی یکجائی میں تبدیل ہوا جس کے نتیجے میں وہ ایک ناجائزہ بیٹے کی ماں بن گئی جس کی پیدائش نہایت رازداری سے اس کے سرپرستوں کی نگرانی میں ہوئی۔ ابھی یہ بچہ چھ ماہ کا بھی نہ ہوا تھا کہ ایک دن شوشو نے مارے کرید سے حلمی کی ڈاک میں آیا ایک بھاری بھرکم لفافہ چاک کیا۔ اس میں اس کی اور حلمی کی ایک ساتھ تصویریں تھیں۔ عشق سے ماں باپ بننے تک وہ جتنے مرحلوں سے گزرے تھے ہر ہر مرحلہ کی تصویر حتیٰ کہ وضع حمل اور اس سے پہلے کے دنوں کی تصویر نوزائیدہ بچہ کے ساتھ شوشو اور حلمی کی تصویر۔

ان تصویروں کے پانے کے بعد حلمی کا رویہ یکسر بدل گیا۔ کبھی لگتا وہ اس سے خائف ہے اور کبھی لگتا کہ وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگا ہے۔

شوشو کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کس جال میں پھنسی ہے۔ حلمی اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک اہم ترین رکن تھا۔ مشرقی افریقہ کے ملک کے سفارت خانہ کی ملازمت اس کی اصل حیثیت کے لیے شیلڈ تھی شوشو کے سرپرست حلمی کی اس حیثیت سے واقف تھے اور اب اس سے اس کے محکمہ سے متعلق ٹاپ سیکرٹ دستاویزات کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن حلمی نے ایک شرط رکھی کہ اسے اس کا تبادلہ دے دیا جائے۔

نلمی ایک مضبوط جال میں پھنس چکا تھا اس کی شرط بے معنی تھی لیکن شوشو کے سرپرستوں کے لیے ایک لایعنی شرط تھی اس کی شرط تسلیم کر لی گئی۔

مطلوبہ دستاویزات سعدیہ کے اسٹیشن پر حوالہ کی جانی تھیں۔ آدھی رات کو نلمی اپنی گاڑی لے کر شوشو کی قیام گاہ پر آیا اور وہ دونوں اس اہم مہم پر روانہ ہوئے جو سب سے زیادہ شوشو کے لیے روح فرسا تھی اس کا بیٹا اس سے جدا ہونے والا تھا۔

قاہرہ کی روشنیاں نظروں سے اوجھل ہوئیں تو ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ اس نے نلمی کی چیخ سنی۔ لیکن اسے نہیں معلوم پھر کیا ہوا۔

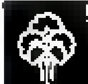
مثنی اور ان کا بیٹا زندہ بچے یا.... اس بے بی کے سوچ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک نیا مشن اس کے سپرد کر دیا گیا یعنی قصر نیل کا انتظام۔ قصر نیل خالص اسرائیلی ہوٹل تھا۔ ہوٹل تو بظاہر تھا دراصل وہ ایک جال Trap تھا عرب ممالک کی اہم شخصیتوں اور فلسطینیوں کے قتل اور اغوا کے لیے ایک بلا ضرر مقام۔ ہر نئے مسافر کو قیام کی پہلی رات کھانے کے بعد جو چائے پیش کی جاتی اس میں خواب آور دوا ہوتی پھر اطمینان سے اس کا سامان اس کے کاغذات چیک کیے جاتے۔ اس کو برہنہ کر کے اس کی ایک ایک شناخت کو پرکھا جاتا آخر وہ ان کا شکار ثابت ہوتا تو بذریعہ وائرلیس محفوظ علاقہ میں واقع ہیڈ کوارٹر کو خبر دی جاتی رات گئے سادہ کے کمانڈو آتے اور اس شخص کو بحالت بے ہوشی لے جاتے لیکن شوشو کے آخری شکار کا معاملہ الٹا تھا۔

اس کے قصر نیل میں داخلہ کے ساتھ ہی سادہ کے ہیڈ کوارٹر سے ہدایت ملی یہ شکار ان کا ہے چنانچہ اسے چائے میں خواب آور دوا تو دی گئی لیکن اس کی تلاشی کو غیر ضروری سمجھ لیا گیا۔ نیا شکار کمانڈوز کے اسٹیمر تک پہنچانے کے بعد جب شوشو لوٹی تو اس نے پہلا کام یہ سمجھا کہ کمرے سے نئے مسافر کا سامان اٹھا کر تلف کر دے پاسپورٹ مصر کا تھا۔ اس نے اسے کھولا اور چونک پڑی۔ اس پر کپکپی طاری ہوتی گئی۔ اس کا دل اس کی پسلیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔

حامل پاسپورٹ کا نام تھا۔ محمود نلمی یلایلی۔ اس نے اس کے سارے سامان کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا ہر چیز کو ٹٹولتی چومتی اور سسکتی جاتی۔ آخر اسے وہ چیز مل ہی گئی جس نے اس کے اندیشہ کو یقین میں بدل دیا۔

یہ ایک تار تھا جو نئے مسافر نے لکھ چھوڑا تھا۔ شاید صبح ہونے پر وہ اسے تار گھر لے جاتا۔ تار میں تحریر تھا۔ بابا میں نے ماما کو ڈھونڈ لیا ہے وہ یہاں ایک ہوٹل چلا رہی ہیں۔ میں وہیں مقیم ہوں فوراً آیئے۔ محمود۔




بذریعہ ای میل
گھر بیٹھے اردو بازار لاہور
سے کتب منگوانے کی بہترین سروس

ایک خودغرض شخص کی کہانی... جس
نے اپنی محبوبہ کو سفاکی سے قتل کر دیا تھا

محبوبہ کا قاتل

.....سنبل ناز

مسز جو کیس کمرے کے دروازے میں ہی ٹھٹک کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کی بیٹی قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی بہت انہماک سے اپنے آپ کو سجا سنوار رہی تھی۔ ثمینہ عرف سیما ان کی پانچ اولادوں میں سے سب سے چھوٹی بیٹی تھی اس سے بڑی تین بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ جن کی شادی ہو چکی تھی۔ سیما بہت پرکشش خوبصورت لڑکی تھی۔ اس وقت سفید سوٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آخر وہ پوچھ ہی بیٹھیں۔

آج کہاں کا پروگرام ہے؟ جو اتنی تیار ہو رہی ہو؟

امی آج میری دلی تمنا پوری ہونے والی ہے۔ رضوان کا فون آیا تھا۔ وہ آج مجھے اپنے گھر والوں سے ملانے لے جا رہا ہے۔ میں رضوان کے پاس ہی جا رہی ہوں۔

ٹھیک ہے بیٹی خدا تمہاری دلی مرادیں پوری کرے اور دنیا بھر کی تمام خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دے۔

مسز جو کیس نے بیٹی کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

چلتے وقت اس نے ماں سے کہا کہ آپ کچھ پیسے بھی دے دیجئے کچھ لوگوں کے ٹکٹ بنوانے ہیں وہ بھی لیتی ہی آؤں گی۔ مسز جو کیس نے سیف میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سیما کو دی جسے لے کر وہ باہر نکل گئی۔

جامع مسجد دہلی کے اردو بازار علاقے میں مشہور شاعر افضل پشاوری کی کافی جائیداد ہے۔ انہوں نے سات شادیاں کی تھیں جن سے ان کی تیئس اولادیں ہوئیں۔ سب سے چھوٹی یعنی ساتویں بیوی سیما کی والدہ مسز جو کیس ہیں۔ افضل پشاوری نے اپنی زندگی میں ہی اپنی بیویوں اور اولادوں میں اپنی جائیداد تقسیم کر دی تھی جس کی وجہ سے اس خاندان میں کوئی کشیدگی نہیں ہوئی۔ سب آپس میں ہنسی خوشی رہ رہے تھے۔

افضل پشاوری بھی علاقے کی ایک معزز ہستی مانے جاتے تھے۔ مسز جو کیس سے ان کی ملاقات لدھیانہ (پنجاب) میں ہوئی تھی یہ ایک عیسائی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں دونوں کی یہ محبت کی شادی لدھیانہ میں ہی ہوئی تھی۔ اس کے بعد افضل پشاوری اور مسز جو کیس جامع مسجد اردو بازار کے مکان میں رہنے لگے۔



مسز جوئیس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام افسر جاوید افضل تھا۔ مسز جوئیس نے اپنی پانچوں اولادوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ سیما کی تعلیم ابتدائی طور پر جے ڈی ٹائمر اسکول میں ہوئی تھی اور گریجویشن اس نے اپنی نخمال پنجاب سے کیا۔ پھر نرسنگ کی ٹریننگ لی۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں کے پاس دہلی آگئی۔

سیما شروع سے ہی بہت ترقی پسند خیالات کی لڑکی تھی جو اپنی محنت اور لگن سے بہت اونچے مقام پر پہنچنا چاہتی تھی۔ نرس کی ٹریننگ کے کچھ عرصے بعد ہی اسے سعودی عرب جانے کا ایک چانس ملا تو وہ سعودیہ چلی گئی۔ لیکن جس کام کے سلسلے میں وہاں گئی تھی اس میں کامیابی نہیں ملی تو چھ مہینے بعد ہی وہ دہلی واپس آگئی۔

دہلی واپس آنے کے بعد سیما نے مین پاور سپلائی کرنے کا ایک دفتر اپنے مکان کے پیچھے والی دکان میں کھول لیا۔ اس کا نام اس نے روزگار ریپلیسمنٹ رکھا جہاں سے وہ لوگوں کو عرب ممالک میں نوکری کے لیے بھیجنے لگی۔ کچھ ہی دونوں میں اس کا یہ کاروبار اچھے پیمانے پر چلنے لگا۔ مسز جو میس بھی اپنی بیٹی کی ترقی دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ انہیں اس بات پر ناز تھا کہ ان کی چھوٹی بیٹی بہت قابل اور سمجھدار لڑکی ہے اور ایک دن یہ ضرور اپنا اور اپنے باپ کا نام روشن کرے گی۔

اب انہیں رات دن صرف یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ اس کے قابل کوئی لڑکا مل جائے تو وہ اس کی شادی کے فرض سے بھی فارغ ہو جائیں لیکن سیما نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ جب مجھے شادی کی ضرورت محسوس ہوگی تو میں خود آپ کو بتادوں گی ابھی آپ کچھ نہ کریں۔

اسی دوران سیما کے بھائی افسر کو پتا چلا کہ سیما جامع مسجد کے ہی ایک لڑکے رضوان کے ساتھ بہت زیادہ دیکھی جا رہی ہے جبکہ رضوان ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے سیما سے کافی رقم بھی اینٹھ لی ہے۔

رضوان کرنا گوکل شاہ نیا محل جامع مسجد پر رہتا ہے۔ اس کے والد کا نام احسان قریشی ہے۔ رضوان پہلے گوشت کی دکانوں پر مرغی سپلائی کا کام کرتا تھا لیکن اب اس نے غازی پورہ میں مرغوں کی آڑھت کر لی ہے اور ایک کار بھی خرید لی ہے۔ افسر کو یقین ہو گیا کہ رضوان کے خاندان میں مالی اعتبار سے اتنی زبردست تبدیلی اس کی بہن سیما کے پیسے سے ہوئی ہے اس نے سیما کو پریم جال میں پھانس کر اپنا الو سیدھا کر لیا ہے۔

آخر افسر نے رضوان کے خاندان کی پوری حقیقت جاننے کے بعد ایک دن اپنی بہن سیما سے پوچھ ہی لیا۔

سیما میں جو کچھ بھی تمہارے اور رضوان کے بارے میں سن رہا ہوں اس کی سچائی میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

اوہ تو کئی دنوں سے آپ اسی لیے اتنے سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ بھائی جان آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم جس علاقے میں اور جن لوگوں کے درمیان رہتے ہیں وہ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کے گھروں میں جھانکنا اور دوسروں کے معاملات میں دخل دینا اپنا حق سمجھتے ہیں رضوان کا اور میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ باہر جانے کے خواہش مند لوگوں کو میرے پاس لاتا ہے اور میں اس کے عوض اسے کمیشن دیتی ہوں۔ اس کے علاوہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سیما نے اپنی طرف سے افسر کو یہ یقین دلانے کی پوری کوشش کی کہ ان افواہوں میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ تب افسر نے سیما کو یہ بات صاف طور پر سمجھا دی کہ اسے رضوان جیسے ان پڑھ اور غیر مہذب شخص کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت کسی بھی قیمت پر نہیں دی جائے گی۔

سیما نے بھائی کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر یہ یقین دلا دیا تھا کہ رضوان سے علاوہ بزنس ریلیشن کے اور کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ

سیما اور رضوان کے درمیان محبت کے رشتے قائم تھے اور وہ ایک دوسرے کو اپنا شریک سفر بنانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

رضوان اور سیما کے تعلق کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ ایک رشتے دار کو سعودیہ بھیجنے کے چکر میں اس کے روزگار ریلیسمینٹ میں آیا تھا اس کے بعد سے رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کے پریم جال میں پھنستے گئے سیما رضوان کی چاہت میں ایسی کھوئی کہ اسے رضوان کی حقیقت جاننے کی فرصت ہی نہ ملی۔

ایک بار ممبئی میں رضوان کا پولیس والے سے جھگڑا ہو گیا جس کے نتیجے میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ تب رضوان نے سیما کو فون کیا۔ اس کی گرفتاری کی اطلاع ملتے ہی وہ بے چین ہو گئی۔ آخر بذریعہ جہاز ممبئی پہنچی اور رضوان کو چھڑا کر دہلی لے آئی۔۔

بتایا جاتا ہے کہ سیما نے خفیہ طور پر رضوان سے نکاح بھی کر لیا تھا۔ جس کے بارے میں اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ رضوان نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بہت جلد سب کے سامنے اسے اپنی بیوی تسلیم کرے گا۔ اور اپنے گھر لے جائے گا۔ سیما کافی عرصے سے اس بات کا انتظار کر رہی تھی لیکن ابھی تک رضوان کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تھی۔ جب بھی سیما اس سے اس سلسلے میں بات کرتی وہ بہانے کر کے اسے ٹال دیتا۔

آخر سیما کے بے حد اصرار پر ایک دن رضوان نے اسے بتایا کہ میرے ماں باپ کی یہ ضد ہے کہ میں پہلے اپنی قریشی برادری کی لڑکی سے شادی کروں۔ اس کے بعد اسے طلاق دے کر تم سے شادی کروں یہ سن کر سیما سکتے میں رہ گئی۔ اس نے رضوان سے کافی احتجاج کیا لیکن اس کی ایک نہ چلی۔

دسمبر کو رضوان کی شادی میرٹھ کے رئیس احمد قریشی کی لڑکی شکیلہ سے ہو گئی حالانکہ اس شادی سے سیما کے دل کو شدید جھٹکا لگا تھا لیکن رضوان کی چاہ میں وہ اس غم کو بھی برداشت کر گئی۔ اس دوران رضوان نے سیما سے کار لینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے دوسرے دن ہی رضوان کو کار دلوا دی۔ اکثر اوقات وہ اپنے کاروبار کے لیے سیما سے رقم مانگتا رہتا تھا اور سیما بے چون چرا اس کا ہر مطالبہ پورا کرتی رہتی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں یہی بات بسی ہوئی تھی کہ میرا جو بھی کچھ ہے اس پر رضوان کا پورا پورا حق ہے جبکہ رضوان کا رویہ اس کے تئیں مخلصانہ نہیں تھا۔

ایک بار سیما غازی پور سے رضوان کے ساتھ کار میں آ رہی تھی۔ راستے میں کسی بات پر دونوں میں تکرار ہو گئی۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ اس نے کار میں ہی مار پیٹ کر اسے نیچے اتار دیا اور کار لے کر چلتا بنا۔ سیما نے کسی طرح اطلاع دے کر اپنی بڑی بہن کو بلوایا جس نے اسے اسپتال میں داخل کرایا۔ اس کی امی اور بھائی کو پتا چلا تو وہ بھی اسپتال پہنچے اسے دیکھ کر اس کی ماں اور بھائی کی آنکھوں میں غصہ سے خون اتر آیا لیکن سیما نے ماں اور بھائی کا یہ کہہ کر غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

میں رضوان کے خلاف کوئی بھی کارروائی نہیں کروں گی اور نہ ہی کسی کو کرنے دوں گی۔

اسپتال سے گھر آنے کے بعد سیما ایک بار پھر رضوان کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئی اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اس کی تمام زیادتیاں فراموش کر گئی۔ مگر اب سیما رضوان سے فیصلہ کن بات کرنا چاہتی تھی۔

29 جون کو رضوان اپنے باپ کے ساتھ سیما کے آفس میں آیا تو ان میں آپس میں خوب تکرار ہوئی اور پھر بات اتنی بڑھی کہ آس پاس کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کرایا اور دونوں باپ بیٹے غصے سے آگ بگولہ ہو کر چلے گئے۔

کچھ دیر کے بعد رضوان سیما کے پاس آیا اور جو کچھ ہوا تھا اس کے لیے معافی مانگ کر سیما سے کہا کہ اب وہ سب لوگوں کے سامنے اپنی شادی کا اظہار کرنے والا ہے۔ وہ کل چلنے کے لیے تیار رہے۔

20 جون کو جب سیما سج سنور کر جا رہی تھی تو اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ آج مجھے رضوان اپنی بیوی کے طور پر اپنے گھر لے جائے گا اور میں اس کے گھر پر اس کی بیوی کی طرح رہوں گی یہ سن کر اس کی ماں بہت خوش ہوئیں اور اسے دعا دے کر رخصت کیا۔

دوپہر کو تقریباً دو بجے سیما کا فون آیا اس نے ماں کو بتایا کہ میں پنجابی گنج کے اگروال سویٹ سے فون کر رہی ہوں۔ رضوان بھی میرے ساتھ ہے۔ میں اس کے ساتھ میرٹھ جا رہی ہوں ہو سکتا ہے آج رات کو میں واپس نہ آسکوں۔ اس لیے آپ میری طرف سے بالکل پریشان نہ ہوں۔

تین دن گزر جانے کے بعد بھی جب سیما واپس نہیں لوٹی تو ماں کو تشویش ہوئی حالانکہ اس نے فون پر ماں سے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے کوئی فکر نہ کریں مگر ایک دو دن تو ماں نے اطمینان رکھا لیکن پھر اسے گھبراہٹ ہونے لگی پھر یکایک جامع مسجد علاقے میں یہ خبر بہت تیزی سے پھیلنا شروع ہو گئی کہ سیما کو قتل کر دیا گیا۔

ان خبروں سے پریشان ہو کر اس کا بھائی افسر ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے کہ ایک دن دوپہر کو کسی گمنام آدمی نے اسے فون کر کے بتایا کہ رضوان نے نغمہ عرف سیما کا قتل کر کے اسے دہلی یوپی بارڈر کے پاس کسی جگہ پھینک دیا ہے۔ افسر کو اس بات کا اس لیے یقین ہو گیا کہ اس کی ماں نے اسے بتایا تھا کہ رضوان کے گھر والوں نے یہ کہہ کر اپنے رشتے داروں میں مٹھائی تقسیم کی ہے کہ انہیں ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات مل گئی ہے۔

مسز جومیں اپنے بیٹے افسر کو لے کر تھانہ جامع مسجد رپورٹ لکھوانے گئیں تو ایس ایچ او نے کہا کہ پہلے آپ سیما کو تلاش کر کے تصدیق کر لیں کہ یہ خبر سچ ہے تبھی ہم رپورٹ لکھیں گے۔

چاروں طرف سے مایوس ہو کر دونوں ماں بیٹے رات کے گیارہ بجے کے قریب پھر تھانے گئے تب پولیس نے سیما کے قتل کی نامزد رپورٹ درج کی۔

3 جولائی کو افسر کو پھر کسی گمنام آدمی نے فون کیا

اس نے بتایا کہ سیما کی لاش رضوان کے رشتے داروں نے صاحب آباد میں کسی جگہ پھینکی ہے۔ تب افسر اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ غازی آباد کے لنک روڈ تھانے پہنچے۔ جہاں سیما کی لاش کا پتہ چل گیا۔ انسپکٹر روشن سنگھ نے بتایا کہ صاحب آباد کے رہنے والے ایک شخص امیش کمار نے تھانے میں اطلاع دی تھی کہ لنک روڈ پر ساگر سوری کی فیکٹری کے پاس ایک عورت کی لاش پڑی ہے۔ تب پولیس نے وہاں پہنچ کر کاغذی خانہ پری کی۔ اس کی شناخت کے لیے بھی کوشش کی لیکن جب کوئی اسے شناخت نہ کر سکا تو اس کی لاش نریندر موہن اسپتال میں بحفاظت رکھوا دی۔

لاش کو دیکھتے ہی اس کی ماں اور بھائی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سیما کے دو گولیاں ماری گئی تھیں ایک سر میں اور ایک گردن میں پوسٹ مارٹم کے بعد سیما کی لاش کو ماں اور بھائی کے سپرد کر دیا گیا۔ سیما کے وارثین نے سیما کے قتل کی رپورٹ لنک روڈ پولیس تھانے میں نامزد رپورٹ درج کرانا چاہی تو داروغہ جی نے صاف انکار کر دیا کہ یہ قتل کیس ہمارے علاقے میں نہیں ہوا ہے تب سیما کی ماں اور بھائی غازی آباد کے ایس ایس پی سنندن کمار گرگ اور ایس پی راجیش کمار سنگھ سے ملنے اور انہیں مفصل حالات سے آگاہ کیا۔

اب انہوں نے نے لنک روڈ تھانہ کو مقدمہ درج کرنے کی ہدایت کی تب کہیں جا کر تھانہ لنک روڈ میں رضوان اس کے والد احسان قریشی بھائی گلفام قریشی اور عرفان قریشی کے علاوہ رضوان کے سسر رئیس قریشی وغیرہ کے نام مقدمہ درج کیا گیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ سیما کا قتل 30 جون کی رات کو کیا گیا تھا۔

11 جولائی کو رضوان ارشاد اور گلفام قریشی نے خود کو عدالت میں پیش کر دیا اس کے باوجود لنک روڈ پولیس نے اس کیس کی تفتیش میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

آخر 18 جولائی کو ایس پی راٹھور کے حکم پر روشن سنگھ نے سی جے ایم کی عدالت میں مجرموں کو ریمانڈ پر دینے کی درخواست کی جو منظور نہیں ہوئی لیکن 25 جولائی کو ڈسٹرکٹ جج مسٹر بھنور سنگھ نے درخواست منظور کر کے رضوان کو چار گھنٹے کے ریمانڈ پر دے دیا۔

ریمانڈ کے دوران سختی سے پوچھ تاچھ کرنے پر رضوان نے اعتراف کیا کہ اس نے ہی سیما کا قتل کیا ہے۔ رضوان نے تفصیل سے بتایا کہ سیما عیسائی تھی اور میرے خاندان کے لوگ اسے کسی بھی قیمت پر میری بیوی کے روپ میں قبول نہیں کر سکتے تھے جبکہ سیما بضد تھی کہ اس کو سب کے سامنے میں اپنی بیوی کے طور پر پیش کروں۔ آخر مجبور ہو کر ہم نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا اور اسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے ہم لوگ سیما کو گنگا جمنا پولٹری فارم غازی پور لے گئے اور وہیں گولی مار کر اس کا قتل کر دیا گیا۔ پھر ہم نے اس کی لاش صاحب آباد کے پاس لے جا کر پھینک دی جس کے لیے میں نے اپنی ٹاٹا سیرا کار نمبر ڈی ایل سی 7038 کو استعمال کیا۔

بچپن میں اغواء ہونے والے ایک بچے کی سچی کہانی۔ المناک حادثات لیے ہوئے

واپسی

تحریر...... شمع پروین

بات یہ ہے کہ کل میرے بیٹے لالی کی دکان پر ایک لڑکا آیا تھا۔ اس نے اپنا نام اسرار بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اسی ضلع کا رہنے والا تھا۔ لیکن برسوں پہلے اپنے ماں باپ سے بچھڑ گیا تھا۔

تم کیا کہنا چاہتے ہو بھائی طے۔ امامی خاں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

امامی بھائی کہیں وہ لڑکا تمہارا بیٹا اسرار تو نہیں ہے۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ میرا اسرار کیسے ہو سکتا ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو میرا اسرار اس دنیا سے کب کا رخصت ہو چکا ہے۔ کہتے کہتے امامی خاں کی آواز بھرا گئی۔

طے اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے بولا۔

صبر سے کام لو امامی بھائی اللہ سب کی سنتا ہے مجھے یقین ہے تمہارا بیٹا مرا نہیں زندہ ہے۔ تم ایک بار اس لڑکے سے مل کر دیکھو ہو سکتا ہے وہی تمہارا بیٹا اسرار ہو۔ ویسے وہ لڑکا کل مارکیٹ آئے گا۔

امامی سوچ میں ڈوب گیا۔ اتنے سالوں بعد کوئی اسرار کے زندہ ہونے کی خبر دے گا۔ یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا۔

ایک طرف بیٹے کی محبت اسے اس لڑکے سے ایک بار مل لینے کے لیے اکسا رہی تھی تو دوسری طرف اسرار کی موت والا واقعہ اسے پیچھے دھکیل رہا تھا۔ اس اوھیڑ بن میں سارا دن نکل گیا۔

شام کو امامی نے یہ بات اپنے بھائیوں کو بتائی۔ اسرار کے زندہ ہونے کی بات پر انہیں قطعی یقین نہیں ہوا۔ انہوں نے اسرار کو سمجھایا کہ ممکن ہے اسرار نام کا کوئی دوسرا لڑکا ہو۔ اس لیے اسے کسی کی بات کا اس طرح یقین نہیں کرنا چاہیے۔

اس رات امامی ایک لمحے کے لیے نہ سو سکا۔ آنکھیں بند کرتے ہی اسرار کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں میں گھومنے لگتا۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ ابا میں مرا نہیں میں زندہ ہوں۔ اسی طرح کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزر گئی۔

دوسرے دن امامی اپنے بھائی جبار اور ستار کو لے کر خوش بخت راے مارکیٹ آیا۔ اس مارکیٹ میں پہلے جبار کی جنجل ٹریڈیو ز نام سے ایک دکان تھی اس لیے وہ زیادہ تر دکانداروں سے واقف تھا۔ وہاں جا کر وہ لوگ طے اور لڑکے لالی سے ملے۔ لالی نے بتایا کہ وہ لڑکا محبوب اسٹوڈیو میں بیٹھا ہے۔ امامی نے جبار کے ساتھ ہی لالی کو بھیج کر



اسے بلوایا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ لڑکا آگیا۔ اماں نے اسے اوپر سے نیچے تک بہت غور سے دیکھا وہ اکہرے بدن کا سانولا سا لڑکا تھا۔ اس کی عمر بیس اکیس سال کی رہی ہوگی اس کی ناک کے نیچے بائیں طرف تل تھا، داہاں کان چھدا ہوا تھا اور دائیں پیر کے انگوٹھے پر جلے ہوئے کا نشان تھا۔ یہ سب دیکھ کر اماں کی آنکھیں بھر آئیں۔ اسے یقین سا ہونے لگا کہ وہ اس کا بیٹا اسرار ہی ہے۔ کیونکہ ایسے ہی نشان بچپن میں اس کے جسم پر بھی تھے۔ وہ اپنے بچے کو سینے سے لگانے کے لیے بڑھا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا اور اس سے پوچھا۔

بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟

اسرار۔

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

گھر تو میرا نسیم پور میں ہی ہے۔ لیکن میری پرورش نسیں میں ہوئی ہے۔ آج کل میں وہیں رہتا ہوں۔ اسرار نے بتایا۔

دراصل میں بچپن میں اپنے خاندان سے بچھڑ گیا تھا۔

نسیم پور میں تمہارا گھر کس جگہ پر ہے؟

ہمارے پور میں پنڈت ہنواری میرے باپ ہیں۔

لیکن تم تو مسلمان ہو؟ اامی نے حیرت سے سوال کیا۔

نہیں میں مسلمان نہیں ہندو ہوں۔ چونکہ مجھے ایک مسلمان نے پالا تھا اس لیے میرا نام ایسا ہے۔

یہ سن کر اامی پر اوس پڑ گئی۔ اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ نوجوان اسی کا بیٹا ہے۔ پھر اس کی بہت سی باتیں اسرار سے میل بھی کھاتی تھیں اامی نے اس سے کہا۔

بیٹا لگتا ہے تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ تم میرے بیٹے اسرار ہو؟ اسرار چونک پڑا اور بولا۔

آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

اس پر اامی نے اسے ساری باتیں بتائیں۔ جنہیں سن کر اسرار کسی سوچ میں ڈوب گیا اور اس کے دل میں بھی شبہ پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے وہ غلط جگہ پر پہنچ گیا ہو اور جنہیں وہ اپنا ماں باپ سمجھتا تھا وہ اس کے کوئی نہ ہوں۔

اامی کے کہنے پر اسرار ان لوگوں کو ہمارے پور لے آیا۔ جہاں اس نے اامی کو ہنواری کی بیوی سے ملوایا جو وہاں کہا تھا۔ اامی نے اسے جب یہ بتایا کہ اسرار اس کا بیٹا نہیں ہے تو وہ بھڑک گئی۔

تم جھوٹ بولتے ہو وہ میرا بیٹا ہے تم لوگوں نے میرے بیٹے کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر بہکا دیا ہے۔

اامی نے پنڈتائن کو بہت سمجھایا لیکن اس نے ایک نہ سنی وہ یہی کہتی رہی کہ اسرار اس کا کھویا ہوا بیٹا ہے۔ دونوں میں بہت دیر تک بحث ہوئی۔ آخر میں بڑی مشکل سے پنڈتائن اامی اسرار اور پنڈتائن کو ساتھ لے کر اپنے گھر آیا۔ اسرار کے آنے کی خبر فوراً ہی سارے محلے میں پھیل گئی۔ سبھی اسرار کو دیکھنے دوڑ پڑے دیکھتے ہی دیکھتے اامی کے گھر میں بھیڑ جمع ہو گئی۔

اامی کی بیوی کو اسرار کی شناخت کے لیے بلوایا گیا۔ اس نے سب کے سامنے اسرار کی شناخت کی شناخت کے دوران پنڈتائن نے اسرار کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ جس سے اامی کی بیوی اسے دیکھ نہ سکے پھر پنڈتائن نے اس سے اسرار کی پہچان بتانے کے لیے کہا۔

اامی کی بیوی نے اسرار کے جسم پر جہاں جو نشان تھے بتا دیے۔ دیکھے جانے پر وہ نشان اپنی جگہوں پر پائے گئے۔ لیکن پنڈتائن یہ ماننے کو قطعی تیار نہیں تھی۔ وہ اسرار کو اپنا بیٹا ہی کہتی رہی۔ اامی کی مخالفت کرنے پر اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بات پنچایت تک پہنچی۔ معاملہ طے نہیں ہو رہا تھا۔ اامی کی بیوی پنڈتائن اسرار پر اپنا اپنا حق جتا رہی تھیں۔

آخر اسرار کس کا بیٹا ہے؟ یہ جاننے کے لیے

معاملہ کی تفصیل جاننا ضروری ہے۔

قسیم پور کھیڑی کے باشندے امامی پیشے سے کسان ہیں۔ ان کے پاس 28 بیگھ کھیتی ہے چھ بھائیوں میں امامی سب سے بڑا ہے۔ جبار کو چھوڑ کر اس کے سب دیگر بھائی بھی کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ جبار ریڈیو ٹرانسسٹر کی مرمت کا کام کرتا ہے۔ ان کی کھیڑی قصبے میں خان ریڈیوز نامی دکان ہے۔ اسرار امامی کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ دونوں دوسرے بیٹے حسیب بارہ سال اور شفیق آٹھ سال۔ گاؤں کے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ اسرار پہلی اولاد تھا۔ اس لیے خاندان میں سب کا دلارا تھا۔ اسرار کی دادی تو اس پر جان چھڑکتی تھی۔ وہ ہر وقت اسرار کو اپنی چھاتی سے لگائے رکھتی تھی۔ اس لاڈ و پیار نے اسرار کو ضدی بنا دیا تھا۔ وہ جس چیز کے لیے مچل جاتا اسے لے کر ہی مانتا تھا۔

5 اکتوبر 73ء کی بات ہے شام کو امامی جب کھیت سے واپس آیا تو اسے اسرار گھر پر نہیں دکھائی دیا۔ یہ سوچ کر کہ وہ کہیں باہر کھیل رہا ہوگا۔ اس نے کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی وہ دن بھر کے کام سے تھکا ہوا تھا۔ اس لیے چارپائی پر لیٹ کر آرام کرنے لگا۔ لیٹے لیٹے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ تقریباً سات بجے اسے کھانا کھانے کے لیے جگایا گیا۔ کھانا کھاتے وقت امامی نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

اسرار نے کھانا کھالیا؟ وہ بولی۔

وہ تو کھیلنے نکلا ہے ابھی واپس نہیں آیا ہے۔

کیا ابھی تک باہر ہے اور تم سب لوگ بے فکری سے گھر میں بیٹھے ہو جاؤ جبار سے کہو اسے بلا کر لائے۔ امامی نے غصے سے کہا۔

امامی کی بیوی نے جبار کو اسے بلانے بھیج دیا۔ جبار نے اسرار کو آس پاس تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا۔ پھر جبار نے سوچا۔ ایسا تو نہیں کہ اسرار گھر میں ہی کہیں سو رہا ہو۔ وہ لوٹ آیا۔ اسرار کو گھر میں سب جگہ دیکھا گیا۔ لیکن وہ گھر میں نہیں تھا۔ اب امامی کو فکر ہوئی آخر کہاں چلا گیا۔ گھر کے لوگ اسرار کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے سبھی ممکنات مقامات پر اسرار کو ڈھونڈا۔ اس کے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں سے پوچھ تاچھ کی گئی۔ لڑکوں کا کہنا تھا کہ اس شام اسرار ان کے ساتھ کھیلنے نہیں آیا تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟

امامی گھبرا گیا۔ اسرار اتنا بڑا بھی نہیں تھا کہ اس کی کہیں دور جانے کی امید کی جا سکتی اس وقت اس کی عمر صرف پانچ سال کی تھی۔ ساری رات اسرار کی تلاش ہوتی رہی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ امامی کی ماں اور بیوی کا روتے روتے برا حال تھا۔

دوسرے دن اسرار کی تلاش میں گاؤں کے لوگ بھی شریک ہوگئے۔ آس پاس کے رہنے والے تمام رشتہ داروں سے پوچھ تاچھ کی گئی لیکن اسرار کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ان دنوں کھیڑی کے علاقے میں ایک لکڑ بگھے کا بہت زور تھا رات میں گاؤں میں گھس کر وہ مویشیوں کو مار ڈالتا تھا۔ کہیں اسرار کو..... کی سوچ کر سب کانپ جاتے تھے؟

دھیرے دھیرے تین دن گزر گئے اس شام امامی دن بھر اسرار کو تلاش کرنے کے بعد گھر لوٹا تھا تبھی ایک لڑکے نے آکر پوچھا۔

چچا اسرار کا کچھ پتہ چلا؟

نہیں بیٹا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا۔

چاچا ہمارے کھیت میں دھان کے ڈھیرے پر یہ تعویذ ملا ہے دیکھو یہ اسرار کا تو نہیں ہے؟

تعویذ دیکھتے ہی امای لرز کر رہ گیا۔ وہ تعویذ اسرار کا ہی تھا۔ تعویذ کا کھیت میں پائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ واقعہ والے دن اسرار کھیت پر تھا۔ امای سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اسرار اس کھیت میں کیوں گیا تھا' وہ کبھی وہاں نہیں جاتا تھا کہیں ایسا تو نہیں اسرار لکڑ بگھے کا شکار بن گیا ہو اور وہ اسرار کو مار کر کھیت میں گھسیٹ لے گیا ہو جہاں اس کی گردن سے تعویذ نکل کر گر پڑا ہو؟

گھر والوں کو بھی جب اس واقعہ کا علم ہوا تو کہرام مچ گیا۔ فوراً ہی یہ خبر سارے علاقے میں پھیل گئی لوگ فوراً لالٹین' ٹارچ اور لاٹھیاں لے کر اسرار کی لاش کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہوں نے ہر جگہ چھان ماری لیکن اسرار کی لاش کہیں نہیں ملی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ لکڑ بگھے نے اسرار کو مار کر کھا لیا ہوگا۔

امای کے کنبے کو اسرار کے ملنے کی امید بھی ختم ہو گئی۔ دھیرے دھیرے کئی سال بیت گئے۔ اس دوران امای دو بچوں کا باپ بن گیا اور اب ٹھیک چودہ سال کے بعد امای کے دل میں اپنے کھوئے ہوئے بیٹے اسرار کی یاد پھر تازہ ہو گئی۔ اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ اسرار کس کا بیٹا ہے۔ چودہ سالوں تک وہ کہاں رہا اور پھر ٹھیک چودہ سال بعد کیسے واپس آیا۔ اس بابت اسرار نے جو کچھ بتایا اس کے بیان کے مطابق یوں ہے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ممبئی میں پایا۔ وہاں میں حسیب خاں کے پاس رہتا تھا۔ انہوں نے ہی میری پرورش کی تھی۔ میں حسیب خاں کو ہی اپنا باپ سمجھتا تھا وہ بھی مجھے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی بات کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ وہ بھی گورے گاؤں کے ایک چپل کے کارخانے میں کام کرتے تھے۔ ان کا اس دنیا میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ کہاں کے رہنے والے تھے یہ مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔

حسیب خاں یوں تو بے حد شریف انسان تھے لیکن انہیں ایک بہت بڑا عیب تھا وہ شراب پیا کرتے تھے۔ ان کی یہ عادت اتنی بڑھی کہ وہ دن میں بھی پینے لگے اور کام پر نہ جانے کے سبب کھانے کے لالے پڑ گئے۔ اس وقت تک وہ سمجھدار ہو چکا تھا۔ اس لیے روزگار کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ زیادہ شراب پینے کی وجہ سے وہ بیمار رہنے لگے۔ میں نے ان کا بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ان کی حالت ان دنوں بہت خراب تھی۔ اس دن انہیں دوا لا کر کام پر چلا گیا۔ دوپہر تقریباً بارہ بجے میرے ایک دوست نے آکر مجھے بتایا کہ میرے والد کی حالت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے گھر بلایا تھا۔ میں گھبرا گیا۔ کارخانے سے چھٹی لے کر بھاگتا ہوا گھر پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔

بیٹا تمہیں ایک خاص کام سے بلایا ہے بیٹا مجھے لگتا ہے کہ میں تھوڑے ہی دنوں کا مہمان ہوں تم

ایک کام کرو میں نے اپنے برے وقت کے لیے رشید سیٹھ کے پاس چار ہزار سات سو روپے جمع کیے ہیں تم جاکر روپے لے آؤ۔

ان کی حالت دیکھ کر میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن ان کے کافی زور دینے پر میں رشید سیٹھ کے پاس چلا گیا اور ان سے روپے لے لیے۔ میں پیسہ لے کر لوٹ رہا تھا راستہ میں شالیمار سینما پڑتا تھا اس میں متھن چکرورتی کی فلم ڈانس ڈانس لگی تھی میرا دل فلم دیکھنے کے لیے بے قرار ہوگیا اور ٹکٹ لے کر فلم دیکھنے لگا۔

رات ساڑھے نو بجے جب فلم ختم ہوئی تو میں لوکل ٹرین سے گھر پہنچا۔ تب تک ابا کی طبیعت کافی خراب ہو چکی تھی۔ میں دوڑ کر اپنے پڑوسی امتیاز کی ماں کو بلا کر لایا انہیں والد کے پاس بٹھا کر خود ڈاکٹر کو بلانے جے جے اسپتال بھاگا۔ اسپتال کے ڈاکٹر مصروف تھے اس لیے نرس نے مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا۔ رات ساڑھے دس بجے میں ڈاکٹر کو لے کر گھر پہنچا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ میرے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ میں ان سے لپٹ کر بہت رویا' دوستوں نے مجھے کسی طرح حوصلہ دلایا' دوسرے دن میں نے ان کی تجہیز و تدفین کر دی۔

اب میں اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔ پندرہ دن گزر گئے۔ ایک دن میں امتیاز کے گھر گیا اس کی ماں مجھے بہت چاہتی تھی میری اداسی دیکھ کر انہوں نے مجھے سمجھایا۔

بیٹا صبر سے کام لو اور گھبراؤ نہیں ایک نہ ایک دن تمہیں اپنا گھر خاندان مل جائے گا۔

یہ ایک راز کی بات ہے۔ حبیب خاں کے رہتے ہوئے میں کسی طرح اسے اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھی۔ لیکن اب تو بتانا ضروری ہے۔ سنو تم حبیب خاں کی اولاد نہیں ہو' تم اتر پردیش کے لکھیم پور ضلع کے رہنے والے ہو' حبیب خاں نے مجھے بتایا تھا کہ چودہ سال پہلے وہ لکھیم پور گیا تھا وہیں تم اسے ملے تھے اور تم اپنے گھر کا راستہ بھول گئے تھے۔ حبیب خان نے تم سے تمہارا پتہ ٹھکانہ پوچھا لیکن تم سوائے اپنے نام کے اور کچھ بھی نہیں بتا سکے۔ وہ تمہیں لے کر دن بھر لکھیم پور کی سڑکوں پر بھٹکتا رہا۔ لیکن کوئی تمہیں پہچان نہ سکا چونکہ حبیب کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ تمہیں پولیس کے حوالے نہ کر کے اپنے ساتھ ممبئی لے آیا تھا۔

میں بے چین ہوگیا اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے۔ ایک ہفتے بعد ممبئی میں اپنے سارے کام نپٹا کر میں پھر لکھیم پور کے لیے روانہ ہوگیا۔ ۳ ستمبر میں میں لکھیم پور پہنچا۔ مجھے اپنے گھر کا پتہ ٹھکانہ تو معلوم نہیں تھا سو دن بھر ادھر ادھر بھٹکتا رہا' اسی دن میری ملاقات پیرا گاؤں کے علی احمد سے ہوئی۔ میں نے انہیں اپنی پوری کہانی سنائی اور ان سے مدد مانگی۔ علی احمد مجھے اپنے گھر لے گیا۔

ایک رات وہاں رہ کر میں دوسرے دن اپنے گھر کی تلاش میں تھا جس کے یہاں کوئی بچہ چودہ سال قبل گم ہوگیا ہو۔ دن بھر تلاش کرنے کے بعد کوئی کامیابی نہیں ملی۔ پیارے پور کے بنواری اور ان کی بیوی نے پیرا گاؤں جا کر مجھ سے ملاقات

مونگیر ٹاؤن کا رہائشی سالار مسعود اور اس کی چھوٹی بہن پونم نہ صرف حسن و شباب میں اپنی مثال آپ تھیں بلکہ ان کی رنگین مزاجی کے چرچے بھی عام تھے۔ ان دنوں ہرویندر کا معاشقہ راجیش اور پونم کا عاشق برمود سے چل رہا تھا اور جب بھی ان کو موقع ملتا تو سب مل کر شہوانی کے مزے لوٹتے۔ ریتا ان دونوں سے چھوٹی تھی۔ وہ ان کی ان حرکتوں سے بالکل نالاں تھی۔ دونوں بہنیں اس بات سے پریشان تھیں کہ کس طرح اپنی چھوٹی بہن کا منہ بند رکھ سکیں۔ ایک دن جب ریتا گھر پر اکیلی تھی انہیں ایک ترکیب سوجھی وہ اپنے دونوں عاشقوں کو اور ایک لڑکے مدن کو بھی گھر پر لے آئیں۔ دونوں بہنیں تو اپنے اپنے عاشقوں کو لے کر الگ الگ کمروں میں بند ہو گئیں اور مدن کو معنی خیز انداز میں اشارہ کر کے ریتا کے پاس چھوڑ گئیں۔ مدن نے دونوں بڑی بہنوں کی شہ اور تنہائی کا فائدہ اٹھا کر ریتا کو چھیڑنا چاہا لیکن ریتا اس کے لیے تیار نہیں ہوئی اور اس نے شور مچا دیا۔ دونوں بہنیں اور ان کے عاشق باہر نکل آئے ریتا نے برا بھلا کہتے ہوئے دھمکی دی کہ وہ ماں کو ساری بات بتا دے گی تو وہ گھبرا گئے۔ ریتا ہماری کارستانیوں کی چشم دید گواہ ہے اس لیے اسے ختم کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ برمود نے یہ تجویز پیش کی پہلے تو دونوں بہنوں نے اس کی مخالفت کی لیکن برمود کی دھمکیوں کے آگے انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور ان سب نے مل کر پہلے ریتا کے ہاتھ پاؤں باندھے اور پھر گلے میں رسی ڈال کر اسے لٹکا دیا۔ بعد ازاں لاش اٹھا کر قریب کے ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی تاکہ اسے خودکشی تصور کیا جائے لیکن ان کی بدقسمتی سے ایک پڑوسی یہ سب دیکھ رہا تھا اس نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے لاش برآمد کر کے دونوں بہنوں کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کا واقعہ ہے۔



کہ ان کا بھی بیٹا بچپن میں کہیں گم ہو گیا تھا میری شکل و صورت اور عمران کے بیٹے سے بہت میل کھاتی رہی۔ وہ دونوں مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر اپنے گھر لے آئے اپنے گاؤں آ کر انہوں نے میرے ملنے کی خوشی میں پوجا کروائی اور مٹھائی تقسیم کی۔ میں بھی خوش تھا کہ مجھے اپنا گھر مل گیا وہ میرا نام بدل کر کوئی ہندوانہ نام رکھنے کے بارے میں غور کر رہے تھے کہ میرے ساتھ ایک اور کہانی وابستہ ہو گئی۔

اب آخر میں اپنے صحیح مقام پر آ پہنچا ہوں۔ الائی ہی میرے والد ہیں میرے جسم کے نشان میری ممی نے پہچان لیے ہیں۔ ماں باپ کو اپنی اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے تبھی تو چندا آنٹی مجھے چھوڑنے پر تیار نہیں ہو رہی تھیں۔ یہ تو بڑے بزرگوں کی کوشش تھی کہ وہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اب میں اپنے گھر میں ہوں اور خوش بھی۔



عائشہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائشہ جبیں

اس عنوان کے تحت ہمیں "گھریلو ٹوٹکے" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کریں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

لکھیں: عائشہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

کریم اچھی طرح پھینٹیں

اگر کریم اچھی طرح پھینٹنے میں نہیں آ رہی ہے تو اس میں انڈے کی سفیدی ملا دیں اور پھر پھینٹیں۔ چند تاہیے میں کریم اچھی طرح مکس اپ ہو جائے گی دو کپ کریم کے لیے ایک انڈے کی سفیدی کافی ہے۔

☆ شازیہ انصاری۔ سلانوالی ضلع سرگودھا

چھپکلی سے نجات پائیں

چھپکلی سے نجات پانے کے لیے اپنے کمرے میں موجود پردوں کے کناروں پر انڈے کے چھلکے لٹکا دیں۔ چھپکلی کمرے میں نہیں آئے گی۔

☆ صائمہ کرن۔ ملتان

اگر میز پر دائرے بن جائیں......

عموماً یہ ہوتا ہے کہ چائے کی پیالی یا پانی کے گلاس کی وجہ سے میز پر دائرے سے بن جاتے ہیں۔ انہیں صاف کرنے کے لیے پہلے تو ہلکا سا ریگ مال ماریں یا پھر اخباری کاغذ...... اس کے بعد سگریٹ کی راکھ میں چند قطرے کوکنگ آئل ملا کر اس پر رگڑیں۔ دائرے صاف ہو جائیں گے۔

☆ روحی سرور۔ گوجرانوالہ

پریشر ککر کو اچھی طرح صاف کریں

پریشر ککر کو اچھی طرح صاف کرنے کے لیے اس کے اندر پرانا اخبار ڈالیں اور دو گلاس پانی بھی ڈال دیں اور رات بھر کے لیے چھوڑ دیں۔ صبح صابن سے اسے اچھی طرح دھولیں۔ یہ بالکل صاف اور نئے جیسا ہو جائے گا۔

☆ انعم۔ سیالکوٹ

اگر ناک بہہ رہی ہو تو......

ناک بہہ رہی ہے پریشان نہ ہوں۔ توے پر پانچ سے چھ عدد لہسن کے جوئے ایک چائے کا چمچ اجوائن اور ایک چائے کا چمچ ہلدی پاؤڈر گرم کریں اور اس کے دھوئیں کو سانس کے ذریعے اندر لیں۔

☆ مریم ناز۔ اسلام آباد

ساڑھی کے فال کھل جائیں تو......

ساڑھی کے فال جو اچانک کھل جائیں تو اسے فوراً قابو کرنے کے لیے فال کو ان کی جگہ پر رکھ کر انہیں اسکاچ ٹیپ سے چپکا دیں۔

☆ امبرین۔ کراچی

☆☆

پیغامات کوپن ماہ ستمبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے ذریعے سے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ سچی کہانی لاہور کے متعلق آپ ہمیں اپنی آرا بھی دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 سے زیادہ لائن پر مشتمل نہ ہو۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

انچارج پیغامات ...... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

میرا پیغام محبت ہے......!

پیارے قارئین!

آیئے دکھ بانٹ کر ہم زندہ رہنے کا جواز نکالیں۔

اس دنیا کو نفرت کی نہیں بلکہ امن' محبت' خلوص اور دوستی کی ضرورت ہے۔ کاش! ایسا ہو کہ میں دکھی دنیا کے تمام دکھ بانٹ سکوں اور دکھی لوگوں کو گلاب جیسی مہکتی نایاب دوستی کا تحفہ پیش کروں...... کاش! میں اس دنیا میں امن اور سکون پیدا کر سکوں...... کاش! میں تنہا اور دکھی لوگوں کے لیے مشعل راہ اور امید کی ایک چمکتی کرن بن جاؤں...... کاش! میں کسی بے سہارا کا سہارا بن کر اس کی اداس اور پریشان زندگی کے دکھوں کو قہقہوں اور مسکراہٹوں میں تبدیل کر سکوں......

"زندگی بہت خوبصورت ہے" لیکن اس کی خوبصورتی کو محسوس کرنے کے لیے انسان کا "اندر" خوبصورت ہونا ضروری ہے۔ زندگی کی خوشیوں اور خوبصورتیوں کو حاصل کرنے کے لیے ایک مہربان اور خوبصورت دوست ہونا بہت ضروری ہے جو کہ دکھ سکھ کا ساتھی اور راز دار ہو۔ تنہا انسان کی زندگی ویران اور کھنڈر دکھائی دیتی ہے جس کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔ آیئے ہم دنیا کے دکھ بانٹ لیں اور دنیا کو محبت' دوستی' بھائی چارے اور وفا کا پیغام دیں۔ تمام دنیا سے تنہا خواتین وحضرات کو ایک تاحیات' مضبوط' پاکیزہ' روحانی دوستی کا بے لوث اور مخلصانہ تعلق قائم کرنے کے لیے دعوت عام ہے۔ یہ پیغام محبت صرف سچے لوگوں کے نام ہے۔ نوسر باز یا ٹائم پاس حضرات زحمت گوارا نہ کریں۔ صرف سچے اور سیریس لوگ بذریعہ SMS رابطہ کریں۔ جواب لازماً ملے گا۔

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

☆☆☆

پیغام عرفان کھوسٹ کے نام

میں آپ کا بڑا مداح ہوں ۔آپ کے مزاج اور مزاح سے بہت متاثر ہوں۔ "اندھیرا اجالا" میں آپ نے بہت اچھی اداکاری کی جو ہر ایک نے بہت سراہی کافی عرصہ سے آپ ٹی وی اسکرین سے غائب ہیں۔ آپ سے ریکوسٹ ہے کہ کسی ڈرامے میں اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔آپ کے بولنے کا انداز بہت عمدہ ہے۔

پلیز! زیادہ سے زیادہ ڈراموں میں حصہ لیں تاکہ ہم آپ کی پرفارمنس سے لطف اندوز ہوسکیں اور ناظرین کی ترستی ہوئی آنکھوں کی پیاس بجھ سکے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری

بمعرفت ذکریا منس اولڈ بکسٹرا لنگ لوہاری گیٹ ملتان

☆☆☆

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے ۔ جس کی عمر 12 سے 15 سال ہو۔ مجھے فون یا SMS کرے۔

☆ اے رشید موبائل نمبر 0044-7922838325

لندن

☆☆☆

ذرا سوچیئے ...... ہم کون ہیں؟

ابھی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ شروع نہیں ہوتا لیکن ہم مصنوعی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کا بازار گرم کر کے معاشرے میں قحط برپا کر دیتے ہیں۔ عام آدمی پھلوں' گوشت اور ضروریات زندگی کو ترس کر رہ جاتا ہے۔زکوٰۃ کے نام پر غریبوں کا حق ہم مارتے ہیں۔مزدوروں کا خون چوستے ہیں۔کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرتے ہیں۔جعل سازی کرتے ہیں۔روزے کا تقدس مجروح کرتے ہیں۔اسلامی قوانین کی ڈنکے کی چوٹ پر نفی کرتے ہیں۔بے حیائی اور ناانصافی کا دور دورہ ہے۔حقوق العباد کا خیال نہیں رکھتے ۔دوسروں کا احساس نہیں کرتے' خوف خدا نہیں کرتے کمزوروں پر ظلم کر کے نہ صرف ان کی جائیدادیں چھینتے ہیں بلکہ غریبوں کی عزتوں سے بھی کھیلتے ہیں۔ انسانوں سے جبری مشقت بھی لیتے ہیں۔انسانیت کی تذلیل کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔نماز نہیں پڑھتے اور حق حلال کی روزی کمانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ باپ کے نافرمان ہیں لیکن بیوی کی اطاعت ضروری سمجھتے ہیں۔ماں کے نافرمان اور مادر پدر آزاد ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور تاریخ کو فراموش کرنے والے ہم کون ہیں......؟

قارئین......! کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہم کون ہیں......؟؟

اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں انصاف کا یہ عالم ہے کہ تھانوں میں مظلوم ہمیشہ زمین پر اور ظالم صوفے پر بیٹھا کولڈ ڈرنک پی رہا ہوتا ہے۔جیلوں میں بند اکثریت سرمایہ دار جاگیردار طبقے کے بے اوب لوگوں کی ہے۔جو کوئی جرم کیے بغیر بھی لمبی قید بھگت رہے ہیں۔مردہ گوشت سر عام فروخت کیے جانے کے واقعات تو عام ہیں لیکن اب ایک نیوز چینل پر خبر دیکھی ہے کہ گدھے کا گوشت انسانوں کو کھلایا جا رہا ہے۔فروخت عام ہے۔

خدارا..... کچھ خدا کا خوف کریں۔ کیا آپ لوگ مسلمان ہیں..... ؟ اسلام تو عمل کا نام ہے اور انصاف، محبت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ ذرا سوچیے..... ہم کون ہیں..... ؟ مسلمان ہو، تو وہ کی بات ہے ہم تو انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں اور انسانیت کے نام پر ایک دھبہ بنے کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ لالچ، ہوس زر، خود غرضی نے ہمیں مردہ ضمیر بنا دیا ہے اور ہم ذہنی پسماندگی کا شکار ہو کر اخلاقی جرائم کا حصہ بن چکے ہیں۔ کہلاتے ہیں مسلمان لیکن اعمال بد سے بدتر ہیں..... ! کون نہیں جانتا کہ مساجد کے حجروں اور درس گاہوں میں کیا ہوتا ہے اور کون کرتا ہے..... ؟ مذہب کو بدنام کرنے والوں اور مذہب کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ساتھ زیادتیاں کرنے والوں کو بالکل معاف نہیں کرنا چاہیے۔ ایک دو واقعات تو ایسے بھی مشاہدے میں آئے ہیں کہ عالم صاحب تعلیم دیتے دیتے اپنی طالبہ پر دل ہار بیٹھے اور بعد میں اسی سے شادی کر لی۔ ایسے واقعات کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتے عوام الناس کے لیے..... !

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دل سے توبہ استغفار کریں اور اچھا انسان بننے کی کوشش کریں۔ سچا مسلمان اور محب وطن پاکستانی بنیں۔ خدا ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

☆ چوہدری محسن بشیر
موبائل نمبر 0300-6242575 گجرات

☆☆☆

عورتوں کے نام

آج کی عورت میں وفا نہیں ہے یہ میں اپنے تجربے کو مدنظر رکھ کر لکھ رہا ہوں حیرت ہے ہیر سسی' سوہنی' انارکلی' شیریں کی نسل کو کیا ہو گیا۔ وہ عورت جو محبت کے لئے کچے گھڑے پر چناب کی لہروں میں کود گئی صرف اس لئے کہ اس کا عاشق اس کا محبوب چناب کے پار اس کا منتظر تھا وہ عورت جو تھل کے ریگستان میں سسک سسک کر مر گئی وہ عورت کہاں ہے آج کی عورت کو کیا ہو گیا ہے اس کی وجہ کیا ہے لاکھ کوشش کے باوجود میں نہیں جان سکا۔

آج ہر مرد سے پوچھ لیں وہ کسی نہ کسی عورت کی محبت میں جل رہا ہے مگر عورت نئے شکار کو لئے اپنی راتیں گرم کر رہی ہیں آخر یہ سب کیا ہے مریم کی بیٹی ایسی تو نہیں تھی' گاؤں گاؤں شہر شہر میں عورت عورت ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے ہیرا منڈی شہروں کی فٹ پاتھوں اور پارک کے بنچوں تک پھیل گئی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

﴿ایم ریاض حسین ----- ایبٹ آباد﴾

سچی کہانی کے قارئین کے نام

میں ان دوستوں سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ جو مخلص ہوں۔ میں تنہائی میں اکثر خود سے باتیں کرتا ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرا بھی اچھا دوست سا ہو..... جو ہر دکھ درد میں میرا شریک ہو..... نہ جانے کیوں دل مرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس زندگی میں تنہا رہنا بڑا مشکل ہے اچھے اور وفادار دوستوں کی تلاش ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی عمر بھر ساتھ نبھانے والا دوست ہو جو دوستی کو سمجھے..... دوستی ایک پاکیزہ رشتہ ہے قارئین رابطہ کریں۔

☆ ملک علی رضا' P-1590' ثنا کالونی' فیصل آباد
موبائل نمبر 0300-8664070
0333-4170986

☆ حاسدوں کا پراپگنڈا ☆

صفدر علی ۔۔۔ شجاع آباد

سوال = جو بھی میرے اپنے تھے اب حاسد و دشمن بن چکے ہیں تمام رشتہ داروں میں میرے خلاف غلط قسم کا پراپگنڈا کرتے ہیں جس سے میری عزت میں فرق آ رہا ہے۔ انھیں بہت سمجھایا مگر وہ باز نہیں آتے ذہنی پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر وقت باوضو رہا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "11 مرتبہ **سورۃ الفلق**" مکمل پڑھیں اور سب رشتے داروں کا تصور باندھ کر پھونک مار دیں۔ ہر منگل کو صدقہ بھی ادا کیا کریں۔ مدت عمل 27 روز ہے ☆

☆ ... جسم پر ظلم ... رہا ہے ☆

... طاہر ... ۔۔۔ ... شفیع

سوال = بظاہر تمام عزیز رشتے دار بڑے خلوص اور اخلاق سے ملتے ہیں مگر اندر سے ہمیں تباہ کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ سب کچھ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بہت پریشانی ہے خدا کے لیے راہنمائی فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر

انوار کو صدقہ بھی ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "99 مرتبہ **یا قادر یا قدیر یا قیوم**" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاندی کی 10 تاریخ سے لے کر 30 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشا سے شروع کریں ☆

☆ میرا ... جسم کانپتا ہے ☆

... حسین ۔۔۔ ... پور

سوال = کام کرتے وقت رات کو سوتے وقت اچانک دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی گاڑی چل رہی ہو ... بہت سے ساتوں سے رابطہ کیا ... بذات بھی لیے مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں۔ سیر کو اپنا معمول بنائیں اور نماز فجر کے بعد "313 مرتبہ **وللہ علی کل شئی قدیر**" (**سورۃ آل عمران** آیت نمبر 29) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاندی کی 9 تاریخ سے لے کر 29 دن تک جاری رکھیں ☆

☆ میرا ... ☆

خالد ... ۔۔۔ نواب شاہ (سندھ)

سوال = میرے خاوند نشہ کرتے تھے انھوں نے گھر کی تقریباً ہر چیز بیچ دی تھی اولاد اب جوان ہو چکی تھی۔ خدا گواہ ہے بہت ہی زیادہ پریشانی تھی خاوند کی وجہ سے کہیں بھی بچوں کے رشتے طے نہیں ہو رہے تھے میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں تمام عملیات جو میرے لیے کرنا ناممکن تھے خود انھوں نے کیے۔۔۔ جس کی وجہ سے میرے خاوند نشہ کرنے سے باز آ گئے ہیں اور میرا گھرانہ جو بکھر رہا تھا ایک مرتبہ پھر آباد ہو گیا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنے جیسی دکھی بہن کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی خالدہ پروین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا خاوند راہ راست پر آ گیا اور نشہ جیسی بری عادت بھی چھوڑ دی ہے اب آپ کا گھرانہ ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ زندگی بسر کر رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ سب کو سلامت رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ☆.....

اسمائے الحسنیٰ

کامیابی کا راستہ

کیا آپ بے اولاد ہیں؟ اولاد ہو کر مر جاتی ہے یا معذور پیدا ہوتی ہے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔ ہم دنیا کے قدیم پراسرار علوم کے ذریعہ سے آپ کی مکمل راہنمائی کریں گے۔ خالق کائنات آپ کو ضرور نیک اور صالح فرزند عطا فرمائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ..... ☆

☆ تعویذات ب... ☆

محمد یونس ... راولپنڈی

سوال = رات کو رقم ... رکھتے ہیں صبح کو اس میں سے تھوڑی رقم غائب ہو جاتی ہے حالانکہ چابی میرے پاس ہوتی ہے بہت کوشش کی چور پکڑنے کی مگر ناکام رہے کسی نے بتایا کہ یہ جنات کا کام ہے۔ پھر ہم نے بہت سے سیانوں اور عاملوں سے رابطہ کیا مگر مسئلہ حل نہ ہوا آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اور گندے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز ... [illegible]

اولاد (خاص کر اولاد نرینہ) کے لیے پریشان بہن بھائیوں کے لیے آپ ... دوری پر موجود ہوں۔ فون ملایئے اور آزمایئے۔ کامیابی یقینی ہوگی۔

مرتبہ "یا ذوالجلال والاکرام" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 4 تاریخ سے لے کر 24 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆☆

☆☆ زیادہ محنت کرتا ہوں مگر......؟ ☆☆

طارق محمود ۔ رحیم یار خان

سوال = دن رات محنت کرنے کے باوجود غربت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا۔ جو بھی کسی نے بتایا وہی کیا مگر نتیجہ کچھ نہ ملا۔ اب حالات ابتر ہو چکے ہیں۔ خدا کے لیے میری راہنمائی فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے برے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر اتوار کو گوشت کا صدقہ ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "101 مرتبہ یا رزاق یا حق شر فائیل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 10 تاریخ سے لے کر 30 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆☆ بہنوں کی شادی طے نہیں ہو رہی تھی ☆☆

ثاقب حسین ۔ میانوالی

سوال = میرے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ میری بہنوں کی شادی طے نہیں ہو رہی تھی بہنوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں جب بھی کوئی رشتہ طے ہونے کے قریب ہوتا کوئی نہ کوئی رکاوٹ آ جاتی تھی۔ خدا گواہ ہے کہ میری راتوں کی نیند اڑ چکی تھی۔ بہنیں والدین کے بعد میری ذمہ داری تھی میں بہت گھبرا رہا تھا۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے مشکل ترین تمام عملیات خود کیے...... جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ جن کی بدولت میری دو بہنوں کی شادی طے ہو گئی ہے اب میں اپنے آپ کو پرسکون محسوس کرتا ہوں اور سب کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆☆

جواب = محترم ثاقب حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی بہنوں کی شادی طے ہو گئی دعا ہے کہ اللہ پاک! ان کو اپنے اپنے گھروں میں سدا سکھی رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆مرض بڑھ رہا ہے☆

(محمد شہزاد .... لیہ)

سوال = جوں جوں دوا کھا رہا ہوں مرض بڑھ رہا ہے تکلیف بہت ہی زیادہ ہے اب تو کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ بہت سے علاج بھی کروائے مگر شفا نہیں ملی ۔آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اور گندے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر اتوار کو گوشت کا صدقہ بھی ادا کریں ساتھ پابندی نماز کریں اور نماز فجر کے بعد "11 مرتبہ الـر تـلـك ايـات الـكـتـاب الـمـبـيـن O الـرحـيـم الـرحـيـم الـرحـيـم" سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھیں اور 41 دن تک نہار منہ پانی پر دم کر کے پئیں ☆

☆خیر از جنگ ہو رہا ہے☆

(الطاف حسین .... نیکسالا)

سوال = ہر کام میں ناکامی الجھنوں اور پریشانیوں نے چاروں اطراف سے گھیر لیا ہے۔ عجیب و غریب ماحول بن گیا ہے ۔بہت سے باباؤں سے رابطہ کیا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔خدا کے لیے راہنمائی فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "130 مرتبہ یٰسین بحق سر کیتا تیز" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 14 تاریخ سے لے کر 24 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆شوہر غیر عورتوں سے تعلقات رکھتے تھے☆

(راشدہ بی بی .... گجرات)

سوال = میرے شوہر گھر کی طرف [illegible] نہیں دیتے تھے بلکہ غیر عورتوں سے تعلقات رکھتے تھے۔ سب نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے۔ میرے شوہر اچھا بھلا کماتے ہیں وہ سب غیروں پر خرچ کر دیتے تھے ۔خدا گواہ ہے کہ بہت پریشانی تھی ۔میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بڑی ہمدردی اور خلوص دل سے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ بہت ہی مشکل تھے انھوں نے خود کیے...... جن کی بدولت میرے خاوند راہ راست پر آ گئے ہیں اب میرے شوہر میرا اور بچوں کا بڑا دھیان رکھتے ہیں میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو [illegible] دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی آپ [illegible]

[illegible] اگر طلاق کا مسئلہ ہے تو فوراً حل ہوگا۔ بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں ۔فون ملائیے اور آزمائیے ۔کامیابی یقینی ضرور ہوگی ...

کے حل کے لیے" آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بہن راشیدہ بی بی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹتا ہوا اور بکھرتا ہوا گھر دوبارہ بن گیا ہے سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آپ کا خاوند راہ راست پر آ گیا ہے اب آپ کا اور بچوں کا بہت خیال رکھتا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ سب میری ہی مخالفت کرتے ہیں ☆

☆ محمد ابراہیم .... شیخوپورہ ☆

سوال = تمام رشتہ دار عزیز سب کے سب میری ہی مخالفت کرتے ہیں۔ نہ جانے ان کو ایسا کر کے کیا ملتا ہے......؟ میں کوئی بھی بات کروں بس ان کا کام ہے مخالفت کرنا...... مجھے بدنام کر کے رکھ دیا ہے آپ خدا کے لیے مجھے اس پریشانی سے نجات دلائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد" 72 مرتبہ **سورۃ اخلاص**" پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل 40 دن تک جاری رکھیں ☆

☆ ہر بات بھول جاتا ہوں ☆

☆ محمد رمضان .... کھاریاں ☆

سوال = میری یادداشت دن بدن کمزور ہو رہی ہے اکثر چیزیں رکھ کر بھول جاتا ہوں اور کئی مرتبہ اس وجہ سے بہت ہی زیادہ نقصان بھی اٹھایا ہے۔ بہت سے علاج کروائے' بہت سے تعویذات بھی لیے مگر افاقہ نہیں ہوا۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد" 110 مرتبہ **یا قاف یا قادر بحق عطرائیل**" پڑھیں اول و آخر تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاندکی 3 تاریخ سے لے کر 23 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ نوبت طلاق تک پہنچ چکی تھی ☆

☆ غلام علی .... کراچی ☆

سوال = میری ازدواجی زندگی تباہ و برباد ہو چکی تھی اور نوبت طلاق تک آ چکی تھی۔ نہ ماں' نہ بہن' نہ بیوی میری بات کو سنتی اور نہ سمجھتی تھی۔ ہر روز نئی بات پر جھگڑا رہتا تھا ہر وقت کی کل کل سے تنگ آ چکا تھا۔ میں نے" ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب)

اولاد کی نافرمانی سے معاشرے میں لاچار اور مجبور بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملایئے اور آزمایئے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

سے رابطہ کیا انھوں نے بڑے مشکل ترین تمام عملیات خود کیے۔۔ جن کی بدولت میرا گھرانہ تباہ ہونے سے بچ گیا ہے۔ اب میرے گھر میں ہر طرح کا سکون ہے تمام اہل خانہ اپنی اپنی جگہ پر خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں یہ سب کیسے ممکن ہوا۔۔۔؟ ہم تو دن رات "آپ" کو دعائیں دے رہے ہیں کہ اللہ پاک! آپ کو مزید ترقی دے (آمین) ☆

جواب = محترم غلام علی صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا گھر پھر سے آباد ہو گیا کیونکہ گھر تو جانوروں کو بھی پسند ہے آپ تو پھر انسان ٹھہرے۔ آپ کا گھرانہ بالکل ختم ہونے کے قریب تھا اور علیحدگی (طلاق) ہونے والی تھی۔ اللہ پاک! کی رحمت سے آپ کا گھرانہ ایک مرتبہ پھر آباد ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ سب کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔۔۔ ☆

☆ گھر سے لڑائی جھگڑا ختم نہیں ہوتا ☆

☆ محمد اکرام — لالہ موسیٰ ☆

سوال = ہمارے گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے اگر گھر میں خاموشی ہو تو عجیب بیکاری ہو جاتی ہے نہ جانے ایسا کیوں ہوتا ہے۔۔۔۔ بہت سے سیانوں سے رابطہ کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ گھر میں قرآن خوانی کروائیں ساتھ پابندی نماز کریں یا ہر نماز کے بعد بکثرت درود شریف ضرور پڑھیں اور نماز کے بعد "72 مرتبہ **واللہ غفور رحیم**" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اور دعا کریں یہ عمل چاند کی 7 تاریخ سے لے کر 27 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆میں زندگی سے مایوس ہو چکی تھی☆

فروا بتول — راولپنڈی

سوال = اولاد نہ ہونے کی وجہ سے خاوند اور سسرالیوں کا رویہ ناقابل برداشت تھا میں ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی۔ میں زندگی سے مایوس ہو چکی تھی ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بچی کہتے ہوئے تمام عملیات جو کہ بہت مشکل تھے وہ انھوں نے خود کیے.....اللہ پاک کی مہربانی اور نظر عنایت سے آج میں صاحب اولاد ہوں اب تو میں سسرال میں سب کی آنکھ کا تارا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ اولاد کے بغیر عورت کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ میں ہر دن رات "آپ" کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ہے۔

جواب = بیٹی فروا بتول صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ صاحب اولاد ہوئی اور آپ پر جو "بندش اولاد" کے جو اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک "آپ" کو اور آپ کے بچے کو صحت و تندرستی عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ☆

☆سب کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے☆

محمد گلزار — دیپالپور

سوال = ہمارے پاس بہت کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے۔ بڑا گھر، نوکر چاکر، دولت ہے یوں کہہ لیں کہ جو چیز چاہوں خرید سکتا ہوں۔ مگر سکون نہیں ہے۔ ہر وقت پریشانی رہتی ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = محترم محمد گلزار صاحب! آپ نے لکھا ہے میرے پاس بہت کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے۔ اگر آپ سکون کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کریں۔ ایک بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ خدمت کروانا بہت آسان ہے لیکن خدمت کرنا بہت مشکل ہے۔ خدمت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے خدمت کرنا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ تو محترم آپ آج سے بلکہ ابھی سے اللہ کے بندوں کی خدمت کو اپنا شعار بنا

جو قارئین شدید پریشانی [illegible] سے مجبور ہیں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے [illegible] ہے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ

لیں اور پابندی نماز کریں۔ لوگ دولت' مال اکٹھا کرتے ہیں اور فتنہ اولاد کے لیے چھوڑ جاتے ہیں یہ بات شرمندگی کی ...... مگر اللہ والے اللہ کی راہ پر خرچ کرتے ہیں یہ بات بے بندگی کی۔ ☆

☆ بد تمیز اولاد کی وجہ سے...... ☆

وسیم محمود .... کوٹلی (AK)

سوال = میری تمام کی تمام اولاد بد تمیز تھی ہماری اولاد اپنی مرضی کی تھی۔ دنیا جہاں کے عیب میری اولاد میں تھے ہم تو معاشرے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں تھے۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بڑے خلوص اور محنت سے ہمارے لیے مشکل ترین تمام عملیات خود کیے...... جس کی بدولت آج میری وہی اولاد ہماری فرمانبردار اور قابل تعریف بن چکی ہے۔ اب لوگ ہماری مثال دیتے ہیں کہ "دیکھو وسیم محمود کی اولاد کتنی لائق اور اپنے والدین کی کتنی تابعدار ہے۔" یہ سب "بجو" آپ" کی مہربانی سے ہوا ہے۔ میں اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم وسیم محمود صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی باقی بد تمیز اولاد آپ کی تابعدار اور فرمانبردار ہو گئی ہے آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں اور روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ عجیب و غریب پھوٹ ☆

عاشق حسین .... پوا سیدن شاہ

سوال = پہلے ہمارا گھرانہ ایک مثالی گھرانہ تھا گھر کا ہر فرد ایک دوسرے کی بہت عزت کرتا تھا اب نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے اب گھرانے کے تمام افراد ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے بلکہ ہر وقت طوفان بدتمیزی برپا رہتا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی عمل تجویز فرمائیں؟

جواب = گندے اور سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "110 مرتبہ یا عجیب یا سمیع لوسب تبل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ ہر طرف سے بربادی ہو رہی ہے ☆

شہزاد احمد ــ باجی نعیم (BELGIUM)

سوال = چاروں اطراف سے بربادی ہو رہی تھی بیٹے کو سٹور بنا کر دیا مگر اس نے سب کچھ برباد کر دیا۔ میرے پاس تین سٹور ہیں جو آہستہ آہستہ کر کے ختم ہونے جا رہے تھے ...... ملازمین بھی میرے پاس کام کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ پردیس میں رہتے ہوئے بہت پریشان تھا۔ اچانک میرے ایک پاکستانی دوست نے "آپ" کے بارے میں بتایا۔ میں نے آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے میرے لیے وہ تمام عملیات خود کیے...... جو میں نہیں کر سکتا تھا جن کی بدولت میرا کاروبار ایک بار پھر سنبھل گیا ہے۔ سٹور بھی ٹھیک چل رہے ہیں اور میرا بیٹا بھی اب اپنے سٹور پر دھیان رہتا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = محترم شہزاد احمد صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات ختم ہوا اور کالے علم کے اثرات کا بھی خاتمہ ہوا۔ آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے شاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ......☆

☆ قرضہ دن بدن بڑھ رہا ہے ☆

محمد منیر ــ جہلم

سوال = بہت محنت کرتا ہوں مگر قرضہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ قرضہ دن بدن بڑھ رہا ہے ہر قسم کی کوشش کر کے دیکھ لی ہے مگر بے سود۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدنظر کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر وقت پاک و صاف رہیں اور باوضو رہنے کی کوشش کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "11 مرتبہ بسم اللہ شریف کے بعد سورۃ الکوثر پڑھ کر کام کرنے والی جگہ پر پھونک دیں۔ مدت عمل 24 روز ہے☆

☆ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا ☆

محمد حنیف ــ سکھر

سوال = گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا ہونے کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون تباہ و برباد ہو گیا ہے ہر وقت کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ بچوں کو اور بڑوں کو بھی بہت سمجھایا مگر وہ عقل کی بات سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے بلکہ جوان کو سمجھائے اس

کی بے عزتی کر دیتے ہیں۔ آپ سے التماس
ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد" 121 مرتبہ **یا مہیمن یا باسط یا باقی**" پڑھیں اول و آخر تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 5 تاریخ سے لے کر 25 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء" سے شروع کریں ☆☆

☆ مخلوق خدا کی خدمت ☆

ماجد علی .... ابوظہبی

سوال = میں موذی مرض میں مبتلا تھا بیماری ڈاکٹروں کی سمجھ سے باہر تھی۔ بہت علاج کروائے پیسہ پانی کی طرح بہایا مگر کسی بھی طریقہ علاج سے شفاء نہیں ملی۔ "ماہنامہ سچی کہانی" ایک دوست نے دیا تھا اسے پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے وہ تمام عملیات خود کیے...... جو کہ میں بیرون ملک ہونے ہوئے نہیں کر سکتا تھا۔ اور مجھے گیارہ عدد نقوش پانی میں حل کر کے پینے کو دیے۔ ان کی بدولت اللہ پاک! نے مجھے شفاء دی۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے بیمار بہن بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم ماجد علی صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کو نہ سمجھ آنے والے مرض سے شفا ملی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو تندرستی عطا فرمائے اور آپ کو مزید خوشیاں نصیب فرمائے (آمین)۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ...... ☆

☆ سبق یاد نہیں رہتا ☆

مدثر علی .... لاہور

سوال = دن رات محنت سے سبق پڑھتا ہوں۔ مگر سبق یاد نہیں ہوتا۔ چند ماہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ پڑھائی میں دل نہیں لگتا" والدین غریب ہیں بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = "بندش تعلیم" کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "101 مرتبہ **یا حافظ یا حفیظ**" پڑھیں اول و آخر تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں۔ پانی پر دم کر کے پئیں۔ مدت عمل 31 روز ہے ☆

آپ کا اپنا ☆ خادم انسانیت
(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ
شاہین چوک پی ٹی سی ہوٹل گجرات
(0300-6493614)

پرائز بانڈز کی دنیا

تحقیق ... چاند بابا

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ... حیدرآباد ... ڈرا نمبر 59 ... 01-09-2014 ... 40000

00	081	082		180	204	280		600	75
01	10	18	21	0	2	30	35	54	80
02	12	19	22	8		32	46	64	81
03	14	20	28	0	1	33	50	66	82
08	0810	0821		1800	2800	3312		6514	90

شہر ... فیصل آباد ... ڈرا نمبر 59 ... 15-09-2014 ... 200

06	135	330		423	531	639		936	72
13	20	35	40	1	9	53	59	63	91
15	26	36	51	3		54	60	65	93
16	31	39	52	6	5	56	61	69	95
19	1356	5316		6395	9361	9514		9782	96

انعامی مبلہ

تحقیق ..... بابا راؤ شاد

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر حیدرآباد ڈرانمبر 59 .. 01-09-2014 40000

01	089		176		485		584	903	980	89
02	09	40	48	5		9	52	59	80	90
04	26	42	49		8		54	65	84	94
05	29	45	50	0		4	58	73	85	95
08	0894	1068	3766		4850		5840	9805		98

شہر فیصل آباد ڈرانمبر 59 .. 15-09-2014 200

00	043		164		247		265	340	742	58
02	10	21	27	3		7	32	37	43	70
03	14	23	30		4		33	40	47	72
04	20	24	31	2		0	34	42	51	73
07	0432	1333	2470		2651		3402	7423		74

قسمت اپنی اپنی

تحقیق... بابا نال شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر حیدرآباد۔ ڈرا نمبر 59 ۔ 01-09-2014 40000

00 095 196 590 691 754 783 77

01	09	16	34	1 0	39	46	61	90
03	10	17	36	9	41	47	65	91
05	15	31	37	5 6	43	50	69	95

06 0951 3731 4569 5906 6915 9925 96

شہر فیصل آباد۔ ڈرا نمبر 59 ۔ 15-09-2014 200

06 030 112 134 431 637 736 70

03	13	17	36	7 1	41	47	63	71
04	14	31	37	3	43	50	64	73
06	16	34	39	4 6	46	61	67	74

10 0555 1347 4316 6204 6374 7364 70

[illegible]

[illegible]

شہر	[illegible]	ڈرا نمبر 59	01-09-2014	40000

[illegible]	083	133	230		380	485	584	80
[illegible]	[illegible]	30	[illegible]	3 4	43	48	54	83
[illegible]	24	[illegible]	38	8	45	50	58	84
03	[illegible]	35	40	5 0	46	53	76	85
[illegible]	3839	3805	4954		5840	9230	9320	93

شہر	[illegible]	ڈرا نمبر 59	15-09-2014	[illegible]

[illegible]	026	030	035		126	520	621	62
[illegible]	[illegible]	20	25	1 0	[illegible]	51	56	65
[illegible]	15	21	26	2	30	52	60	86
06	[illegible]	22	27	5 6	50	55	81	87
10	0251	1260	6208		[illegible]	6215	7313	92

بیوٹی کیئر

انچارج۔فضہ ماہین

اس عنوان کے تحت بیوٹی ٹپس ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کریں گے۔خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کروا سکتی ہیں۔

بیوٹی کیئر۔ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

نئی تحقیق کے مطابق

ایک نئی تحقیق کے مطابق پارلرز سے ہیپاٹائٹس کا مرض ایک کروڑ سے زائد افراد تک پھیل چکا ہے۔ خواتین کی اکثریت اس مرض کا زیادہ شکار ہو رہی ہے۔ امیر کبیر گھرانے کی خواتین ہوں یا متوسط گھرانے کی ان کو حد درجہ بننے سنورنے کا شوق ہوتا ہے۔

مہنگے ترین قسم کے ارباز میں پارلر میں استعمال ہونے والے آلات بلا سوچے سمجھے اسٹرلائز کیے بغیر ہو رہے ہیں۔اسی لاپرواہی کی وجہ سے اس موذی مرض میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں۔اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ فلاں پارلر میں بغیر اسٹرلائز کیے آلات استعمال ہو رہے ہیں تو خدارا ان پارلر کا رخ چھوڑ دیں اور آپ جب بھی پارلر جائیں تو اسٹرلائز کیے ہوئے آلات کی سروس لیں۔

☆ آسیہ۔کراچی

ہلدی

ہماری قدیم روایت کے مطابق ہلدی قدیم وقتوں سے ہربل صندلین کے طور پر استعمال کی جاتی رہی ہے۔

ہلدی کے استعمال کے بے شمار فوائد ہیں۔ خاص طور پر جلدی امراض کے لیے ہلدی آ مبر ہے۔ مثلاً ایگزیما ناخنوں کی پھپھوندی اور داغ دھبے وغیرہ۔

بالوں کے لیے ہلدی کے استعمال کے کئی طریقے ہیں۔آپ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتی ہیں۔جیسے گانٹھ والی ہلدی یا کچی یا پھر پکی ہوئی ہلدی۔ ہلدی چاہے کسی بھی حالت میں کیوں نہ ہو اسے بالوں کی جڑوں کے ساتھ ساتھ لگائیں اور کچھ دیر کے لیے یوں ہی چھوڑ دیں۔اس کے بعد شیمپو کر لیں۔

کچی ہلدی صرف گنج پن کے لیے استعمال ہوتی ہے۔جبکہ گانٹھ والی ہلدی سے کشید کیا جانے والا تیل بالوں کو گھنا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ شازیہ انصاری۔سلانوالی ضلع سرگودھا

کلر اسپرے

یہ عارضی ہیئر کلر ایک برائٹ پارٹی کلر ہے۔یہ خشک بالوں پر براہ راست لگایا جا سکتا ہے۔

☆ ثناء۔لاہور

☆☆

طب یونانی، طب روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ موبائل نمبر www.devapk.com 0333-520355

ریڑھ کی ہڈی، مہروں کے درد سے سکون

(زہنی زندگی کورس)

انسانی بدن میں ریڑھ کی ہڈی کو تمام استخوانی ڈھانچے قائم رکھنے میں مرکزی کردار کی حیثیت حاصل ہے۔ دماغ سے نکلنے والے اعصاب ریڑھ کی ہڈی میں سے گزر کر تمام جسم میں حرکات و سکنات پیدا کرتے ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی اسی اعصابی ریشوں کے ذریعے مہروں کو آپس میں مربوط و منظم رکھتی ہے اور اس میں افراط و تفریط مختلف عوارض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس میں مہروں کے درد جس میں مہروں کے درد سے فالج کے مراحل شامل ہیں۔

ریڑھ کی ہڈی کئی مہروں کے باہم ملنے سے مکمل ہوتی ہے۔ جس کے درمیانی عمودی خلا کو دماغ سے آنے والے اعصاب اور مہروں کے درمیانی فرق کو سفید رنگ کی نرم ہڈی پورا کر کے اس کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ اس سفید ہڈی کی شکل و صورت اسفنج کی طرح ہوتی ہے اور اس طرح انسان کو حرکات میں کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا۔ مزید یہ اسفنجی ہڈی کو یہ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور ریڑھ کی ہڈیوں کو ضرب شلاف سے محفوظ کر دیتی ہے۔

بعض اوقات یہ مہرے چوٹ، وزن زیادہ اٹھانے اور بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں یا ان کی اسفنج سفید ہڈی میں لچک کی قوت کم یا ختم ہو جاتی ہے اور نا قابل برداشت درد میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات مریض چلنے پھرنے اور کروٹ لینے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اگر کبھی چوٹ یا زخم ریڑھ کی ہڈی کے اندرونی اعصاب کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو انسان فالج کا شکار ہو جاتا ہے۔

حد سے زیادہ جنسی عمل میں مبتلا رہنے والے، عادی شرابی اور نشہ باز، باڈی بلڈنگ، سر اور پشت پر وزن اٹھانے والے اور نرم بستر پر سونے والے مرد و خواتین مہروں کے درد کے عارضہ میں مبتلا پائے گئے ہیں مزید یہ حادثاتی طور پر ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ لگنے سے بھی مہروں کا درد ہو سکتا ہے۔ جسم میں کیلشیم کی کمی بھی اس مرض کے اسباب میں اضافہ کر سکتی ہے کمزور استخوانی ڈھانچے والے افراد کو بھی اس مرض میں عام طور پر مبتلا دیکھا گیا ہے۔

مہرے جب اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں تو بعض اوقات پٹھوں اور رگوں پر ان کا پریشر فالج کا باعث بن جاتا ہے اور نچلا دھڑ بے کار ہو جاتا ہے اور مریض اپنے آپ سے نفرت اور گھر والوں کے لیے بوجھ بن جاتا ہے۔ اس کو رفع حاجت اور ادراک نہیں ہوتا اور اس کا بول و براز بستر پر خطا ہو جاتا ہے۔

ریڑھ کی ہڈی میں درد اور مہروں کا اپنی جگہ سے ہل جانا ایک قابل علاج مرض ہے لیکن معالج کا اس سلسلے میں مشاہدہ اور تشخیص کے علاوہ قابل عمل وسیع تجربہ ضروری ہے۔ علاوہ ازیں علم الابدان میں

ونمزیں بھی لازمی ہے۔ قدرت نے دنیا میں کوئی ایسا مرض نہیں اتارا جس کی شفاء نازل نہ کی ہو۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر ایک خامی موجود ہے کہ مرض کی ابتداء میں ہم معالج سے رابطہ نہیں کرتے ہیں اور جب مرض شدت اختیار کر لیتا ہے تو ہم عالج معالج سے جادوئی اثر کی امید وابستہ کر لیتے ہیں۔ مرض کے آنے میں جتنا وقت درکار ہوتا ہے، اس کے دفع ہونے میں بھی کم و بیش اتنا ہی وقت چاہیے۔ مہروں کا درد اور ان کا اپنی جگہ سے ہلنا ایک دم پیدا نہیں ہوتا اس کا علاج بھی سست روی سے ہی ممکن ہے۔ صبر اور استقامت سے اس مرض کا علاج کروایا جائے تو قدرت شفا ضرور عطا کرتی ہے۔

ہیلپ لائن...... 0345-7000088

ہیپاٹائٹس بی سے مکمل علاج، یونانی اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے

گردے کے امراض، مردانہ امراض، بواسیر، زخم، جلدی امراض کا کامیاب علاج

☆ حکیم محمد امین ماہر معالج، گولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب مشرقی ایشیاء اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں ایک وباء کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے نقصان اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک وباء کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے جہاں یہ مرض تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص ہیپاٹائٹس B یا C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے 27 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک، مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف ٹوٹکوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ مشکلیں ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HB تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض ورطہ حیرت ہوتا ہے۔ مہنگا علاج، مہنگے ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive) ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود

ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان' مصر' چین' ایران' ثمرقند اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی "بائل" کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے "پتہ" میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں کی زیادتی سے جگر پر منفی اثرات

شراب نوشی' تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال مثلاً چرس' افیون' بکثرت تمباکو نوشی' بورنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹا مول کا استعمال وغیرہ ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جا سکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A.B.C.D.E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان دیتے ہیں B اور C ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد یرقان پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis.B)

ہیپاٹائٹس کی اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatits Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکڑ (Cirhosis of Lecel) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاءاللہ تعالیٰ 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا مریض شفایاب ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آپ لوگ منی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج کر گھر بیٹھے کورس منگوا سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے وعلاج ومعالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C معتدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارہواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزارہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں

کے لیے غذائی چارٹ

لوکی' بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی) دیسی مرغی (کم مقدار) 'ٹنڈے' کوکنگ آئل' شلجم' خربوزہ' کالی مرچ (ہلکی) مولی' بسی' کھیرا' میتھی' سرسوں کا ساگ' ککڑی' کریلے' لوبیا' گریپ فروٹ اور پالک ہے۔

بی کلر بیا ناٹکس کورس

موبائل نمبر 0345-7000088

***

عضو مخصوص کی صحت و تندرستی

(شاہی ابا گوجرہ)

قدرت نے دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت' مکمل اور جامع آلہ تناسل مرد کو عطا کیا ہے۔ جسے نوجوانی کی غلطیوں' بے اعتدالیوں سے ناقص اور بسا اوقات ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ اس کی موٹائی' لمبائی اور ایستادگی کے ذریعے اور طاقت سے کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کی لاغری' کمزوری' کجی اور اس پر ابھرنے والی نیلی موٹی رگیں اس کی ناقص کارکردگی کی دلیل ہے۔

عورت کے عضو مخصوص کی گہرائی عموماً چھ انچ سے زائد نہیں ہوتی۔ اسی مناسبت سے ایک بالغ مرد کے عضو مخصوص کی لمبائی زیادہ سے زیادہ آٹھ انچ ہوتی ہے۔ بعض عورتوں میں عضو مخصوص کی گہرائی زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ قدرت نے اسی مناسبت سے مرد کے عضو مخصوص کو مناسب لمبائی دے کر اولاد پیدا کرنے کی مکمل صلاحیت دے دی ہے۔

عورت کا رحم ایک ایسا جانور ہے جو بارآور ہونے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ ازدواجی عمل میں عورت کی تشنگی کی تکمیل کے لیے مرد کا عضو مخصوص کا صحت مند اور لمبائی' موٹائی میں مناسب ہونا ضروری ہے۔ بہرکیف جنسی لحاظ سے مرد' عورت میں محبت کے لطف و جذبات کو فروغ دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لڑکے دس سے بارہ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہے۔ فطری طور پر ان کو اپنے ہیجان کو دور کرنے کے لیے جنس مخالف کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب اس کی تکمیل کا کوئی واسطہ نظر نہیں آتا تو وہ ہم جنس پرستی اور مشت زنی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ معاشرے میں عریاں عورتوں کی بھرمار اور سفلی جذبات کو فروغ دینے والے ذرائع ابلاغ اس میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔ شادی کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنا جوہر حیات ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ عضو مخصوص کے عوارض میں مبتلا ہو کر ازدواجی تعلقات کی تکمیل سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ عضو مخصوص میں کجی' لاغری آ جاتی ہے۔ سرعت انزال سے دخول کا مرحلہ ہی نہیں آتا اور شرمندگی الگ ہوتی ہے۔

ہم جنس پرستی اور جلق زنی کی عادت دونوں یکساں طور پر عضو مخصوص کی صحت و تندرستی کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح نشہ اور شراب بھی جنسی صحت کے لیے ازحد نقصان دہ ہے۔ اس سے مراد مردانہ طاقت میں کمی کے ساتھ ساتھ عضو مخصوص ڈھیلا اور درمیان سے جھک جاتا ہے اور فریق مخالف کے جنسی جذبات کی تکمیل سے عاری ہو جاتا ہے۔ تندرست اور توانا اولاد کے حصول کے لیے مرد و زن کی عمومی صحت اور ان کے اعضائے مخصوص کی تندرست اور توانا صحت کی ضرورت ہے۔ مرد کا کمزور عضو مخصوص

اولاد کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے لیکن پیدا شدہ بچہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور مرتے دم تک اس کی کمزوری رفع نہیں ہوتی۔ وہ زندگی بھر مختلف امراض و عوارض کا شکار رہتا ہے۔ صحت مند اولاد کے حصول کے لیے خصوصاً مرد کے عضو مخصوص کا تندرست و توانا ہونا ضروری ہے۔ اس کی موٹائی' لمبائی اور ایستادگی کا زاویہ درست ہونا چاہیے تاکہ وہ عورت کے رحم تک رسائی حاصل کر سکے...... اس سے فریق مخالف کی مکمل تسکین کے ساتھ ساتھ قرار حمل کے امکانات بڑے رائج ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ کے عضو مخصوص میں کمی لاغری' کمزوری اور تیلی رگوں کا ابھار ایستادگی میں کمی ہے تو آپ کو معالج کی شدید ضرورت ہے۔ ایک اچھا معالج آپ کی تمام خامیوں کو دور کر کے آپ کو صحت مند جنسی زندگی لوٹا سکتا ہے۔ معالج کی تمام حقیقت حال وضاحت سے بتانا ضروری ہے کہ وہ درست تشخیص کر کے مرض کو جڑ سے ختم کر سکے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا نہایت اہم ہے کہ مرد کے عضو مخصوص کی ساخت کے بارے میں یہ بات علم میں ہونا ضروری ہے کہ اس میں تھیلی نما خانے چھپے ہوتے ہیں خون کی آمد کا راستہ بڑی تھیلی میں خاصا فراخ اور واپس جانے کا راستہ نہایت باریک ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے خون رک کر ایستادگی اور تختی کا سبب بنتا ہے۔ عضو مخصوص میں سختی ان تھیلیوں کی مضبوطی اور خون کی مقدار کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتی ہے۔ ہاتھ کی رگڑ سے تھیلیوں کی دیواروں کو شدید نقصان پہنچتا ہے اور اس میں خون رک کر لینے کی استطاعت میں کمی کے باعث ایستادگی مکمل نہیں ہو پاتی اس لیے خلاق افراد کا عضو مخصوص اپنی قدرتی شکل کھو دیتا ہے۔

(0345-7000088 ..... رابطہ)

س = ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب = بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی' جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت پر موسم' جذبات' دوست واحباب' ثقافت' والدین' اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے رویے کا ذکر تو بڑی شدو مد کے ساتھ کرتے ہیں مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوچ اور کردار کا ناقدانہ جائزہ لینا چاہیے۔ اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت تبدیلی ہو گی وہ ہماری ذہنی' جسمانی اور جنسی صحت کی بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہو گی۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی

کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے، اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت و احترام اور قربت و لگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات و جذبات کا احترام کرتے ہوں اور پرسکون و مطمئن ہوں۔ اپنے آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جنسی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم وضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم وضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کر دیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ یہی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم وضبط کا پابند بنانا سخت ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور فاضلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پرواہی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک رکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پرواہی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہنا دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا، معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی۔ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر [illegible] کی وجہ سے اس دفعہ اور [illegible] بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور [illegible] کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر [illegible] کہنے کا موقع آ جائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی [illegible] کا احساس ہوگا۔

[illegible]

"معذرت" کرنے یا "نہ" کہنے کی جرأت نہ ہونے کی دو وجہ ہے کہ لوگ "نہ" کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہرحال صاف گو بنیئے۔ صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے بارے میں افراد خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے رہتے ہیں اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل کیجیے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہو گا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری

غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشنا دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نوجوانوں کو بھی قابل اعتماد سنجیدہ اور باعمل اور باعلم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد جن سے وہ ملتے ہیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہو گا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگتے ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے لیکن نوجوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند دیکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی دیر کیجیے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجیے۔ لوگ جنس کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی متعلقات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆ حکیم شیخ محمد امین

موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

ہمارے ڈیلر حضرات

☆ خواجہ سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
☆ صدر میڈیکل سٹور صدر کراچی
☆ سپر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ صدر کراچی
☆ محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ کراچی
☆ طلحہ ٹریڈرز دواؤں پمپ چورنگی کراچی
☆ عرفان قادری جڑی بوٹی لانڈھی کراچی
☆ بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن کراچی
☆ مصطفی دواخانہ رسالہ روڈ واحت سینما حیدرآباد
☆ ماریہ دواخانہ پولیس لائن حیدرآباد
☆ محمد علی دواخانہ لبرٹی پلازہ آبپارہ اسلام آباد
☆ مسلم ہومیو نعمان ہومیو کلینک روڈ حیدرآباد
☆ جرمن ہومیو کلینک روڈ حیدرآباد
☆ عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی کراچی
☆ طارق ہومیو ڈہرکی
☆ اسٹاڈ شاپ ٹھٹھہ
☆ عاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ ٹنڈو آدم
☆ کرنل جنرل سٹور شاہی بازار ڈولا ڈکانہ
☆ خالد برادرز مدنی سٹریٹ سکھر
☆ مدینہ میڈیکل ورکشاپ ٹنڈو آدم
☆ پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار جیکب آباد
☆ ضیاء ہومیو سکندر پورہ پشاور
☆ عارف میڈیکل سٹور سندھی ہوٹل نیو کراچی کراچی
☆ شافی دواخانہ شہزادہ دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
☆ علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر ملتان
☆ ابن سینا دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر ڈی جی خان
☆ ارشد برادرز گھاس منڈی ملتان
☆ حافظ دواخانہ کلاں بازار ڈی آئی خان
☆ مشہور دواخانہ مسلم بازار پشاور
☆ الصحت مجاہد سینٹر دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
☆ رحمانیہ ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
☆ نوید صحت ناصر دواخانہ پشاور صدر
☆ حافظ دواخانہ شکر درہ کوہاٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ حکیم جمیل مینا بازار مینگورہ
☆ مدینہ پنسار مجو خان روڈ مردان
☆ سعید میڈیکل نوشہرہ
☆ الصدر پنسار ایبٹ آباد
☆ الحکمت پنسار ایبٹ آباد
☆ مشتاق پنساری غازی گھاٹ
☆ بادشاہ دری ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی
☆ حکیم صوفی نور محمد اہلحدیث چوک جہلم
☆ زمان دواخانہ روہتاس روڈ جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ دینہ
☆ ہمدرد دواخانہ لالہ موسیٰ
☆ ہمدرد دواخانہ میرپور
☆ ہمدرد دواخانہ مظفرآباد
☆ ہمدرد دواخانہ گلگت
☆ ہمدرد دواخانہ چلاس
☆ الحسن پنسار سٹور لکی مروت
☆ امجد برادرز لکی گیٹ بنوں
☆ امجد برادرز لکی گیٹ ڈیرہ
☆ امجد برادرز لکی گیٹ کوہاٹ
☆ نعیم دواخانہ حافظ آباد
☆ الرحمن دواخانہ 2 نوبارہ گوجرانوالہ
☆ علی ہومیو اچھرہ شاپنگ سنٹر اچھرہ لاہور
☆ یوسال پنسار صدر بازار منڈی بہاؤالدین
☆ خدا داد برادرز میڈیکل سٹور ہسپتال روڈ چکوال
☆ المدینہ ہومیو چوبارہ روڈ لیہ
☆ عوامی دواخانہ مین بازار مظفرآباد

☆ عرفان الیاس پیر کنڈ
☆ الشفاء ہومیو پاراچنار
☆ اسلم کریانہ چکوال
☆ الحمد دواخانہ کوٹ مٹھن
☆ شفیق بخاری خوجہ پنساری سیالکوٹ
☆ قدیمی چنیوٹی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا
☆ باسط ہومیو ایف ون میرپور
☆ بسم اللہ ہومیو نشتر روڈ میاں چنوں
☆ عنایت پنسار بھکر ام
☆ ہاشمی دواخانہ دار
☆ شاہی طبی دواخانہ چنیوٹ بازار فیصل آباد
☆ پنجاب ہومیو چنیوٹ بازار فیصل آباد
☆ علی ہومیو نور پلازہ سوتی رام روڈ کوئٹہ
☆ موسیٰ پنسار سٹور مسجد باغ والی ڈباڑی
☆ مدنی پنسار صدر بازار ساہیوال
☆ میاں ہومیو کربلا روڈ ساہیوال
☆ مخلص دواخانہ حمام روڈ اٹک
☆ سونگا پنسار لیاقت آباد کوٹ لکھپت لاہور
☆ نیا دواخانہ القمر ہومیو مین بازار جھنگ صدر
☆ قادری میڈیکل سٹور مین بازار کوٹلی
☆ رازی دواخانہ ڈکی لورالائی
☆ ایس ایس ٹنکرز 22 علامہ اقبال روڈ لاہور
☆ سلیمان پنسار چوک سرائے کالا ٹیکسلا
☆ یاسر ہومیو سٹور سرور شہید چوک جوہر آباد
☆ الشفاء ہومیو سٹورز نیشنل بینک پاراچنار
☆ سندھ ہومیو چکرا بازار نواب شاہ

☆☆

قلمی دوستی

کوپن ماہ ستمبر 2014ء

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن ارسال نہ کرنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

کیئر انچارج قلمی دوستی......ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور



نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ دیکھنا، کرکٹ کھیلنا اور مخلص دوستوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasoolzia@yahoo.com

⊙ ⊙ ⊙

نام: [illegible]

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044 7922838325 لندن

⊙ ⊙ ⊙



نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل۔ ایل۔ بی

مشغلہ: مطالعہ کرنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ' پوسٹ بکس نمبر 217 جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com

⊙ ⊙ ⊙

نام: عبدالغفور

عمر: 45 سال

تعلیم: الف اے (فاضل عربی) ٹیچنگ

مشغلہ: مذہبی تاریخی روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کرنا' سیر وسیاحت کرنا' روحانی علاج کرنا' خط وکتابت کرنا' ٹیلی فونک دوستی کرنا' اچھے اور باوفا لوگوں سے قلمی دوستی کرنا اور نبھانا۔

پتہ: عبدالغفور' موبائل نمبر 0312-7218443 0343-1624326 حافظ آباد



نام: عاصم بشیر

عمر: 31 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' چیٹ کرنا اور تحفہ وتحائف کا تبادلہ کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور



نام: اکرم سہیل

تعلیم: الف۔ اے

مشغلہ: دوستوں کی مدد کرنا' غریبوں کی مدد کرنا' لڑکے اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' صرف مخلص لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: اکرم سہیل' موبائل نمبر 0302-4050946 لاہور



نام: عبدالستار

عمر: 25 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' مخلص لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: عبدالستار' موبائل نمبر 0315-7796853 لاہور



نام: محمد ابراہیم کھوکھر

عمر: 17 سال

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا' قلمی دوستی کرنا' مخلص دوست کی تلاش ہے۔

پتہ: محمد ابراہیم کھوکھر' چک جھمرہ سٹی ضلع فیصل آباد

موبائل نمبر 0342-6267179



نام: پرویز علی خاصخیلی

عمر: 23 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا' گلوکار عطا اللہ خان عیسیٰ خیلوی کو سننا' گلوکاری کرنا' اداکاری کرنا۔

پتہ: پرویز علی خاصخیلی c/o سلیم احمد باقر میرپور ناتھن شاہ روڈ۔ میرپور خاص (سندھ) 69040



نام: عابد حسین تبسم

عمر: 19 سال

مشغلہ: ٹیلی فون پر دوستوں سے ہر موضوع پر بات کرنا'

پتہ: فون موبائل نمبر 0320-5004916 کراچی



نام: نوید احمد

عمر: 45 سال

مشغلہ: قلمی دوستی' رسائل کا مطالعہ' سیاحت

پتہ: پوسٹ بکس نمبر 9005 لاہور



قارئین خبردار ہوشیار ہو جائیں

اس شخص کا نام [illegible] علی ولد محمد [illegible] ہے جو چک نمبر 9L 99 ڈاکخانہ [illegible] تحصیل [illegible] ضلع ساہیوال کا رہنے والا ہے جو اپنے آپ کو واپڈا کا ملازم بتاتا ہے۔ حقیقت میں یہ واپڈا کا ملازم نہیں ہے۔ محکمے نے اس کو نوکری سے فارغ کر دیا ہے۔ یہ شخص مختلف رسائل و ڈائجسٹ میں اپنی تحریریں شائع کرواتا ہے۔ ان ہی رسائل و ڈائجسٹ سے لوگوں کے موبائل نمبر لے کر ان سے دوستی کرتا ہے۔ پھر ان سے دوستی کر کے مختلف بہانوں سے پیسے بٹورتا ہے۔ [illegible] میں بھی آیا ہے۔ یہ شخص لوگوں کو واپڈا میں نوکری دلوانے کا [illegible] ان سے پیسے [illegible] لیتا تھا اور پھر بعد میں وہ لوگ جنہوں نے اسے نوکری کے لیے پیسے دیے [illegible] سے جب رابطہ کرتے ہیں تو یہ شخص اپنا موبائل نمبر تبدیل کر لیتا ہے۔ [illegible]
اس شخص سے [illegible] سچی کہانی ادارہ [illegible] کے پیسے [illegible] ادارے [illegible] کی تحریریں شائع کرنی چھوڑ دی ہیں۔ تمام قارئین سے [illegible] شخص سے بچیں اور اپنے دوستوں [illegible] سے دوستی کرنے [illegible] تو اس اشتہار کی فوٹو کاپی کروا کر اپنے دوستوں [illegible] ہو سکے اور وہ اپنے قیمتی وقت اور پیسوں کے ضیاع سے بچ جائیں۔

(ادارہ ماہنامہ سچی کہانی [illegible])

نام: علی احمد
عمر: 20 سال
مشغلہ: قلمی دوستی کے ذریعے مخلص محبت پرست قدردان لڑکے لڑکیوں سے رابطہ کرنا
پتہ: علی احمد c/o کاکڑ خان پوسٹ بکس نمبر 440، کوئٹہ

☆☆☆

نام: ساجد الرحمٰن
عمر: 19 سال
تعلیم: ایف ایس سی (جاری)
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، انسانیت کی خدمت کرنا
پتہ: واجد جنرل اسٹور اینڈ ٹیلرز نزد پوسٹ آفس تحصیل ڈڈیال ضلع میرپور AK

☆☆☆

نام: وفا گل محمد [illegible]

عمر: 18 سال

تعلیم: انٹرمیڈیٹ

مشغلہ: لڑکے اور لڑکیوں سے خوشی سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: وفا گل محمد C/O عبدالملک چانڈیو پوسٹ [illegible] شہداد [illegible] (سندھ)

☆ ☆ ☆

نام: [illegible] اقبال [illegible]

تعلیم: میٹرک اور GRPH.D-DCS

مشغلہ: شاعری، کھیلنا، لڑکیاں اور لڑکے دونوں لکھ سکتے ہیں۔

پتہ: [illegible] اقبال [illegible] P.A.F [illegible] میانوالی

☆ ☆ ☆

نام: [illegible] علی

عمر: 20 سال

مشغلہ: [illegible] دوستی کرنا اور ہر خط کا جواب [illegible]

پتہ: [illegible] 214 [illegible] آباد

☆ ☆ ☆

نام: [illegible]

عمر: 48 سال

تعلیم: [illegible]

مشغلہ: [illegible] کام کرنا [illegible]

[illegible] ہاتھوں کے [illegible]

پتہ: [illegible] کالونی چوک یادگار [illegible]

☆ ☆ ☆

نام: شاہد [illegible]

عمر: 24 سال

مشغلہ: کتابیں پڑھنا، رسالے، موویز دیکھنا، لڑکوں لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: محلہ عیدگاہ [illegible] پوسٹ آفس [illegible] تحصیل و ضلع [illegible]

☆ ☆ ☆

نام: [illegible] اللہ خان نیازی

عمر: 22 سال

تعلیم: بی اے

مشغلہ: خوبصورت چہروں سے پیار کرنا، ایک مخلص اور خوبصورت ہمسفر کی تلاش، جو پہلے خط لکھے گا اس کو ایک خوبصورت گفٹ دوں گا۔

پتہ: [illegible] محلہ مرزا خیل تحصیل و ضلع میانوالی

☆ ☆ ☆

نام: آفتاب خان

عمر: 32 سال

تعلیم: B.A

مشغلہ: قلمی دوستی اور کرکٹ۔

پتہ: AFTAB KHAN. 64 .WIND MILL ROAD HEMEL HEMPSTEAD LONDN

☆ ☆ ☆

نام: چمن لال
عمر: 21 سال
تعلیم: بی اے میں
مشغلہ: موسیقی
پتہ: ڈی ایف 27 گنگا بھون یونیورسٹی آف روڑکی سہانپور انڈیا

★ ★ ★

نام: محمد طاہر سیفی
عمر: 22 سال
تعلیم: 9 پاس
مشغلہ: خدمت خلق
پتہ: شہدی سرائے راجوں والی گلی مراد آباد یوپی انڈیا

★ ★ ★

نام: سید افضل حسین
عمر: 26 سال
تعلیم: بی کام
مشغلہ: دوستی
پتہ: او ای ایف مال روڈ کانپور یوپی انڈیا

★ ★ ★

نام: ذوالفقار چاند
عمر: 26 سال
تعلیم: بی یو ایم ایس
مشغلہ: دوستی
پتہ: چاند ہوسٹل محلہ قاضیان اکبر آباد ضلع بجنور یوپی 246762 انڈیا

★ ★ ★

نام: شکیل ناز
عمر: 19 سال
تعلیم: بی ایس سی
مشغلہ: قلمی دوستی
پتہ: مراج گنج لہرا سرائے ضلع دربھنگہ بہار انڈیا

★ ★ ★

نام: محمد جمیل الدین بابا
عمر: 22 سال
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: قلمی دوستی
پتہ: 4/726-4-1 جامع مسجد مشیر آباد حیدر آباد انڈیا

★ ★ ★

نام: محمد پرویز پدسکی
عمر: 21 سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: دوست بنانا
پتہ: 93059 گلی گھوڑے والی کشن گنج دہلی انڈیا

★ ★ ★

نام: ہارون احمد صدیقی
عمر: 22 سال
تعلیم: ہائی سکول
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 6069 دبئی

★ ★ ★

نام: سکندر عالم نوری
عمر: 20 سال
تعلیم: عالم
مشغلہ: کتب بینی
پتہ: چمن پور پوکھریا پاچی پارا ضلع ازری راجشاہی ہو بنگلہ دیش

★ ★ ★

نام: عبدالمنان اعظمی
عمر: 18 سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: دوستی
پتہ: ہرنی گلی گڑھ وہمن رسول پور ضلع اعظم گڑھ انڈیا

★ ★ ★

نام: الیاس راہین
عمر: 22 سال
تعلیم: آٹھویں کلاس
مشغلہ: خدمت خلق
پتہ: گلی نمبر 7 انصار بلاک بابو زر روڈ میرٹھ انڈیا

★ ★ ★

نام: مولانا ابوالحسن صدیقی
عمر: 22 سال
تعلیم: انٹرمیڈیٹ
مشغلہ: خدمت خلق
پتہ: مقام ڈیوی ٹولہ سکھاسن ضلع کبٹ بار بہار انڈیا

★ ★ ★

نام: طاعت مہتاب گڈو
عمر: 14 سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: قلمی دوستی
پتہ: شاہی بروننگ مدن پور اور نگ آباد بہار انڈیا

★ ★ ★

نام: محمد ذیشان ادان
عمر: 25 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: شعر شاعری کرنا۔
پتہ: B-60 ماڈل کالونی نزد کیو بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

★ ★ ★

نام: عابد حسین تبسم
عمر: 19 سال
مشغلہ: قلمی، میوزک، سیر و تفریح کرنا۔
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 14524 لیاقت آباد کراچی

★ ★ ★

نام: S.T.R
عمر: 18 سال
تعلیم: [illegible]

تعلیم: میٹرک
مشغلہ: A.J سے پیار کرنا اور لڑکوں سے دوستی خط و کتابت کرنا۔
پتہ: ورکس 1210 شعبہ انفرومنٹ غریب وال سیمنٹ فیکٹری غریب وال تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم

★ ★ ★

نام: شیراز اختر
عمر: 20 سال
تعلیم: F.A
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: شیراز اختر کلاتھ ہاؤس مین بازار میانی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

◈ ◈ ◈

نام: محمد عقیل
عمر: 21 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: قلمی دوستی کرکے نبھانا لڑکے لڑکیوں سے
پتہ: محمد عقیل ڈاک خانہ بھون نزد مدینہ مسجد چکوال

◈ ◈ ◈

نام: عبدالمطلب ملک
عمر: 23 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: محبت کرنا۔
پتہ: c/o ساحل پرنسپل سکول po رکن پور تحصیل و ضلع رحیم یار خان

◈ ◈ ◈

ناقابل فراموش واقعات

کوپن ماہ ستمبر 2014ء

اس کالم میں آپ مختصر سبق آموز معلوماتی' حیرت انگیز ناقابل فراموش خوفناک' دہشت ناک واقعات اور اسلامی معلومات ارسال کرسکتے ہیں۔ جس کے ہمراہ آپ کو اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کرنا ہوگا۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں۔ اپنی تحریریں صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

انچارج ناقابل فراموش واقعات...... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

صبح کا بھولا

گرمی کی شدت' گھٹن اور پسینے کی فراوانی اور تقریباً" ایک گھنٹہ کے بس کے انتظار نے اچانک مجھے باغی بنادیا۔ میرے خیالات بدل گئے' میرے سوچنے کا طریقہ بدل گیا۔ میں جو آج کئی دنوں سے اس بات پر بضد اصول لئے ہوئے تھا کہ میں ایسی جگہ شادی کروں گا' جہاں جہیز نام کی کوئی شے نہ ہو' مگر والدین اڑے ہوئے تھے کہ وہ جہیز ضرور لیں گے۔ اس وقت جب بس کے انتظار نے اور گرمی کی شدت نے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ واقعی میرے والدین ٹھیک ہی تو سوچتے ہیں۔ اگر اس وقت میرے پاس اسکوٹر ہوتا تو میں اس پریشانی میں گرفتار نہ ہوتا۔ میں آج ہی گھر پہنچتے ہی ماں جی سے کہہ دوں گا کہ لڑکی والوں سے اسکوٹر ضرور لیں۔ اور اگر وہ لوگ اسکوٹر نہیں دے سکتے تو وہاں شادی سے انکار کرکے کسی دوسری جگہ بات چلائیں جہاں اسکوٹر مل سکے۔

اور اچانک میرے خیالوں کے دریچے ایک بھینی بھینی خوشبو سے کھل گئے۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ میرے قریب ہی ایک سیدھی سادی سی لڑکی سوتی پھول دار سوٹ میں ملبوس کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل خاموش' اداس اور بے نیاز سی کھڑی تھی۔ اس کی یہ سادگی مجھ کو بھا گئی۔ میری نظریں بغاوت پر اتر آئیں۔ اور بار بار اس لڑکی کی طرف اٹھنے لگیں۔ اب دل نے بھی سرکشی شروع کردی۔ میں اپنے آپ ہی دل کی اس سرگوشی پر مسکرادیا۔ اور میں نے محسوس کیا۔ اچانک موسم بدل گیا ہے۔ گرمی کی تکلیف دہ شام پرکیف بہار بن گئی ہے۔ اور میں اپنے آپ کو ہشاش بشاش سا محسوس کرنے لگا اور جس بس کا میں ایک گھنٹہ سے مسلسل انتظار کررہا تھا وہ جانے کب آئی اور آکر چلی بھی گئی۔ اب پورا بس اسٹاپ خالی پڑا تھا۔ رات بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ مگر میں اور وہ اب بھی کھڑے تھے۔ خاموش اور بے سدھ' جیسے ہماری کوئی منزل نہ ہو۔ جیسے ہمیں کہیں جانا ہی نہیں ہو۔ اچانک اس بت کافر کے قدموں میں جنبش ہوئی اور وہ میرے قریب آگئی۔

آیئے چلیں۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

کہاں؟ میں نے خیالوں کے حسین جھولے میں جھولتے ہوئے پوچھا۔

رات گزارے۔ اس کی آنکھوں میں شوخی آگئی۔

تمہارے اور تمہارے گھر والے؟ میری تشویش بڑھی۔

میرے گھر والوں کو معلوم ہے کہ میں رات کی ڈیوٹی پر ہوں۔ اس کے لہجے میں تلخی اور غم کی آمیزش تھی۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ میں کال گرل ہوں اور ایک رات کے کم از کم پانچ سو روپے لیتی ہوں۔ اگر آپ کو سودا منظور ہے تو میرے پیچھے پیچھے چلے آیئے۔ یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئی۔

وہ بت جس کی میں اتنی دیر سے پوجا کر رہا تھا اچانک گر کر چکنا چور ہو گیا۔ میرے دل نے محبت کی جگہ نفرت کو اپنا لیا۔ اور عقیدت دور کہیں اپنی قسمت کو رونے لگی۔ اور ذلت مسکرانے لگی۔ میں نے ایک بار اس کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔ مگر جانے کیوں میں اس کی نگاہوں کی التجا کو ٹھکرا سکا۔ اور میرا تجسس میرے ساتھ ہو لیا۔ اور میں نے جانے کب اور کیوں اس کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔

اور پھر ایک سنسان سی گلی میں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اس کے ساتھ جب میں داخل ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ یہاں کا "تقریباً" ہر فرد اس سے واقف ہے۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں ہر طرح کے جال اور ہر طرح کے شکاری آتے ہیں۔

کمرہ بند کرتے ہی اس نے ایک ماہر تاجر کی طرح اپنی تجارت شروع کرنی چاہی اور میں گھبرا گیا۔

تم..... تم یہ کیا کر رہی ہو؟

میں..... وہ کر رہی ہوں جو ہر روز کرتی ہوں۔

نہیں..... نہیں میں ان آوارہ لوگوں میں نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہی ہو۔ میں تو صرف تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ..... تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ میں نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

ہاں..... ہاں بتاؤ۔ میں نے اس کو آگے بولنے کے لئے اکسایا۔

کیا کریں گے آپ سن کر؟ اس کے لہجے میں درد اتر آیا۔

اس لئے کہ تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ دیکھنے میں پرکشش چہرے اور جسم کی مالک ہو۔ تمہاری نگاہوں میں ابھی تک پاکیزگی موجود ہے۔ حالانکہ تمہاری آنکھوں سے شرم کا پانی بہہ جانا چاہئے تھا۔ مگر جانے کیوں ابھی بھی اس میں شرم کے ڈورے موجود ہیں۔ تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ بولو..... جواب دو؟

اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ جانے کیوں میری ہمدردی بڑھنے لگی۔ اور میں اس کے اور قریب آگیا۔ اور بہت پیار سے اس کو سمجھانے لگا۔

تم..... تم اپنا ایک گھر کیوں نہیں بسا لیتیں۔ کسی اچھے لڑکے سے شادی کر کے ایک شریف بیوی کی طرح زندگی گزارو اور پھر دیکھنا تمہیں کتنا سکھ محسوس ہوگا۔ سنتے ہیں کہ ہر لڑکی کے دل میں یہ ارمان ہوتا ہے کہ وہ ایک بیوی بنے ایک ماں بنے اس کا اپنا ایک گھر ہو۔ جہاں اس کا راج ہو۔ کیا تمہارے دل میں ایسا کوئی ارمان کوئی تصور نہیں جو کوئی خاکہ نہیں۔ بولو..... جواب دو۔

اس نے اپنے دوپٹے کے آنچل میں منہ چھپا لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے تسلی کی خاطر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ آہستہ سے اس کا چہرہ اوپر کیا اور اس کے چہرے کی معصومیت نے مجھے ہلا دیا۔

تم..... تم ایک بیوی بن سکتی ہو! تم ایک ماں بن سکتی

ہو! تم سیتا بن سکتی ہو! تم مریم بن سکتی ہو۔

بس .... بس۔ اس نے اپنے دونوں کان بند کر لیے۔

اور چیخ پڑی۔

ہاں .... ہاں میں نے بھی خواب دیکھے ہیں۔ میں نے بھی ایک گھر‘ ایک شوہر اور ننھے منے بچوں کے خواب دیکھے اور انہی خوابوں کی تعبیر تلاش کر رہی ہوں۔ ہاں۔ میں نے سیتا بننا چاہا ہے‘ تبھی تو میں اس جہنم سے گزر رہی ہوں۔ یہ سب صرف اس لیے کہ میں .... میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئی ہوں۔

آپ کہتے ہیں کہ میں نے سپنے نہیں دیکھے۔ میں نے ایسے ایسے سپنے دیکھے‘ جو اتنے تابناک تھے کہ جن کی جگمگاہٹ نے میری آنکھیں چندھیا دیں۔ دنیا کی تمام لڑکیوں کی طرح‘ جیسے جیسے میں بڑھتی رہی۔ میرے ارمان .... اور میرے سپنے بھی بڑھتے رہے .... میرا گھر‘ میرا شوہر .... میرے بچے! یہ میرے مستقبل کی روشنیاں تھیں‘ جن کی جگمگاہٹ پر میں مسکرا اٹھتی تھی اور تبھی میرے والدین نے ایک جگہ میرا رشتہ بھی طے کر دیا۔ والدین کی خوشیوں کا ٹھکانہ ہی نہ تھا اور میں .... میں تو نئی خوشیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ اس سمندر میں میرے سامنے ایک مگرمچھ آ کھڑا ہوا۔ جس کا نام "جہیز" تھا۔ وہ میرے بوڑھے والدین کو اور مجھے نگلنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اس سے بچنے کے لیے سہارا ڈھونڈ لیا۔

جب لڑکے والوں نے یہ شرط رکھی کہ جہیز میں اور دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ اسکوٹر بھی ضروری ہے تو میرے بوڑھے ماں باپ کے کندھے اور جھک گئے۔ ان کے چہرے کی جھریاں اور گہری ہو گئیں۔ میں نے ان کو تسلی دی‘ میں نے ان کے آنسو پونچھے۔ اور ایک نئے عزم کے ساتھ کہا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میں نوکری کروں گی اور آپ لوگوں کی خواہش پوری کروں گی۔

اور میں نے بہت دنوں تک نوکری کے لیے ٹھوکریں کھائیں۔ اور اچانک ہی اس نوکری کے دھوکے میں ایک فرم کے منیجر کے ہاتھوں اپنی عزت جیسی انمول چیز بھی گنوا بیٹھی .... اس درد نے‘ اس چوٹ نے اس زخم نے مجھے باغی بنا دیا۔ اور میں نے اپنا ایک الگ بزنس شروع کر دیا۔ اور اس دن سے اب تک میں نے اپنے جہیز کی ہر چیز مہیا کر لی ہے۔ اب میری شادی میں صرف ایک مہینہ باقی ہے۔ اس دوران میں‘ میں ایک رنگین ٹی وی کا بھی بندوبست کر لوں گی۔

یہ کہتے کہتے اس نے اپنے آنسو خشک کیے اور میرے کاندھے سے اپنا سر اٹھا لیا۔ اس وقت وہ اپنی کہانی سنا کر بہت ہلکی پھلکی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اور میں جیسے اپنے چاروں طرف ناگ ہی ناگ پھیلے محسوس کر رہا تھا۔ جانے کیوں میں اپنے آپ کو مجرم تصور کرنے لگا۔

نہیں .... نہیں اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں اب کسی دوسری لڑکی کو کال گرل بننے نہیں دوں گا۔

یہ کہتے کہتے میں دیوانوں کی طرح اپنے گھر کی طرف دوڑ رہا تھا۔ تاکہ اپنی ماں سے کہہ سکوں کہ مجھے جہیز میں اسکوٹر نہیں لینا ہے۔ جانے کیوں میری آنکھیں چھلک گئیں اور میں نے محسوس کیا۔ میں صبح کا بھولا ہوا‘ شام کو گھر لوٹ رہا ہوں۔

ہڑتال

آج ہڑتال کا پچاسواں دن تھا۔

وہ یونین کے ایک جلسے سے واپس آ رہا تھا۔ یونین

کے لیڈر کو تو موقع چاہیے۔ یونین کے لیڈر کو ہی کیوں؟ کسی بھی لیڈر کے سامنے مائیک ہو تو موضوع سے بھٹک کر اتنی بڑی بڑی باتیں کرتا ہے کہ جیسے سرکار صرف اسی کے دم سے چل رہی ہے۔ اور اس کی تنقیدوں کے سیلاب میں سرکار بہہ جائے گی۔ ختم ہو جائے گی اور عوام کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گی۔

وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔ واقعی یونین کے لیڈر اتنی ولولہ انگیز اور جذباتی تقریریں نہ کریں تو ہڑتال کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ملازمین بھی ہڑتال کی جے جے کار کے نعرے لگاتے ہیں۔ اسے وہ سماں یاد آیا جب ہماری مانگیں پوری ہوں' چاہے جو مجبوری ہو' اور کون لڑے گا۔ کون لڑے گا۔ ہم لڑیں گے۔ ہم لڑیں گے۔ کا نعرہ لگانے والوں میں اکثریت چوتھے درجے کے ایسے ملازمین کی تھی' جن کے گھروں میں شاید رات کی روٹی کا بھی انتظام نہ ہوگا۔ ان کی ہمت کی داد نہ دینا سراسر ناانصافی کی بات ہوگی۔

وہ چوتھی سڑک کو عبور کر کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھا۔ لیکن اچانک ہی اسے خیال آیا کہ وہ بس کا کرایہ کہاں سے ادا کرے گا۔ صبح جیب میں صرف دو روپے بچے تھے۔ ان دو روپوں کے تو وہ تقریر کے دوران ہی سگریٹ پی گیا تھا۔ اب تو اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہ بچا تھا۔ اس نے سوچا۔ چلو بہت دنوں سے چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر شرما نے اسے جب صبح سویرے اٹھنے کا مشورہ دیا تھا تو اسے ڈاکٹر شرما پر بڑا غصہ آیا تھا۔ وہ صبح اٹھ کر کون سے تیر لگا لے گا اور پھر صبح کی نیند تو بہت پیاری ہوتی ہے اور چہل قدمی؟ وہ تو بابو کی کمر پہ نہ جانے کتنی بار دفتر میں اوپر کی منزل کی سیڑھیاں چڑھنا اور اترنا پڑتی ہیں۔ کیا وہ ورزش نہیں ہے؟

لیکن اس کی بیوی کو ڈاکٹر شرما کی تجویز کردہ دواؤں سے زیادہ چہل قدمی پر یقین تھا۔ اب وہ اپنی بیوی کو کیا سمجھاتا کہ اے بھلی مانس! تمہیں کیا معلوم کہ دفتر میں اس کے پاؤں میں پہیے لگے ہوتے ہیں۔ عورتیں تو یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے شوہر دفتر میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں' سگریٹ پھونکتے ہیں' کینٹین میں بیٹھتے ہیں' مفت کا اخبار پڑھتے ہیں اور ان باتوں میں تھوڑا وقت بچ جاتا ہے تو کسی فلم یا دفتر میں ساتھ کام کرنے والی کسی خوبصورت عورت سے متعلق باتیں کرتے ہیں؟

دفتر.... واقعی دفتر ایک بہت پرسکون جگہ ہے۔ اس کا احساس اسے ہڑتال کے تیسرے دن ہی سے ہونے لگا تھا۔ بچوں کی شرارتیں' بیوی کی اونچی آوازیں' بچوں کی نت نئی فرمائشیں۔ اور بے شمار مسئلے' جو فلم کے ایک منظر کی طرح پہلے ایک لمحے کے لیے اس کے سامنے آتے تھے' اب پوری تلخی کے ساتھ ہر وقت ابھرنے لگے تھے۔ بیوی بھی پہلے اسے زندگی کے اس تاریک رخ کو مختصر لفظوں میں اس کے سامنے پیش کرتی تھی۔ اب تو ہر وقت اسے بتایا جاتا تھا۔

فوزیہ تین دنوں سے اسکول سے واپس آ رہی ہے۔ اس کی اسکرٹ کا رنگ بالکل پھیکا ہو چکا ہے۔ جوتے اور ٹائی بھی بالکل پھٹ گئے ہیں۔ اصغر آج کل کرکٹ میں دیوانہ رہتا ہے۔ ہوم ورک نہیں کرتا۔ رضوان کی نئی کتابیں اب تک نہیں آئی ہیں' جنوری کا مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے۔ وہ کیا خاک پڑھائی کرے گا؟ وہ خود سے ہم کلام ہوتا۔ کیا یونین کے لیڈروں کو نہیں معلوم کہ جنوری کے مہینے میں بچوں کا اسکول میں داخلہ کرایا جاتا ہے' ان کی کتابیں اور یونیفارم خریدنے پڑتے ہیں؟ کیا ان لیڈروں کے بچے نہیں ہیں؟ ضرور ہوں گے.... لیکن شاید ان لوگوں کے لیے یہ بہت معمولی بات ہوگی۔ ان کے پاس تو چندوں کے خزانے

ہیں۔ بوقت ضرورت اس میں سے خرچ کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ اگر دفتر کھلا ہوتا تو وہ بھی ان چھوٹے چھوٹے خرچوں کو اوپر کی آمدنی سے پورا کر لیتا۔ لیکن اوپر کی آمدنی کو تو جانے دو۔ سنا تو یہ جا رہا ہے کہ سرکار نو ورک، نو پے No Work No Pay کے متعلق سوچ رہی ہے۔ لیکن ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا ہے۔

دو دن قبل اس نے پورے چار گھنٹے کی محنت سے اپنا گھریلو بجٹ تیار کیا تھا۔ جس میں فلم اور دیگر تفریحات کو ذہنی عیاشی کا درجہ دیتے ہوئے انہیں بجٹ میں جگہ نہیں دی گئی تھی۔ آرائشی سامانوں میں بھی اس نے کٹوتی کر دی تھی۔ صابن، تیل، بلیڈ، چائے کی پتی اور دودھ جیسی لازمی چیزوں میں بھی اس نے کمی کر دی۔ پھر بھی اس کے مشاہرے کی پوری رقم میں بجٹ نہ بن پایا تھا۔

مسلسل آدھ گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد اس نے کچھ تھکاوٹ محسوس کی۔ اسے چائے اور سگریٹ کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر اس خیال کو اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ کبھی خوابوں کے گھروندے بنانے کا قائل نہیں رہا تھا۔ جب جیسا تب ویسا، زندگی گزارنے کے نظریے پر اسے پورا بھروسہ تھا۔ ابھی وہ چڑیا گھر کے دس نمبر گیٹ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ سامنے سے عنبریں آتی ہوئی نظر آئی۔ عنبریں سے اس کی بہت پرانی جان پہچان تھی۔ آج سے تین برس پہلے وہ بھی عنبریں کے دفتر ہی میں کام کرتا تھا۔ ان دنوں عنبریں ٹائپسٹ تھی اور شاید آج سے زیادہ خوبصورت اور اسمارٹ۔ عنبریں اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ لیکن دفتر میں کام کرنے والی عورتوں کو اس نے بیچ دھندہ کرنے والی عورتوں سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔ حالانکہ عنبریں کے سامنے اس نے اپنی اس نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے عنبریں کا ہمیشہ ایک مہذب انسان کی طرح سواگت کیا تھا۔ اسے اچھے سے اچھے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں لے گیا تھا۔

کئی بار عنبریں نے ملن کی لو انگی میں سبقت لے جانے کی کوشش بھی کی۔ لیکن اس نے ایسا موقع عنبریں کو کبھی نہ دیا۔ اس نے سوچا اگر آج عنبریں اسے کسی ہوٹل میں لے چلنے کا آفر کرے گی تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ عنبریں قریب پہنچ کر بے تاک لہجے میں بولی۔ ہیلو فاخری صاحب۔ اچھے ہیں نا؟ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

اس کے دل میں آیا کہ سچی بات بتا دے لیکن اندر کے آدمی نے اسے سمجھایا۔ پاگل مت بنو لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے؟ یہی نا پچاس دن کی ہڑتال میں بچو کا پتہ پانی ہو گیا۔ یونین کی میٹنگوں میں زیادہ تر وہ شریک ہوتے ہیں جو گھبرا جاتے ہیں یا گھر کی مالی حالت خستہ ہونے لگتی ہے۔ اس نے بات بنائی۔ پاس ہی ایک دوست کے یہاں گیا تھا لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ راج بنسی نگر میں ڈاکٹر شفیق کے یہاں گئے ہیں۔ روڈ نمبر گیارہ میں ڈاکٹر شفیق کا کلینک ہے۔ میں کلینک میں ہی ان سے مل لینا چاہتا ہوں۔ ایک ضروری کام ہے۔

ٹھیک ہے میں ذرا یونین کے دفتر جا رہی ہوں۔ ہڑتال کب تک چلے گی ذرا پتہ لگاؤں۔ اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔ سچ ہے جیب میں پیسے ہوں ہر کوئی کھلانے کو تیار رہتا ہے۔ عنبریں شاید پیچھے مڑ کر دیکھے، اس لئے وہ راج بنسی نگر کی طرف چل پڑا۔ حالانکہ اسے اس سڑک سے گھر تک پہنچنے میں دو اور سڑکوں کا خواہ مخواہ چکر لگانا پڑے گا لیکن ایک جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے اسے یہ تکلیف گوارا تھی۔

وہ تھک کر بالکل چور ہو گیا تھا۔ قدم بڑی مشکل سے اٹھ رہے تھے۔ سگریٹ کی خواہش شدت سے ہو رہی تھی۔ ابھی تو کالونی کا چوراہا ہی آیا تھا۔ چوراہے پر سگریٹ کی دوکانوں کے علاوہ راشن کی بھی کئی دوکانیں ہیں صبح جب وہ سگریٹ اور راشن دوکانوں پر اپنے چھوٹے بچے کو ان دوکانوں پر سگریٹ اور راشن ادھار لینے کے لئے بھیجا تھا۔ دونوں دوکان داروں نے کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا تھا۔ اس لئے سگریٹ کی خواہش ہونے کے باوجود اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اور نہایت اطمینان سے سڑک کے کنارے چلتا رہا۔ اچانک سگریٹ کے دوکاندار نے اسے پکارا۔

فاخری صاحب --- ادھر آیئے۔ آپ کے برانڈ کی سگریٹ آگئی ہے۔ صبح آپ کا بچہ آیا تھا بے چارے کو واپس جانا پڑا۔ پھر دوکاندار رک کر بولا۔

دو پیکٹ دے دوں۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اسے سگریٹ کا دوکاندار اس وقت حاتم طائی سا لگا۔

اس نے آہستگی سے کہا۔

اس نے سگریٹ سلگا کر ایک کش لیا۔ سامنے سے راشن کی دوکان کا مالک چلا آیا۔

فاخری صاحب یہاں تشریف لایئے صبح آپ کا بچہ آیا تھا۔ لیکن اچھا چاول نہ ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا تھا۔ اب تمام چیزیں عمدہ قسم کی ہیں۔ آپ لے جایئے۔ فاخری کو محسوس ہوا کہ جیسے الہ دین کا چراغ اسے مل گیا ہے اور دیو اس کے تمام مسئلوں کو چٹکیوں میں حل کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔

تھیلے اور ڈبے گھر سے لے کر آتا ہوں لالہ جی۔ گھر آ کر اس نے مطلوبہ چیزوں کی فہرست بنائی۔ تھیلے اور ڈبے لئے۔ وہ کوئی فلمی دھن گنگناتا ہوا کالونی کے چوراہے کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ چوراہے پر پہنچا ہی تھا کہ سگریٹ کے دوکاندار نے کہا۔

فاخری صاحب ایک منٹ ابھی تو سگریٹ کی ایک پیکٹ کو آپ نے کھولا نہیں ہے۔ اسے واپس کر دیجئے وہ بہت پرانی اسٹاک کی ہے۔ اس نے سگریٹ کا پیکٹ دوکاندار کو واپس کر دیا۔

لالہ جی کے سامنے اس نے اپنی مطلوبہ چیزوں کی فہرست رکھی تو لالہ جی نے کہا۔

فاخری صاحب افسوس ہے ابھی منشی جی نے آئی ہوئی چیزوں کو اسٹاک رجسٹر میں اندراج نہیں کیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ سرکار پہلے اسٹاک رجسٹر چیک کرتی ہے۔ ایک دو روز بعد آیئے گا۔ سب چیزیں دے دوں گا۔

فاخری کو یوں محسوس ہوا کہ الہ دین کے چراغ کے روایتی دیو کی طاقت زائل ہو گئی ہے۔ یا وہ اس سے روٹھ گیا ہے۔ وہ نہایت مایوسی کے عالم میں اپنے کوارٹر کی طرف واپس آ رہا تھا کہ ایک سو بیس نمبر میں رہنے والے کنجیدہ ستگی سے ملاقات ہو گئی۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔

کہو یار کہاں سے آ رہے ہو؟ بڑے مایوس سے دکھائی دے رہے ہو؟ کیا بات ہے؟

فاخری نے اسے پوری بات بتائی۔ پہلے تو اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا پھر بولا۔

فاخری! تم نے دیر کر دی۔ کچھ ہڑتالی کرمچاریوں نے چوراہے پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ افواہ پھیلا دی کہ ہڑتال ختم ہو گئی ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی چوراہے کے دوکانداروں نے ادھار دینا شروع کر دیا۔ کالونی کے تمام لوگوں نے اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کر لیں۔ لیکن اس افواہ کا جادو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو گیا۔ جب تم دوکان داروں کے پاس پہنچے تب تک انہیں حقیقت کا علم ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے سروں پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔

فاخری بیگم اپنی ملازمین کی اس چالاکی پر بہت خوش تھا کہ چلو کم سے کم اب تو پڑوس میں چائے کی پتی اور اسی طرح کی چھوٹی موٹی چیزیں ادھار مل جائیں گی۔

ثمرین حامد پراچہ



شاہدہ کا دستر خوان

انچارج۔شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم ہوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہونے چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

پتہ: شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

آلو اور تل کے پکوڑے

اجزاء۔

آلو	آدھا کلو
تیل / گھی	تلنے کے لیے
سفید تل	Coat کرنے کے لیے
انڈا	ایک عدد (پھینٹ لیں)
ہری مرچ	ایک کھانے کا چمچ (باریک کٹی ہوئی)
املی کا پانی	ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچ (کٹا ہوا)
Breat Crumbs	Coat کرنے کے لیے
چاٹ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ (پسا ہوا)
نمک	حسب ضرورت
سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)

ترکیب۔

آلو ابال کر میش کر لیں پھر تمام مصالحے، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کریں اور گول بالز بنا لیں۔ Breat Crumbs میں سفید تل ملائیں اور بالز کو پہلے انڈے میں ڈبوئیں پھر Crumbs میں Coat کر کے گرم تیل یا گھی میں فرائی کر یں۔

☆ نسرین۔ اسلام آباد

کڑاہی قیمہ

اجزاء۔

قیمہ	ایک کلو (ہاتھ کا بنا ہوا)
آئل / گھی	ایک کپ
پیاز	دو عدد (آملیٹ کی طرح کٹے ہوئے)
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
دھنیا	ایک چائے کا چمچ (ثابت)
مرچ	دو چائے کے چمچ (کٹی ہوئی)
ٹماٹر	چار عدد (باریک کٹے ہوئے)
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	چھ عدد (کاٹ لیں)
ہرا دھنیا	آدھی گڈی

ترکیب۔

قیمے کو دھو کر اچھی طرح خشک کر لیں۔ اس کے بعد ایک پتیلی میں تیل یا گھی گرم کر کے تمام اشیاء اس میں ڈال کر درمیانی آنچ پر بھون لیں جب تیل یا آئل اوپر آ جائے تو اس پر ہرا دھنیا ڈال کر پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ قیمہ تیار ہے گرم گرم نان یا روٹی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆ عفت شاہین۔ لاہور

Trifle Pudding

اجزاء۔

بسکٹس	6 عدد (چورا کر لیں)
گاڑھی کریم	300 ملی لیٹر (پھینٹی ہوئی)
اسٹرابیری جیلی کرسٹل	ایک کپ
اسپنج رول	آدھا کلو
آڑو	425 گرام (سلائس)
آڑو کا جوس	1/4 کپ

برائے کسٹرڈ اجزاء۔

کسٹرڈ پاؤڈر ونیلا	دو کھانے کے چمچ
دودھ	آدھا لیٹر

چینی	دو کھانے کے چمچ (پسی ہوئی)

ترکیب برائے کسٹرڈ۔

کسٹرڈ پاؤڈر اور چینی کو تھوڑے سے دودھ میں مکس کریں۔ اب باقی دودھ بھی اس میں ملا دیں اور اس وقت تک پکائیں کہ یہ گاڑھا ہو جائے اب اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں۔

ترکیب۔

جیلی بنانے ڈبے پر دی ہوئی ترکیب کے مطابق اور اسے فریج میں جما لیں۔ اسپنج رول ایک سینٹی میٹر کے سلائس میں کاٹ کر کانچ کی ڈش کے پیندے اور سائیڈ پر پھیلا دیں۔ اب اس پر آڑو کا جوس ڈالیں اور اس پر جیلی ڈال کر فریج میں رکھیں۔ یہاں تک کہ جیلی جم جائے۔ آڑو کے سلائس جیلی کے اوپر رکھ اور کسٹرڈ پھیلا کر کریم ڈال کر ٹھنڈا کریں تازہ پھلوں اور بسکٹس کے چورے سے سجائیں۔

☆ شازیہ۔ سرگودھا

Fish with soy sauce gravy

اجزاء۔

مچھلی	آدھا کلو
آئل / گھی	فرائی کے لیے
میدہ	دو اونس
نمک	ایک چائے کا چمچ
white pepper	آدھا چائے کا چمچ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچ
انڈا	ایک عدد

اجزاء برائے گریوی۔

چکن	ایک اونس
پانی	آدھا کپ
مشروم (optional)	ایک اونس
کارن فلور	آدھا کپ
ادرک	1/4 اونس
چینی	چار چائے کے چمچ
پیاز	دو اونس
سویا ساس	آدھا کپ
تیل / گھی	1/4 کپ
چکن یخنی	آدھا کپ

ترکیب۔

مچھلی کی کھال اتار کر چکور بڑے بڑے ٹکڑے کر لیں۔ پھر مچھلی پر white pepper اور اجینو موتو لگائیں پھر میدہ میں لپیٹ کر انڈے میں رول کریں۔ پھر دوبارہ میدے میں رول کر کے گرم تیل یا گھی میں گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کر لیں۔

ترکیب برائے گریوی۔

گھی یا آئل گرم کریں۔ اس میں چکن، مشروم، ادرک اور پیاز کو چکور کاٹ کر ڈالیں اور ہلکا فرائی کر لیں۔ پھر یخنی اور تمام اجزاء ڈال کر مکس کریں۔ کارن فلور کو پانی میں گھول لیں اور گریوی میں ڈال کر چند منٹ پکا کر اتار لیں اور مچھلی کے اوپر ڈال کر سرو کریں۔

☆ عابدہ۔ ملتان

Beef Roll with walnut

اجزاء۔

گوشت	آدھا کلو
سونیٹ اینڈ سار سوس	ایک پیالی
اخروٹ	ایک چھٹانک (چوپ کر لیں)

تیل/گھی	ڈیپ فرائی کے لیے
کارن فلور	تھوڑا سا
white pepper	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ
چینی	حسب پسند

ترکیب۔

گوشت کے چھوٹے پارچے بنالیں۔ گوشت میں نمک، چینی اور white pepper لگا کر دس منٹ کے لیے رکھ دیں پھر اخروٹ ہر پارچے میں ڈال کر رول کر لیں اور کارن فلور چھڑک دیں۔ درمیانی آنچ پر براؤن اور کرسپی ہونے تک فرائی کر لیں۔ پھر نکال کر ایک الگ پین میں سوس ڈالیں اور فرائی کیے ہوئے رول ڈال کر 5 منٹ ہلکی آنچ پر بھونیں اور گرما گرم پیش کریں۔

☆ مجتبیٰ نور۔ اٹک

دھن ساگ

اجزاء۔

چنے کی دال	آدھا پاؤ
آئل/گھی	ایک کپ
اڑد کی دال	آدھا پاؤ
پیاز	ایک عدد
مونگ کی دال	آدھا پاؤ
ہلدی	آدھا چمچ
مسور کی دال	آدھا پاؤ (دھلی ہوئی)
دار چینی	2 عدد (ٹکڑے)
لوکی	ایک پاؤ
لونگ	6 عدد
بینگن	ایک پاؤ
سفید زیرہ	ایک چمچ
گوشت	آدھا کلو (بغیر ہڈی)
نمک	حسب ذائقہ
ادرک	آدھا چائے کا چمچ (پیسٹ)
لال مرچ	دو چمچ (پاؤڈر)
لہسن	آدھا چائے کا چمچ (پیسٹ)
ہری مرچ	4 عدد
ہرا دھنیا	ایک گڈی
ٹماٹر	دو عدد
گرم مصالحہ	ایک چمچ (پاؤڈر)

ترکیب۔

دالیں دھو کر چولہے پر چڑھا دیں اس میں تمام سبزیاں باریک کر کے ڈال دیں۔ جب پک جائیں تو ان کو پیس لیں۔ تیل یا گھی گرم کر کے پیاز ہلکی سرخ کر لیں۔ اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ اور سب مصالحے ڈال دیں۔ ایک گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ پانی سوکھ جائے تو ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں۔ اس میں سبزیاں اور پسی ہوئی دالیں ڈال دیں دس منٹ تک پکنے دیں۔ اس کے بعد اوپر ہری مرچیں، دھنیا اور ایک چمچ پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں۔ دھن ساگ تیار ہے۔ بگھارے ہوئے چاولوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆ فوزیہ طاہر۔ کراچی



میری پسند

انچارج
نور فاطمہ

کوپن ماہ ستمبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنا شعر یا قطعہ یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

پتہ: میری پسند ..... ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

ان کی زلفیں بکھر گئی ہیں شاید
سارے جگ میں بڑا اندھیرا ہے
اس کو ظلمت کا خوف کیا ہو گا
جس کے دل میں تیرا بسیرا ہے

رابعہ نصیر ------------ گلگت

میں گرا تھا تو بہت سے لوگ رکے تھے لیکن
سوچتا ہے کہ آئے ہیں اٹھانے کتنے
نہ نیا زخم لگاؤ نہیں اس سے کیا ہے
بھرنے والے ہیں ابھی زخم پرانے کتنے

عبدالحئی ------------ دبئی

چاند تاروں کی نظر تجھ کو نہ لگ جائے کہیں
میرے محبوب ذرا ان سے بھی پردہ کرنا

چوہدری دین محمد ------ ضلع گجرات

آئینہ ٹوٹ بھی جائے تو کوئی بات نہیں
دل نہ توڑے کہ یہ بکتا نہیں بازار میں
معراج علی وردو۔ گلگت

خط کیا لکھا تھا تو نے اپنے تیر سے
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا دل میرا تیری تحریر سے

عبدالرحمان ------------ ضلع لاہور

وہ بھی رو پڑی میرے خط کو ویران دیکھ کر
کیونکہ میں نے اس خط میں کچھ لکھا ہی نہیں تھا
ایم ابراہیم مٹھانی۔ مسو بو زوار

اک قطرہ لہو تو رہنے دے میرے دل میں
شاید کہ تیرا ہاتھ بھی محتاج حنا ہو

حبیب احمد ------------ ٹبہ۔ جڑانوالہ

تجھے تیرے شباب کی قسم رنگوں کو دیکھ کے چل
سوئی پڑی ہیں خاک میں اجڑی ہوئی جوانیاں

طالب حسین ------------ ملتان

ہاتھوں پہ لکھ کے چومتے رہتے ہیں اس کا نام
مدت گزر گئی ہے جسے خط لکھے ہوئے
روشن علی۔ کوٹ مالی مصر

میرا پیار بھی تو میری زندگی بھی ہے تو
میرے ہر سانس کو ہے تیری آرزو
تو وہی دھوپ ہے تو وہی چھاؤں ہے
جس کو پانے کی تھی صدیوں سے جستجو
محمد یوسف انصاری۔ کراچی

دل سے تیرا خیال مٹا کر چلے ہیں ہم
اپنی تباہیوں کو بھلا کر چلے ہیں ہم
اکرم کنول۔ نیو ملتان

اک تم ہی نہ ملے ورنہ
ورنہ ملنے والے بچھڑ کر ملے
حاجی محمد اکرم ارائیں۔ بہاولپور شہر

سر جھکا ہو گا ایک دن آپ کا
چھین لیں گے غرور آخر ہم آپ کا
کی ایم ملک۔ شاور کرن علم ملتان

چمن کے پھول ہمارے ہی خون سے مہکے
ہمیں بھی چمن لیا صیاد نے سزا کے لیے
کنول۔ ملتان

شاخوں پہ آشیانے بچے ہیں اسی طرح
پھر لوٹ کر نہ آئے پرندے ہوا کے ساتھ

★ نمرہ نواب ------ سرگودھا
اک تم ہی نہ مل سکے ورنہ
ملنے والے بچھڑ کے ملے
چمن کے پھول ہمارے ہی خون سے مہکے
ہمیں بھی چمن لیا صیاد نے سزا کے لئے

★ ملک شبیر علی ------ ڈیرہ
دل سے تیرا خیال مٹا کے چلے ہیں ہم
اپنی تباہیوں کو بھلا کر چلے ہیں ہم
کھائیں گے ہم بھی شیشہ دل پہ نظر کی چوٹ
یہ بات اپنے دل میں بٹھا کر چلے ہیں ہم

یونس سید نگر علوی
بزدلی محفل میں ہو جانے کا ڈر لگا
نہ مانگو تم کبھی کنجوں سے کرنگا

★ محمد یعقوب ------ راولپنڈی
نادان تھے نہیں پیسہ کرنے چلے ہیں عشق
تھوڑی مانگ اسٹ حسینا کے ہاتھ نکلنے

★ خالد رفیق ------ گجرات
ہاں کہا کر ہر جگہ ٹھوکنا اچھا نہیں
دامن منصب پہ لگ جائے نہ دھبہ کہیں

★ محمد ارشد ------ ڈیرہ اسماعیل خان
جس گھر میں ساس ہو وہاں ٹی وی کا کیا کام
جب روز مفت ہی میں ڈرامہ دکھائی دے

★ ناصر محمود ------ راولپنڈی
بجلی نے کہا بجنوں سے چلو شرط چھوڑے لگ گئے
تنگی تنگی میں بجنوں کو چندہ کوڑنے لگ گئے

★ غلام عباس ------ شیخوپورہ
میزان عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں
کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

☆ قطب عباس۔ پشاور
اب آگ نہ جلنے پائے گی نمرود صفت عیاروں کی
ہم رحمت حق کے شعلوں سے گلزار بنا کر دم لیں گے

☆ سید شبیہ جمال۔ نوشہرہ
پھر حشر کے ساماں ہوئے ایوان ہوس میں
بیٹھے ہیں ذوی العدل گنہگار کھڑے ہیں

☆ سراج الدین۔ سرگودھا
آج وہ صبح کا تارا بن کر
راستہ مجھ کو دکھانے آیا
خالدہ زیدی۔ شیخوپورہ

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کہسار ہٹ گیا
حسیرا رشیدہ۔ ڈسکہ

رفیقان سفر جی کو کڑا رکھنا کہ راستے میں
بڑی مشکل سے کوئی سایہ دیوار ملتا ہے
قمر سلطانہ۔ بہاولپور

WWW.PAKSOCIETY.COM

قتل بھی کرتا ہے اور کہتا ہے مقصد نیک ہے
واہ رے اے چارہ گر تو بھی ستمگر ایک ہے

نجمہ نواز۔ کراچی

اجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر
حالات کی قبروں کے یہ کتبے بھی پڑھا کر
ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

☆ آفتاب محمد سرور تنہا

روزانہ قریب سے گزر جاتے ہیں
گہرے زخم دل پہ کر جاتے ہیں
جنہیں مسکراتا دیکھ کر ابراہیم
کوئی نہ کوئی بھول ہم کر جاتے ہیں

☆ محمد ابراہیم کھوکھر۔ بھمرہ

حاصل نہ ہو سکے گا تجھے دہر سے فراق
جو لطف کی تھی آرزو تو لیتا بہار سے

☆ نور محمد فراق بلوچ۔ سمندوالہ ضلع میانوالی

وہ واجد اب کہاں آئے نظر
سر پہ گنج چال میں لنگڑاہٹ لیے پھرتا ہے

☆ واجد لکھنوی۔ کراچی

دیکھنا ہے شہر علم و فن میں اے جوہر تجھے
کون ہیں وہ لوگ جو فنکار آ کر ہو گئے

☆ سید سخاوت علی جوہر۔ کراچی

اس لیے بھی رات کو گھر سے نکلتا ہوں میں
سردیوں کے چاند کو احساس تنہائی نہ ہو

افضل احمد ۔۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان

کمرے میں چھپ کے اس نے جلایا تھا میرا خط
پھر راکھ سارے شہر میں کیسے بکھر گئی

سید قمر زمان ۔۔۔۔۔۔ اسلام آباد

آتی ہے یاد تیری روتا ہے دل میرا
ٹپکتا ہے جو بھی آنسو بنتا ہے نام تیرا

غفار احمد بھٹی۔ لاہور

جو پوچھتا ہے کوئی سرخ کیوں ہیں آنکھیں
تو آنکھیں مل کر کہتا ہوں رات سو نہ سکا
ہزار کہنے کے باوجود یہ کہہ نہ سکوں گا
کہ رات رونے کی خواہش تھی مگر رو نہ سکا

عابدہ محمود۔ ملکہ ہانس ضلع پاکپتن

میرے شریک سفر دے گئے دھوکہ مجھ کو
ورنہ اس طرح ہرگز نہ ٹھوکریں کھاتے

تابندہ اکرام ۔۔۔۔۔۔ میانوالی

تھی آرزو کہ بستیاں اپنا بنائیں گے ہم
آندھیاں ایسی چلیں کہ سبھی تنکے بکھر گئے

محمد اشرف ۔۔۔۔۔۔ کوٹلی (AK)

اس کی زخم میں ارشد آج کچھ اضافہ ہے
باد صبا ان کی چوڑیوں سے ٹکرائی ہے شاید
بجلی بہار ہوئی جو بغل گیر آنچل سے
تھی بجلیاں گرا کتنے دل لوٹنے

ارشد علی ارشد۔ مغربی زیریں

کس طرح تم کو بنا لوں میں شریک زندگی
میں تو اپنی زندگی کا بار اٹھا سکتا نہیں

محمد رمضان ۔۔۔۔۔۔ چنیوٹ

اپنے ہی سائے سے رونے لگا ہوں
مجھ سے بھی کوئی انسان اکیلا ہو گا

ایم نواز شاہین۔ کراچی

مانا کہ غم کے بعد مسرت ضرور ہے
لیکن جیئے گا کون تیری بے رخی کے بعد

عادل۔ کماریاں

ہائے محبت تجارت ہو گئی ہے
اس کے ہم سے حقارت ہو گئی ہے
کیا سوچ کے دل لگایا تھا
شاید اک عمر کی جستجو غارت ہو گئی ہے

غلام حسین ---- سلانوالی ضلع سرگودھا

میری زندگی کیا سے کیا بن گئی ہے
میری دکھ بھری التجا بن گئی ہے
لو بلبل بھی آنسو بہاتے ہیں مجھ پہ
یوں مقدر کالی گھٹا بن گئی ہے

ایچ کے بھیروی۔ مظفر گڑھ

اک نادان مجھے خطا کرتے رہے
پھول سے خوشبو جدا کرتے رہے
دے گئے وہ ہم کو درد لا دوا
جن کے حق میں ہم دعا کرتے رہے

طاہرہ پروین اوا سونگ بہاولپور

وہ کسی اور کی بانہوں میں دل میرا غم کی راہوں میں
وہ قرار بن گئی کسی کا بس گئی غیر کی بانہوں میں
ہم تو قرار وفا کر کے نکلے تھے عشق کے سفر میں
یاد رکھنا ہمیں بھی بے وفا اپنی نیک تمناؤں میں

شعیب احمد ---- بہاولپور

میں بھی جانتا ہوں جو فرق تم نے روا رکھا ہے
مجھے غیر اور غیروں کو اپنا بنا رکھا ہے
ہم نے تو تجھ سے عمر بھر نبھانے کی قسم کھائی ہے
دیکھو اس راست عہد اپنا نبھا رکھا ہے

صدف بتول ---- ایبٹ آباد

وفا کا نوا وعدہ جفا کر چلے ہو
نئی کیا رسم بنا کر چلے ہو
نئے سنوارنے کی کھائی تھی تم نے قسم
کیوں راست اسے تم فنا کر چلے ہو

نیاز علی بھٹی ---- سرگودھا

میری خوشیوں کا خزانہ نہ مجھے واپس نہ ملا
میں نے روتے روتے ہر عہد مانگی بارہا

محمد عظمت ---- منڈی بہاؤالدین

ایسا طوفان آیا ساحل پہ اب تو ہم
کشتی نے ساتھ چھوڑ دیا کناروں سے پہلے
نہ دیکھ سکے خوشیوں کے دن سنگدل دنیا میں
سب کچھ لٹ گیا ہمارا اقراروں سے پہلے

فتح محمد ---- تحصیل جنڈ ضلع اٹک

سحر ہو آئی اس چراغ کی مدت
جو ساری رات سسکتا رہا سحر کے لیے

عدیل بٹ۔ نوتانوالی

ان کو دیکھے سال ہوئے
سارے خواب خیال ہوئے
ان کا روپ اور میری آنکھیں
سارے منظر لال ہوئے

ماٹیک اصغر علی عاصم۔ راولپنڈی

آدھی رات کو جب دنیا والے
جب خوابوں میں کھو جاتے ہیں
تو لبے میں محبت کے روگی
یادوں کے چراغ جلاتے ہیں

محمد یوسف ---- گجرات

کرتے ہیں محبت سب ہی مگر ہر دل کو صلہ کب ملتا ہے
آتی ہیں بہاریں گلشن میں ہر پھول مگر کب کھلتا ہے

محمد انور ---- بھکر

میرا دل بھی نکال لینا مرنے کے بعد یارو
کہیں وہ بھی مر نہ جائے جو میرے دل میں بستا ہے

ذوالفقار علی ---- مروان

دوست بن کر زخم جگر دیا اس دنیا نے مجھے
تو تعوس کر کوئی مسیحا نہ ملا اک پل کے لیے

صابر حسین ---- فیصل آباد

تو وہ باغباں ہے جو دیتا ہے پھول سب کو
مایوس میں ہوں آیا تیرے آشیانے سے

سلیم احمد ------ رحیم یار خان

اب تک بھٹک رہے ہیں اک سزا کی طرح
اپنا نام لکھ بیٹھے تھے جینے والوں میں
ایم نواز شاہین خٹکوی۔ کراچی

مانا کہ تم حسین ہو اس قدر بھی نہیں
جو قدر میری نگاہ نے تجھے بنا دیا
ثناء اللہ نیازی۔ عیسیٰ خیل

آشیاں پھول کی ٹہنی پر بنانے والے
گل کے شعلے بھی کبھی آگ لگا دیتے ہیں
اعجاز احمد خان۔ لاہور

زندگی کتنا خوبصورت نام ہے تیرا
رکھوں نے اسے بدنام کر رکھا ہے
نجیب خان۔ تری خیل

آداب محفل صنم ملحوظ خاطر رکھے ہم نے راحت
ورنہ ہم ان سے ضرور پوچھتے کہ کتنے وفادار ہو تم
امیر نواز خان۔ لاہور

خدا غارت کرے گلشن کے بد اندیش تنکوں کو
یہ ظالم جل جاتے ہیں کسی کا آشیاں ہو کر
وزیر خان نیازی

مثال رہتے ہوئے ہوئی شاعر سے یہ بھول
کہاں راحت تیری کہاں گلاب کے پھول
ریاست حسین۔ راولپنڈی

کہتے ہیں آنکھ آنکھ سے ملتا ہے بندگی
دنیا کے کام چھوڑ ذرا آنکھ تو ملا!!
محمد قاسم ضیاء۔ قادر پور راواں

ان کی زلفیں اگر بکھر جائیں
احتراماً رات نہیں ہوتی

لیاقت علی ------ راولپنڈی

پلکوں سے سو گئی ہے امیدوں کی روشنی
ہم زندگی میں کر کے چراغاں اجڑ گئے

مدیحہ شہزادی ------ خوشاب

شدت غم کو تبسم میں چھپانے والے
دل کا ہر زخم نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے
خالد خان نیازی۔ ملتان

یہ پھول ہر گلشن پہ بہار
تمہاری چاہت کی منتظر ہیں
نجیب۔ تری خیل

پلکوں پر لرزتے ہوئے تارے سے یہ آنسو
اے حسن پشیماں تیرے قربان گئے ہم

عاطف محمود ---- نواب شاہ (سندھ)

یا رب کسی کے گلشن کو تباہ نہ کرنا
اچھے دوست ملیں تو جدا نہ کرنا

ایم اکرم ------ چوکی

تحریر تو دیکھی ہے تصویر نہیں دیکھی ہے
ملنے کی تمنا ہے پر تقدیر نہیں دیکھی ہے

عمران علی ------ شبقدر فورٹ

پھر فنا ہوتا ہو آئے ہو تو فاتحہ پڑھ لو
شکستہ قبر ہے ممکن ہے کل کو نشاں نہ رہے گا
امتیاز احمد ساجن۔ نوشہرہ ورکاں

لایا چاند لگن کا پیام
نکھرا رنگ شام کا تمام

گلشن رضا ---- شمس آباد راولپنڈی

اے پھول تجھے خوشبو کا بادشاہ کہتے ہیں
تجھ میں محبت اتنی ہے سب تجھے اپنا دیوانہ کہتے ہیں

محمد مسعود خان ۔۔۔۔۔۔ کراچی

اتنی محبت ہے تجھ میں بھول
تجھے محبوں کا خدا کہتے ہیں

ایم شفیق احمد سنتفیتی۔ کرنانہ گجرات

اخلاق سب سے رکھنا پیغمبر ہے تو یہ ہے
خاک اپنے کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

حاجی محمد ارشد ۔۔۔۔۔۔ جہلم

یاری نہ ملے گا نہیں قرآن سے بڑھ کر
دولت نہ ملے گی تمہیں ایمان سے بڑھ کر

حافظ حبیب اللہ مہر۔ بکھر

ہمیں تو بڑا ناز تھا یارا تیری وفا پہ
یہ کیا کیا کہ دامن چھوڑ کے مسکرا دیے

مستری طاہر حسین ۔۔۔۔۔۔ خانپور

میں شمع کی مانند پگھل رہا ہوں یارو
کہ پھر بھی شوق محبت ہوں پروانے کی طرح

فاروق رضا۔ شہداد پور سندھ

جستجو جس کی تھی اس کو تو نہ پایا ہم نے
اس بہانے سے مگر دیکھ لی دنیا ہم نے

ہیو دیوان۔ لاہور

ڈھونڈنے خوشیاں چلا تھا تیری محفل کی طرف
درد کے شعلے لگے بڑھنے میرے دل کی طرف

محمد عثمان بلوچ۔ پڑوان شرقی

تجھ کو رسوا نہ کیا خود بھی پشیماں نہ ہوئے
عشق کی رسم کو اس طرح نبھایا ہم نے

پرنس الیاس خان۔ ساہیوال

حرج ہی کیا ہے الگ بیٹھا ہوں محفل میں خاموش
تم سمجھ لینا کہ ہے بھی نقش بے دیوار کا

محمد اصغر خان۔ پڑوان شرقی

بھول جاتے ہیں غم زمانے کے
تیرے اک بار مسکرانے سے

اسد ظفر۔ فیصل آباد

آؤ عہد کریں پیار میں دونوں ہی یہ عاصم
توہین وفا جو بھی کرے موت سزا ہو

طارق ظفر۔ فیصل آباد

میں برا تو نہیں چاہتا لیکن خدا کرے
لگائے تجھے بھی کوئی ٹھوکر میری طرح

اصغر علی عاصم۔ مخدوم پور پہوڑاں

کاجل کی طرح آنکھ میں غیروں نے جگہ دی
آنسو کی طرح گر گئے اپنوں کی آنکھ سے

عابد حیات ملک ۔۔۔۔۔۔ ضلع وہاڑی

بھلا دے ساری دنیا سنبھل جا اے جاوید
جب اپنے ہی نہیں اپنے تو غیروں پہ کیا بھروسہ

جمیلہ پروین ۔۔۔۔۔۔ میرپور خاص

وفا دیکھ بھال کر حسرت زدہ کی لاش کو
لپٹی ہوئی کفن سے کوئی آرزو نہ ہو

عطیہ اکرام ۔۔۔۔۔۔ شارجہ

تنگ آ چکے ہیں کشمکش زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

ایم نواز شاہین بھنگوی۔ کراچی

جس زمانہ میں جیتا چہرہ اک مجبور بہانہ ہے
چاند میں سچ مچ نور کہاں ہے چاند تو اک ویرانہ ہے
مجھ کو تنہا چھوڑنے والے تو بھی تنہا رہ جائے
جس پہ تجھ کو ناز بڑا ہے اس کا نام زمانہ ہے

محمد اقبال ۔۔۔۔۔۔ مردان

اپنے تیور کو سنبھالو کہ کوئی یہ نہ کہے
دل بدلتے ہیں تو چہرے بھی بدل جاتے ہیں

زاہد الرحمان ۔۔۔۔۔۔ گجرات

غزلیں نظمیں

کوپن ماہ ستمبر 2014ء

انچارج .... معیز و تحر

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنی غزل' نعت' نظم یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

کیئر غزلیں نظمیں ..... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☆ احمد حسیب قیصر۔ لاہور

غزل

مراسم جدائیوں کے بدلتے نہیں کبھی
وہ ساتھ دو قدم میرے چلتے نہیں کبھی
شناسائی تھی جن سے مدتوں میری
تیرے ہونٹوں پہ وفا کے پھول کھلتے نہیں کبھی
دشوار مراحلے ہیں وفاؤں کے یہاں
مسرتوں کے چراغ جہاں میں جلتے نہیں کبھی
برہم سی ہوا بھی ہے تیرے گلشن کی
بچھڑ جائیں جو زندگی میں پھر ملتے نہیں کبھی
منظر تیری یادوں کا دل سے پھر مٹتا نہیں جاوید
دیپ وفاؤں کے جہاں میں جلتے نہیں کبھی

☆ محمد اسلم جاوید۔ فیصل آباد

غزل

زمیں سے دور مرے آئینے سجاتا ہے
وہ پتھروں کو سر آسمان بلاتا ہے



غزل

تری صدائے دل فگن تری ادا کا بانکپن
یہی تو ہے اے جانِ من میرا اسامان دردِ دل
مستی تیرے خواب کی نشہ ترے خیال کا
اسی پہ ہے میرے حکیم کو گمان دردِ دل
میں تیری یاد میں جہاں سے بے خبر رہوں
اسی کا نام عشق ہے یہی ہے شان دردِ دل
شعر میرے پیار سے پیار میرا یار سے
پیار ہی سے زندگی یہی زبان دردِ دل
سن لوں سب شکایتیں دراز نہ کروں زباں
یہ صبر کا مقام ہے' ہے امتحان دردِ دل

وہ کھیلتا ہے مرے ساتھ دل کی بازی بھی
کبھی ہنساتا ہے مجھ کو کبھی رلاتا ہے
میں کوستا ہوں اسے درمیاں بگولوں کے
مجھے وہ بھیج کے صحرا میں مسکراتا ہے
وہ پھول توڑ کے بالوں میں ٹانکتا ہے کبھی
وہ پیچھے کر کے کبھی آئینہ دکھاتا ہے
بہا رہا ہے مسلسل وہ پانی آنکھوں سے
غم حیات میں وہ قہقہے لگاتا ہے
کئی دنوں کی مسافت ہے اس کے پیروں میں
کئی دنوں سے مرے پاس آتا جاتا ہے!
بجھا کے پہلے چراغوں کو اہتمام کے ساتھ
پھر اہتمام سے سرگوشیاں سناتا ہے
وہ میکدے میں تلاوت مراد کرتا ہے
نماز میں وہ مرے شعر گنگناتا ہے!

☆ رضوان امجد مراد۔ سیالکوٹ

مختصر نظمیں

(1)

کھلی آنکھوں سے
جو خواب میں نے دیکھا تھا
وہ اب خشک آنکھوں سے
سیلاب کی صورت
بہہ نکلا ہے

(2)

جان من
تمہارا تصور
میرے ذہن سے اب
موت ہی جدا کر سکتی ہے

(3)

کل تک جو
آشنا تھے ہم سے
آج
قریب سے یوں میرے گزرے ہیں
اجنبی ہو جیسے

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

غزل

جب سے وہ میرے دل کا قرار ہوئے ہیں
ہم پہ درد کے سو رنگ آشکار ہوئے ہیں
محبت ثواب گر ہوتی تو جنت ہماری تھی
تجھے شب و روز سوچ کر بس گنہگار ہوئے ہیں
تیری آس کے دھاگوں میں مربوط اعتبار تھا میرا
اسی اعتبار سے بھرم تار تار ہوئے ہیں
جس کی وفاؤں پہ رشک ہمیں انتہا کا تھا
ان کی بے وفائی کے چرچے سر بازار ہوئے ہیں
انگلیاں اٹھائے لوگ مقام شعور پہ آئے جب
اپنا آئینہ دیکھ کر شرمسار ہوئے ہیں
ناکام حسرتوں کی قبروں پہ جذبے نوحہ کناں ہیں
مرض عشق میں کئی دل مزار ہوئے ہیں
فضا زمانے نے بدل ڈالی خو میرے اپنوں کی
لہجے گل سے گریزاں پھر تلوار ہوئے ہیں

☆ حمیرا انفاس۔ رحیم یار خان

غزل

میری روح پہ کتنے زخم ہیں یہ کوئی جان نہ پائے گا
میری ہنسی میں کتنے آنسو ہیں یہ کوئی جان نہ پائے گا
ہر گزرنے والے چہرے کو آج غور سے دیکھ رہے ہیں
شاید کسی کے چہرے میں اس کا عکس مل جائے گا
رخ روشن جو ہوا ہے عیاں کر لو تم دیدار
پھر اس طرح سے شاید اس کا دیدار ہو نہ پائے گا
جانے والے کو یہ روکنا کب کوئی یہاں پہ ٹھہرے گا
بیتے دنوں کا دھندلکوں میں نقش پا رہ جائے گا
گھائل روح پہ اس قدر ہے زخموں کی تعداد بڑھی
گھائل جو چاہے ان کو شاد نہ کوئی کر پائے گا
چہروں کے جنگل میں کسی کے گم ہونے کی کیا بات کرتی ہو نایاب
خورشید جو چھپے بادلوں کی بھیڑ میں نشان نہ مل پائے گا
نایاب آرزو۔ ملتان

بس ایک بار ہوئی اپنے نصیب میں قربت
پھر جو ہم بچھڑے تو نہ مل سکے اس سے
بام لب بات ہماری ہم خوشی رہی
جو کہنا چاہتے تھے آج تک نہ کہا اس سے
وہ اہل بزم ہے اس کی کیا بات کریں
ہم کتنے مقدور ہیں یہ کیسے کہیں اس سے
وہ نہیں چاہتا تو ہم بھی رہیں گے خاموش
غم ہجر کے فسانے اب کیا کہیں اس سے
جلتی دھوپ میں کھڑا ہے وہ چپ چاپ اور گم سم
میرے دامن میں سمٹ جائے یہ کیسے کہوں اس سے
نایاب ترکِ تعلق بھی نہیں چاہتا وہ ہم سے
دوریوں کے بہانے نئی بنا کریں اس سے
شاعرہ۔ نایاب آرزو

غزل

اب ہم کو موت مل جائے تو اچھا ہے
اب یہ جان بھی نکل جائے تو اچھا ہے
میرا یہ پاگل دل کسی طرح سنبھل پاتا نہیں
اس طرح اگر بہل جائے تو اچھا ہے
دن گن گن کر گزار رہے ہیں ہم
دو دو کر رات ڈھل جائے تو اچھا ہے
آئے کاش مرنے سے پہلے اک بار پاس
اک نظر میری حالت دیکھ جائے تو اچھا ہے
دشمنی تو غیر کی دلہن بننے سے پہلے
تیرا یہ انجم مر جائے تو اچھا ہے
شبیر افضل انجم۔ باسیہ، اٹک

غزل

عہد وفا تو ہم نے کر لیا تھا اس سے
وہ نبھا نہ سکا تو نہ گلہ کیا تھا اس سے

آؤ مل کر رہیں

چاہے جو بھی
ہم غم نہ بدا ہوا!
آؤ مل کر رہیں
ساتھ مرنے جینے کا اقرار کریں
پیار کرنا ہے عبادت آؤ پیار کریں
آؤ مل کر رہیں
یہ نہ دیکھ کر تم مجھ کو کتنا ستاتے ہو
یہ انجھو کر تم مجھ کو کتنا سمجھاتے ہو
میری غربت کو نہ دیکھ
تو اپنی شان کو دیکھ
اکبر اصغر ایک ہیں یہ چرچا عام کریں
آؤ مل کر رہیں آؤ مل کر رہیں
ملک نذیر احمد۔۔۔۔۔۔۔۔۔ راولپنڈی

غزل

وہ جانے بیٹھے ہیں اکثر خیالوں میں
نظر نہیں آنے ہمیں اجالوں میں
بس اک تصور سے ہمکلام ہوتا ہوں
زندگی ڈوب چلی درد بھرے نالوں میں
خاک صحرا کو چھانا شوق وصل لیے
کتنے ارمان چھپائے زیر پا لوں میں
قرار پائے گا دل بے تاب اب نہ ہے
بے ہی نہیں ساقی تیرے پیالوں میں
میں وہ مسافر منزل ہے لٹا ہوں
الجھ گیا ہوں غم کے عجیب جالوں میں
اس شجر سے سائے کی توقع ہے نہیں
کوئی پتہ ہی نہیں جس کی ڈالوں میں
زخمی دل کی حالت بتائیں کیسے
مجروح عمر کٹے گی ان سوالوں میں

ایم اے زخمی۔ کراچی

غزل

بہت تھی آس جن کی ہم کو وہ آج پرائے ہو گئے
فرزور بہت تھی پانے کی جن کو وہ فرج پرائے ہو گئے
نہیں جینا تیرے بغیر یہ صدا دی میرے دل نے ہم کو
سدا عمر بھر ساتھ رہیں یہ دعا دی میرے دل نے ہم کو
پیار وفا کی باتیں کرنے والے فرج پرائے ہو گئے
کسی کو جا کر شب ہجراں کا ہم سنائیں گیت
وہ تو ہم سے روٹھ گیا اب کس کو ہم بتائیں میت
پیار نبھانے کے وعدے کر کے وہ آج پرائے ہو گئے
چاند نکلا ہے عید کا چاند لیکن وہ نہ آئے
ان کی پرچھائیں نہ ساتھ رہی اور رہے نہ سائے
چاند وفا کا بننے والے وہ آج پرائے ہو گئے

فوزیہ بشیر۔ لاہور

غزل

ایسے بھی لمحے زیست میں سو بار آئے ہیں
جب چشم انتظار نے آنسو بہائے ہیں
دل کو شکایت غم جاناں نہیں کہ ہم
آلام زندگی پہ سدا مسکرائے ہیں
گرچہ کڑی ہے دھوپ مگر پھر بھی رہرووا
راہ وفا میں آج بھی سائے ہی سائے ہیں
کچھ یوں بھی ہم کو راس نہ آئی کوئی خوشی
کچھ خود بھی دل نے حوصلے غم کے بڑھائے ہیں
تبسم ہمارے عزم کی کیا دے گا کوئی داد
ہر نازہ واردات پہ ہم مسکرائے ہیں

شہناز تبسم..... گوجرانوالہ

غزل

دلفریب ہے تیری ہر ادا ہمدم
دل سے آئے یہی صدا ہمدم
تجھے دیکھے بن نہ قرار آئے
جانے کیا تو نے کر دیا ہمدم
اور بھی خوبرو ہیں دنیا میں
ہے دوسروں سے مگر توں جدا ہمدم
یہ نہ ہو بھولنا بھی مشکل ہو
اس قدر پیار نہ بڑھا ہمدم
زندگی بھر نہیں بھولوں گا تجھے
یاد رکھوں گا ہر لمحہ ہمدم
پیار میں کیا ہے دکھ غموں کے سوا
وقت ہے اب بھی لوٹ جا ہمدم

شمس الدین شمس۔ راولپنڈی

غزل

خود نگہباں بن کے جو چمن کی آبرو لوٹے
چمن والوں عقیدت چھوڑ دو ایسے نگہباں کی
ابھی تو موسم خشک بہت ہے بارش ہو تو دیکھیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے
کہیں روندی ہوئی کلیاں کہیں مسلے ہوئے غنچے
بہت ہی تلخ یادیں ہم دل ناداں میں رکھتے ہیں
اے باد دوست آج تو جی بھر کے دل دکھا
شائد یہ رات ہجر کی آئے نہ پھر کبھی

ملک سعید قمر۔۔۔ سرال خوشاب

غزل

محبت روگ ہے ایسا
جو سانسوں میں ملتا ہے
جو آنکھوں سے چھلکتا ہے
جو ذہنوں سے الجھتا ہے
محبت روگ ہے ایسا
جو خون میں رقص ہوتا ہے
جو دل میں رنگ بھرتا ہے
جو سوچوں میں مچلتا ہے
محبت ہے روگ ایسا
جسے سب یاد رکھتے ہیں
دل ناشاد رکھتے ہیں
بزم آباد رکھتے ہیں

مرزا خالد حسین۔۔۔۔۔۔۔۔اٹک

غزل

کیا غضب ہے کہ بناوٹ کی ادا پیار لگے
مجھ کو وہ سادی سی لڑکی بڑی پرکار لگے

بے درد مجھ سے اپنا تصور بھی چھین لے
ہاں تیری آرزوؤں کے قابل نہیں ہوں میں
یوں کر چکے وہ ترک راہ و رسم دوستی
جیسے ہم ان کو یاد نہ آئیں گے کبھی
وہ تو خوشبو ہے فضاؤں میں بکھر جائے گی
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا
اگر جدائی کا علم ہوتا تیرے پیار سے پہلے
میں مرنے کی دعا کرتا تیرے دیدار سے پہلے
ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو بھی مسل دیتے ہیں
دنیا میں رہے تو کئی دن یہ اس طرح
دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہمان رہے

حاجی عبداللطیف۔۔۔۔۔۔ساہیوال

"تجھ سنگ پریت لگائی"

تیری محبت میں
دیوانہ مستانہ
پھرتا ہوں بن کر جوگی
گلی گلی
اے میرے دل کی کلی
کبھی مسکرا کے تو بات تو سن
محبت کی بجتی ہے میرے دل میں دھن
تجھ سنگ پریت لگائے
تجھے دل میں بسائے
پھرتا ہوں ہر گلی
اے میرے دل کی کلی
آ کر میرا حال دل سن

میں کیسے زندہ ہوں
تجھ بن
میرا جینا محال ہے
کیا میری زندگی کا آخری سال ہے
اشکوں کی روانی ہے
میری پرنم کہانی ہے
تم سے دل لگا کر
میں نے زیست بھر
وفا کا جو عہد و پیمان کیا تھا
اس پہ آج بھی کاربند ہوں
مگر تم
مجھ سے نظریں چرائے
میرے دل کو دکھائے
یوں گزر جاتی ہو
جیسے
کبھی آشنائی نہ تھی
اے میری دلربا
کبھی میرے پاس تو آ
میں تجھے اپنا حال سناؤں
تیرے دل کے تار ہلاؤں
مجھے تجھ سے محبت ہے

جاوید اکرم کنول۔ ملتان

غزل

رات کا پچھلا پہر ہے راحت گھر چلیں
اونگھتی سڑکیں تمہارے درد کا درماں نہیں
خزاں کی دھوپ سے شکوہ کروں تو کیسے کروں
شیشہ دل کی طرح نازک ہیں میرے دل کے افسانے

رہ گئی داستاں غم ہونٹوں پہ آ کے
ل گئیں تمام آرزوئیں خاک میں ہماری
غنچے غنچے کی ہتھیلی پہ خوشبو کا چراغ
کون گزرا ہے ادھر سے زلف کو لہراتا ہوا
جو راز چھپانے والا تھا وہ کہہ دیا ہم نے ہر اک سے
ہم ملزم تھے اب مجرم رہیں آداب محبت بھول گئے
یہ اور بات ہے کہ تم پہ نثار کر دی ہے
عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی
کیا نہیں عہد محبت کے وہ لمحے یاد ہیں
ب نگاہیں بولتی تھیں اور ہم خاموش تھے

عبدالغفور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جہلم

غزل

اثر انداز نہیں گردش دوراں کا مزاج
آ گیا راس مجھے زلف پریشاں کا مزاج
وقت کی تیز ہواؤں سے ہوا ہوں روپوش
مجھ سے ملتا ہے چراغ تہہ داماں کا مزاج
ہم سنواریں گے تیری زلف پریشاں اے دوست!
ہم سمجھتے ہیں تری زلف پریشاں کا مزاج
جن کے قدموں سے لپٹی ہوئی ساحل کی زمین
کاش سمجھیں گے وہ ٹھہرے ہوئے طوفاں کا مزاج
عشق گلشن سے عنادل کی زباں سے نفرت
بن گیا کیسا یہ ارباب گلستاں کا مزاج
ژالہ باری کی ہے کچھ نیش تمنا جھرلو
بگڑا بگڑا سا ہے کچھ حسرت و ارماں کا مزاج

انیس الحسن صدیقی۔ کراچی

التجا مسلم

سلطان عظیم تھے قوت ایمانی سے
مگر آج رسوا ہوئے نازک ایماں سے

ہم نے چھوڑ دیا نصیحت کو اپنا لیا موسیقی کو
یہی وجہ ہے آج کافروں نے بنا لیا غلام ہم کو
عزت ہے اللہ و رسول کی مدد سے
مگر ہم بے عزت ہوئے کافروں کی رو سے
کشمیر و بوسنیا میں بے حرمتی ہو رہی ہے مسلمان
عورتوں کی
اور دیکھوں مسلمان کیسے مست ہیں نیند میں
جذبہ قاسم' فتح علی اور غزنوی لے کر آگے بڑھوں
اے مسلمانوں کہاں چلی گئی تمہاری غیرت آگے

﴿محمد عمران ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جھنگ﴾

غزل

یہ مانتا ہوں کہ میں تم کو پا نہیں سکتا
ترا خیال مگر دل سے جا نہیں سکتا
میں کر رہا تھا فقط تجربہ محبت کا
لگی ہے آگ اب ایسی بجھا نہیں سکتا
نہیں نہیں میرے دل میں درد تو ہے
مگر میں چہرے کے پہلو دکھا نہیں سکتا
خدا کرے میرے آنسوؤں میں بہہ جائے
یہ دل جو کہ تجھے اپنا بنا نہیں سکتا
اس احتیاط سے جاوید کہ راز فاش نہ ہو
میں رو تو سکتا ہوں' آنسو بہا نہیں سکتا

﴿عبدالحمید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ راولپنڈی﴾

غزل

مدت ہوئی تیرا شہر نہیں دیکھا
اب تو تیری گلی بھی یاد نہیں
تیری یاد میں دن گزر رہے ہیں
گزرے لمحوں کا شام و سحر یاد نہیں
آنکھوں میں تیری تصویر رہتی ہے
دکھ اور جدائی کا کوئی لمحہ بھی یاد نہیں
جگہ جگہ تم کو تلاش کیا ہے
منزل کا کوئی نشان بھی یاد نہیں

﴿حاجی نور محمد ۔۔۔ ضلع رحیم یار خان﴾

غزل

نہیں کوئی فرق میرے آج اور کل میں
تھی واماں جو تھی کل اگر میں
تھی دست ہوں آج بھی میں
کل نہ تھے جذبے میری دسترس میں
آج نہیں ہیں الفاظ میرے اختیار میں
مبہم سے کچھ تیرے خط کے الفاظ تھے
کچھ بھی تو نہ آیا میری سمجھ میں
مبہم سا جواب ملا مجھے میری باتوں کا
کھوئی رہی میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں
جذبوں میں یہ اپنے مجھ کو بھی تھا یقین
اور گم ہوئی تیری ذات کی بھول بھلیوں میں
جب مجھ کو آ گیا ہے تیری باتوں پہ یقین
اب تک بھی نہیں ہوں خود اپنی دسترس میں
تاباں آرزو۔ ملتان

غزل

عمر گزری ہے غم اٹھانے میں
زخم کھائے بہت زمانے میں
کیسی پائی کڑی سزا ہم نے
ایک تھوڑا سا مسکرانے میں
میرے اپنوں کی مہربانی سے
آگ لگی آگ آشیانے میں

کیا کریں ہم بھلا کہاں جائیں
کوئی اپنا نہیں زمانے میں
اے غم یار کیا ملا تجھ کو
میری الفت کو آزمانے میں
ایسی عادت ہو گئی اب تو
لطف آتا ہے زخم کھانے میں

محمد اصغر عباسی ------ کوٹلی (AK)

منصور سبزواری

ریلنگ کا بھی آخری پنجر اکھڑ گیا
لوٹے ہو اب کمبخت جب گھر اجڑ گیا
مٹی میں جس کی بند تھا اس عہد کا سکوں
وہ برکتوں کا ہاتھ تو آندھی میں جھڑ گیا
طوفان بار گرد میں کس کس کو روکیے
جب صلح کی ہوا چلی تو سمندر بگڑ گیا
پھنکارتی ہے وعدہ کی شام اژدہا صفت
لگتا ہے اس کے رستے میں سیلاب پڑ گیا
مصلوب اس خلوص سے اس نے کیا مجھے
سر میں وہ اپنی یاد کے ناخن بھی جڑ گیا
اذن سفر کے دینے سے پہلے ہی سوچتے
بچھڑے گا وہ سدا کے لیے گر بچھڑ گیا
اب صرف راہگذار ہے منزل نہیں ہے تو
اک نیزہ تیرے نیزہ سے آگے بھی گڑ گیا
تو سالم آسمان میں سیارہ حقیر
میرا زوال کیوں تیرے ماتھے پہ پڑ گیا
پچنے لگا ہے جلتی ہوئی تتلیوں کے رنگ
شاید ہوس کا پودا کوئی جڑ پکڑ گیا

ایم اشرف ------- ابوظہبی

غزل

کہاں گئے وہ عہد وفا نبھانے والے
راہ عشق پہ وفا کے گیت گانے والے
غم دوراں میں بھی جنہیں پاس وفا رہا
چشم تر کے ساتھ مسکرانے والے
تنہا درد سہہ کے خود کو مٹا لیا
درد کی جاگیر پیار سے چھپانے والے
چھن گئی بینائی کسی کی راہ تکتے تکتے
لوٹ کے آتے نہیں روٹھ کے جانے والے
وصل ضروری تو نہیں محبت میں
رسوا ہوئے ہیں کسی کو جو پانے والے
شاہد کیونکر اسے ماضی میں ڈھونڈتا ہوں
گئے دن نہیں ہیں اب لوٹ کے آنے والے

خیر النساء ---------- کراچی

غزل

کر دیا ہے رسوا زمانے نے ہمیں اک تیرے جانے سے
کتنے بے بس ہو گئے ہیں ہم اک تیرے جانے سے
کتنی خواہشیں تھیں دل میں کتنے تھے ارمان
سب ادھورے رہ گئے اک تیرے جانے سے
ہوتی تھیں آباد محفلیں کبھی ہم سے
اب اتنے تنہا ہو گئے ہیں اک تیرے جانے سے
خوشیوں میں کھل رہے تھے ہر غم سے آزاد تھے ہم
دکھوں کی پہچان ہو گئی اک تیرے جانے سے
تجھے چاہ کر بہت کچھ پایا تھا ہم نے زمانے سے
لیکن سب کچھ ہم نے کھو دیا اک تیرے جانے سے

فوزیہ بشیر۔ لاہور

غزل

کہاں میں کہاں تیرا ساتھ یہ میری سوچ کتنی فضول تھی
مجھے معاف کر میرے ہمسفر تجھے چاہنا میری بھول تھی

میں نے خود کو خود ہی مٹا دیا جو حساب تھا وہ چکا دیا
جو بھری گئی میری مانگ میں وہ تیرے قدموں کی دھول تھی
نہ شکوہ کیا زبان سے پس پردہ بیٹھ کے رو لیا
ذرا دیکھ آ کے او سنگدل تیری بے رخی بھی قبول تھی
ملی ٹھوکریں تمہیں قدم قدم میں سمیٹ لوں تیرے سارے غم
کیوں نہ جاں میں تجھ پر فدا کر دوں تو تو زندگی کا حصول تھی
کبھی میرے دل کی تھی یہ آرزو کہ میں کرتا اس سے بھی گفتگو
نہیں مجھ میں تاب نظارہ لب وہ کلی تو بن گئی پھول تھی
تو ساتھ ہے نہیں کوئی غم تیرے دم سے میرے دم میں دم
کیوں نہ شادماں ہوں کہ تیری قربت اس کو قبول تھی

محمد جاوید رانا۔۔۔۔۔۔۔۔ سندھ

غزل

پیار کرتے رہے تم سے ہم جاہل بن کے
اور لٹتے رہے تیرے پیار میں کامل بن کر
القاب دنیا نے ہیں بخشے زندہ و شرابی کے
پیار تجھ سے ہی کیا خوب ہم نے گھائل بن کے
دل میں تھی حسرت کہ قدم چوموں تیرے
ہوئے رسوا بھی بہت تیرے پاؤں کی پائل بن کے
برسوں کی جستجو سے پایا تھا خوشیاں میں نے
لے گیا اسے بہا کر وہ ظالم ساحل بن کے
لٹاتا رہا جس پہ تو خوشیاں اپنی ریاض
سرِ راہ لیا اس نے ہی تیرا سائل بن کے

عبدالجبار۔۔۔۔۔۔۔۔ دوحہ (قطر)

غزل

محبت کی نسبت ادا کوئی کیا کریگا
تجھ سے ہو کر خفا کوئی کیا کریگا

روٹھنے سے ہوگا تمہیں کیا فائدہ
نہیں تو پھر میرا کبھی نہ نام لینا
اپنا سمجھا تو سمجھوں گا پھر بھی تجھے
یوسف غوری چاہتا ہے پھر بھی تجھے
لاکھ نخرے کرو ہزار بہانے بناؤ
زندگی میں پیار سے مسکرا بناؤ

محمد یوسف غوری

کشمیر

کبھی حسین وادیوں کی سر زمین تھا کشمیر
جنت شاد و آباد تھا خوشی کی تصویر تھا کشمیر
جس کو دنیا کی جنت کہتے ہیں وہ تھا کشمیر
جس کو کہتے ہیں وادی بے نظیر وہ تھا کشمیر
جہاں حسن پروان چڑھتا تھا وہ تھا کشمیر
جہاں جنت کی حوریں رہتی ہیں وہ تھا کشمیر
مگر آج جو جل رہا ہے اجڑ رہا ہے وہ ہے کشمیر
جہاں بیٹیاں بیوہ ہو گئیں ہیں مر رہے ہیں وہ وہ ہے کشمیر
جہاں دن بھی تاریک رات بن گئے ہیں وہ ہے کشمیر
جہاں موت رقص کرتی ہے زندگی بے دل گرد ہے کشمیر
کیا تب ہوش میں آؤ گے جب نہ رہے گا کشمیر
جب اجڑ جائے گا لٹ جائے گا یہ کشمیر

محمد ادریس مجرج۔۔۔ لاہور

میں نہ مانوں گا

تم کچھ بھی کہہ لو اے بے وفا میں نہ مانوں گا
وہ میرا اور وے بد دعا میں نہ مانوں گا
ایک لمحے میں مل جاتی ہیں عمر بھر کی خوشیاں
تم کہتے ہو زندگی کو سزا میں نہ مانوں گا
رخ قمر کی روشنی سب کے لئے ہے
ہو الگ میرے ماہ کی ضیا میں نہ مانوں گا
کرتا ہے بے وفائی بھی تو احترام کے ساتھ

کنارے کو سمندر نہ کرے فنا میں نہ مانوں گا

یہ تو احترام جھک گئی ہیں جبیں دربار پہ

ہاں مگر کسی پتھر کو خدا میں نہ مانوں گا

کس کس کا نہیں توڑا دل اس بے وفا نے

اس بے رفا کو باوفا میں نہ مانوں گا

یہ مانا کہ مدت سے تک تعلق ہے گی

وہ اور مجھے کرے رسوا میں نہ مانوں گا

وقاص احمد ---------- مغلپورہ لاہور

غزل

میری نظروں نے دیکھا ہے جو منظر
وہ دھندلائے گا تو جینے کے لیے سوچے گا
ساتھا نشتر غم عشق اترنے
تو مٹنے کے لیے سوچے گا
چاند روشن ہے ابھی کیوں کرے گا میری آرزو
اندھیرے چھا جائیں گے تو میرے لیے سوچے گا
وہ ظالم بھی میرے ساتھ نہیں چلتا یارو
تنہا مسافتوں سے نکلے گا تو صفر کے لیے سوچے گا
ہم اکیلے بھی اس گمان سے گزر جانا ہے
بند کواڑوں کو دیکھے گا تو میرے لیے سوچے گا
نیت انتظار میں ہجر کی رات کٹ رہی ہم نے اس بار
کون کل تک جیئے گا تو ادریس سحر کے لیے سوچے گا
محمد ادریس مجبور۔ لاہور

غزل

نہ جلاؤ گھر ابھی تو رات ہے اور بادل بھی کالے ہیں
لرزاں سمجھے ہو تم جس کو کسی بے کس کے نالے ہیں
مریضوں کا دم آنکھوں میں ہے اور وہ محو زرائش
وہاں دشمنوں کی لالی ہے، جہاں جانوں کے لالے ہیں
عبادت کو جو روز آتے ہو، اس کا شکریہ لیکن
کبھی سوچا قضا کے وقت تم نے کتنے نالے ہیں

تو ہی اے ضبط غم ایسے میں غم کی آبرو رکھ لے
بھری محفل ہے اور آنکھوں میں آنسو آنے والے ہیں
نجانے حشر کیا ہو راہ رو، راہ محبت کا
ہے منزل دور، سر پہ شام ہے، پاؤں میں چھالے ہیں
ہوا کچھ تم کو اپنے ظلم کا محشر میں اندازہ
خدا کے سامنے جتنے بھی ہیں سب فریاد والے ہیں
ہمارا کارواں اب تک تو منزل پہ پہنچ جاتا
مگر یہ راستے میں پیچ و خم تو راہبر نے ڈالے ہیں
بہاروں کی خبر سن کر قفس میں تو رو دیتا ہوں
کسی سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پر کاٹ ڈالے ہیں
محبت میں نظر آتا نہیں اہل محبت کو
کہ دنیا میں اندھیرے چھا رہے ہیں یا اجالے ہیں

محمد افضل ---------- دوبئی

غزل

زمانے کا جب بھی چلن دیکھا ہوں
تو اک اپنے دل میں چبھن دیکھا ہوں
جھکی جاتی ہیں خود بخود نگاہیں
سر راہ جب عریاں بدن دیکھا ہوں
کسی کو کسی کی خبر ہی نہیں ہے
سبھی کو اسی میں مگن دیکھا ہوں
روش جب سے بدلی ہے دنیا نے اپنی
تو دل میں عجب سی گھٹن دیکھا ہوں
زن و مرد میں اب نہیں کوئی فرق
کہ دونوں میں یکساں چلن دیکھا ہوں
ملاقات ہر اک سے ہے مگر اب
نہ ہے لوث کوئی لگن دیکھا ہوں
ہو دیدار آقا کے روضے کا جاوید
ازل سے یہ دل کی لگن دیکھا ہوں

محمد فاروق ---------- فیصل آباد

گلستان

انچارج
روبینہ کوثر

کوپن ماہ ستمبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اقوال زریں لطیفے اور معلوماتی تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

گلستان ...... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

زبان

☺ زبان گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر یہ انسان کو ذلیل بخوار کر دیتا ہے۔

☺ یاد رہے زبان ہی انسان کو عظیم بناتی ہے۔

☺ تین انچ کی زبان چھ فٹ کے آدمی کو مارنے کی طاقت رکھتی ہے۔

☺ انسان کی قابلیت اس کی زبان میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

☺ زبان کی ذرا سی غلطی انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

☆ امن فضاء۔ پشاور

ماں

✿ اپنی ماں کی خدمت کرنا بھی ایک جہاد ہے۔

✿ جس نے ماں کی خدمت کی وہ شخص سب سے خوش نصیب اور خوش قسمت ہے۔

✿ ماں کے بغیر گھر ایک ویران قبرستان ہے۔

✿ جس شخص کو اپنی ماں کا ذرہ برابر بھی خیال نہ آیا وہ شخص اس دنیا میں ذلیل رہے گا اور آخرت میں بھی۔

✿ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

☆ فضاء ماہرہ۔ پشاور

ہنس بیتی

ہم ریل گاڑی کے ذریعے پشاور جا رہے تھے۔ گاڑی کی رفتار انتہائی سست تھی۔ تمام مسافر اس سفر سے بور اور اکتائے ہوئے لگ رہے تھے۔ ایک صاحب جو میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھ سے دریافت کرتے۔

''کیا پشاور آ گیا ہے؟'' میں نفی میں جواب دے دیتا۔ وہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتے۔ کئی مرتبہ پوچھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے پھر انہیں نفی میں جواب دیا۔ تو وہ اس مرتبہ ریڈیو لگا کر بیٹھ گئے۔ اچانک ریڈیو سے آواز گونجی۔

''یہ ریڈیو پاکستان پشاور ہے۔'' وہ دیوانہ وار مجھ سے بولے۔

''لو پشاور آ گیا ہے۔''

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان



سنہرے اصول

☆ انصاف کو ہر حال میں مد نظر رکھو۔
☆ خدا سے نیک انجام کی دعا کرتے رہو۔
☆ اپنے گناہوں سے ہمیشہ توبہ کرتے رہو۔
☆ دنیا کو دین پر غالب نہ آنے دو۔
☆ کسی کی عیادت کو جاؤ تو زیادہ نہ بیٹھو۔
☆ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر نہ ہنسو۔
☆ کسی کا پوشیدہ راز ظاہر مت کرو۔
☆ کسی پاک کتاب کو بے وضو نہ چھوؤ۔
☆ دانتوں کا کام آنتوں سے مت لو۔
☆ گاڑی میں بیٹھ کر مسافروں سے نہ لڑو۔
☆ دوست کی صلاح کے بغیر کوئی کام نہ کرو۔
☆ اندھوں اور بہروں سے مذاق نہ کرو۔
☆ دنیا میں جہاں تک ہو سکے تعلقات قائم کرو۔

☆ بشارت صدیق۔ لاہور

اقوال زریں

دل بھی کیا خوب چیز ہے جو درد چھپا کر رکھتا ہے جو لوگ دوسروں کے لیے دل کا دروازہ بند رکھتے ہیں شاید وہ ان کے لیے گھر کا دروازہ بھی بند ہو گا۔

دولت دنیا کا حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں اگر تم سے ہو سکے تو کسی کا دل قابو میں کر لو۔

کسی کا دل مت دکھاؤ ہو سکتا ہے وہ آنسو تمہارے لیے سزا بن جائیں۔

قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔

کسی کے چہرے کی طرف مت جائیے کیونکہ وہ ایک بند کتاب ہے۔

خاموشی دل اور روح کا سکون ہے۔

خاموش رہو یا ایسی بات کرو جو خاموشی سے بہتر ہو۔

☆ سیمین بشارت۔ لاہور

معلومات برائے خواتین

☆ مردوں سے علیحدہ ہو کر چلیں
☆ راستوں کے درمیان سے نہ گزریں بلکہ کناروں پر چلیں۔
☆ چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔
☆ جو عورت شان (بڑائی) ظاہر کرنے کے لیے سونے کا زیور پہنے گی تو عذاب ہو گا۔
☆ عورت کو اپنے ہاتھ میں مہندی لگاتے رہنا چاہیے۔
☆ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو نہ آئے یعنی بہت معمولی خوشبو ہو۔
☆ باریک کپڑا نہ پہنیں۔
☆ اگر دوپٹہ باریک ہو تو اس کے نیچے موٹا کپڑا لگا لیں۔
☆ بجنے والا زیور نہ پہنیں (ابو داؤد)
☆ جو عورتیں مردوں کی شکل و صورت اختیار کریں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔
☆ اور فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ ہرگز

کوئی (نامحرم) مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے اور ہرگز کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس حال کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ (بخاری شریف)

☆ بیچ میں ایک دن چھوڑ کر کنگھا کیا کرو یعنی حضور پاک ﷺ روزانہ کنگھی کا شغل پسند نہیں کرتے (ترمذی)۔

☆ آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔

☆ لڑکوں کے سامنے کوئی بات بے شرمی کی مت کہو۔

ولی اللہ خان صادق۔ کلابٹ ضلع صوابی

سادگی

ایک دیہاتی پہلی بار ہوائی جہاز میں سوار ہوا۔ جہاز کے فلائی کے کچھ دیر بعد ایئر ہوسٹس آئی تو دیہاتی نے سوال کیا۔

جہاز کا پیٹرول چیک کر لیا تھا؟

ایئر ہوسٹس: جی ہاں

دیہاتی: پہیوں میں ہوا ٹھیک تھی؟

ایئر ہوسٹس: جی ہاں

دیہاتی: انجن بھی چیک کیا تھا باقی وائرنگ سب ٹھیک تھا ناں؟

ایئر ہوسٹس: جی ہاں سب چیک کیا ہے مگر یہ تمام باتیں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔

دیہاتی: اس لیے کہ کہیں راستے میں جہاز کو دھکا نہ لگانا پڑ جائے۔

(محمد انوار الحق طاہر الہ آباد)

بابا زندہ پیر

ضلع ڈی جی خان کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ بابا زندہ پیر کے نام سے مشہور ہے اس پہاڑ میں ایک اللہ کے نیک بندے نے کچھ دن قیام کیا اور اس کے بعد اپنی اونٹنی سمیت پہاڑ کی غار کے اندر داخل ہو گئے اس ولی اللہ اور اونٹنی کے قدم مبارک آج بھی پہاڑ پر آویزاں ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کا برگزید بندہ وضو کیا کرتا تھا وہی پہاڑ کے اوپر ایک ایسی خوشبو دار بوٹی پیدا ہوئی جس کے پھول اور پتے کسی کے پاس ایک دن بھی رہیں تو ہفتو خوشبو اس آدمی کے ساتھ بستی رہتی ہے اس ولی کا ہر سال شاندار طریقہ سے عرس منایا جاتا ہے۔ اس جگہ پانی ایک کرامت سے کم نہیں خدا نے اس بزرگ کے صدقہ اس میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ خواہ خارش کی بیماری کیسی ہی کیوں نہ ہو چاہے پھٹ پھوڑے ہوں یا سرخ دانوں سے خون نکل آتا ہو اگر کوئی کامل یقین ہو کر آئے تو خدا کی قسم اس مرض سے خدا کے کرم و فضل اور اللہ کے پیارے بندے کے طفیل شفایاب ہو سکتا ہے یہ میرا لیوں کے منکر کو چیلنج ہے آیئے اللہ کے بزرگ کی شان دیکھیں اور رب العزت کی قدرت کا انمول تحفہ جو ایک کامل بزرگ کے وسیلہ سے ہمیں میسر ہے آزمائیں اور خدا کا شکر ادا کریں۔ سبحان اللہ

غلام اکبر خان لغاری----ڈی۔جی۔خان

دوستی کا پھول

دنیا میں قسم قسم کے پھول ہیں مگر لازوال مہک رکھنے والا پھول دوستی کا پھول ہے جس سے فضائیں چہرہ اور دل مسرور ہو جاتے ہیں یہ پھول اس زمانے میں نایاب ہے اس پھول کو نرم و گداز دل اور احساس زمین پر کاشت کر کے خون جگر تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس کی نشوونما کے لیے اعتماد و اعتبار اور خلوص بہترین بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ مہر و محبت وفا ایثار اور

ہمدردی کی نرم و لطیف آب و ہوا میں خوب پھلتا پھولتا ہے۔ اسے شکوک و شبہات اور بدگمانیوں کی باد سموم سے محفوظ رکھیں ورنہ حسد بغض و کینہ جیسے امراض اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ وہ کلیاں مرجھا کر سوکھ جاتی ہیں۔ اور بے جان ٹہنیاں تنہا یاروں کی مانند رہ جاتی ہیں۔

غلام اصغر خان۔ یزدان شرقی

شمع پروانہ

شاعر ادیب اور فنکار نیز جتنے بھی میں نے "ادب" سے تعلق رکھنے والے افراد دیکھے ہیں۔ جتنی بھی تحریریں، غزلیں اور نظمیں میں نے پڑھی اور سنی ہیں، ان سب میں شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں نے شمع کو محبوب اور پروانے کو عاشق بنا کر پیش کیا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ شاعر اور ادیب حضرات شمع، پروانے کو محبت کی مثال بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مجھے ان فنکاروں سے اختلاف ہے میں یہ کہتا ہوں کہ پروانہ شمع سے محبت نہیں کرتا اور میں یہ بات ثابت کرتا ہوں، اور قارئین سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری بات سے اتفاق کریں گے۔

شمع جب جلتی ہے تو تھوڑی دیر میں پروانے شمع کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ شمع کے دامن میں بیٹھ کر لطف زندگی پاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پروانے مرنے لگ جاتے ہیں۔ اور یوں شمع کے پاس پروانوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں نے بس یہیں تک دیکھا ہے۔ اس سے آگے کیا ہوتا ہے، اس کا مطالعہ ان لوگوں نے نہیں کیا اس سے آگے بھی سنئے کیا ہوتا ہے۔

جب شمع بجھ جاتی ہے تو جو پروانے زندہ ہوتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ شمع سے دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اسطرح شمع تنہا رہ جاتی ہے، اس کے پاس کوئی پروانہ نہیں رہتا۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ پروانہ شمع سے محبت نہیں کرتا۔ اگر پروانے کو ذرا بھر بھی شمع سے محبت ہوتی تو وہ شمع کے فراق میں مرتا۔ شمع کی جدائی میں پروانہ مرتا۔ نہ کہ شمع کی موجودگی میں مرتا۔ فرہاد اور شیریں کو محبت کی مثال سے پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فرہاد کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ شیریں مر گئی ہے، تو اس نے یہ سوچ کر خودکشی کی کہ جس کی خاطر میں زندہ تھا، وہ نہ رہی تو میں کس لیے زندہ رہوں۔ محبت میں شمع پروانے کی کوئی حقیقت نہیں، پروانہ تو فقط دل لگی کرتا ہے تاکہ محبت، محبت کے اصولوں سے پروانہ واقف نہیں۔ اور اگر واقفیت ہونے کے ساتھ اسے محبت ہوتی تو یہ فراق میں جان دیتا۔ وصال میں نہ دیتا۔ امید کرتا ہوں کہ شمع پروانے کی مثال دے کر محبت کو بدنام نہ کیا جائے گا۔

عشق تو نام ہے خود کو ختم کر دینے کا
خودی رہی تو عشق رہے گا کہاں

ساجد محمود خان قاصر۔ نری خیل میانوالی

گولڈن موتی

☆ اگر مانگنا ہے تو خدا سے مانگ جس نے تجھے پیدا کیا۔

☆ اگر روزی عقل سے حاصل کی جاتی تو دنیا کے سارے بے وقوف بھوکے مر جاتے۔

☆ بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے۔

☆ زندگی غم کا دوسرا نام ہے اسے برداشت کرنا سیکھ۔

☆ وہ اچھی خوراک نہیں ہے بلکہ زہر ہے جسے ایک کھائے اور دوسرا دیکھے۔
☆ انسان سمندر میں گر جائے تو بچ جاتا ہے۔ اگر آنسوؤں میں بھیگ جائے تو مر جاتا ہے۔
☆ سخت کلامی آگ کا وہ شعلہ ہے جو ہمیشہ داغ چھوڑتا ہے۔
☆ انسان سے محبت کرنا خدا سے محبت کرنا ہے۔

ملک ایم احمد نعیم جھنگوی۔لاہور

خزاں کی مانند

کہتے ہیں کہ انسان کے اندر کا موسم اگر خوشگوار ہو تو خزاں میں بھی بہار کا سا سماں نظر آتا ہے اگر بہار کے موسم میں بھی اندر کا موسم ناخوشگوار ہو تو پھر ہر سو ویرانی اور ہر شے بکھری بکھری دکھائی دینے لگتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم خود سے اتنی امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں جو حقیقت میں سراب ثابت ہوتی ہیں اور وقت آنے پر ہم خود سے نادم نادم رہتے ہیں یا کسی اور سے جس سے دل و جان کا تعلق پیدا کر لیا جائے؟

رہنا تو خار دار راستوں میں اپنا راستہ ہموار کرنی ہے یہی تو وہ جذبہ اور الوث رشتہ ہوتا ہے جو چنگاری سے شعلہ بننے میں دیر نہیں لگاتا ایک ہی نظر میں کوئی روح کی رفعان گہرائیوں میں اتر آتا ہے ایک ہی ملاقات میں کوئی برسوں کا شناسا محسوس ہوتا ہے اور ایک ہی نظر میں کوئی دل و جان کا مالک بن بیٹھتا ہے۔

اگر انسان کے بس میں ہو تو وہ کیوں بار بار پُر خار راستوں سے گزر کے اس دریا کو عبور کرے؟ مادی اشیاء کو تو پایا جا سکتا ہے لیکن یہ بے نام جذبے یہ بے قرار سوچیں یہ بکھرے بکھرے خیالات اور کس سے کہے کو کس قدر الفت و چاہت ہے ان کو کب شمار کیا جا سکتا ہے یہ تو جذبات اور احساسات ہوتے ہیں جو کہ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور ایسے ہی جذبات و احساسات کو جب ہم کسی سے منسلک کر لیتے ہیں تو وہ ہمارا کس قدر آئیڈیل بن جاتا ہے پھر اس شخص کا طرز تکلم طرز تبسم طرز تفکر اور طرز زندگی اس کے قریب کر دیتا ہے پھر ہم ایسے شخص سے بہت سی امیدیں اور توقعات وابستہ کر لیتے ہیں ایسا ہی شخص جو ہمارے لیئے محبوب کا درجہ رکھتا ہے اس کے قول و فعل میں تضاد، کجروی، اور کج ادائی جب آشکارا ہوتی ہے تو دل میں بنے گھروندے اور آنکھوں میں بنے سپنے سب ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور تمام خیالات پر اوس پڑ جاتی ہے اور اسطرح بہار کا موسم بھی خزاں کی مانند لگنے لگتا ہے۔

عشرت جہاں۔فیصل آباد

"اقوال زریں"

۱۔ کسی سے نیکی کر کے بدلے کی توقع مت رکھو کیوں کہ بھلائی کا بدلا انسان نہیں خدا دیتا ہے۔
۲۔ خاموش اور کم گو آدمی ہر جگہ اور ہر وقت استقلال ہوتا ہے۔
۳۔ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔
۴۔ ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ تکلیف اٹھالو۔
۵۔ غصہ شمع انسانیت کو بجھا دیتی ہے۔
۶۔ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
۷۔ علم مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں سے ملے تلاش کر لے۔

منور علی انصاری---------- سکھر

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک ذہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئز

☆کوپن برائے ماہ ستمبر 2014ء☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اسی ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ انٹریز اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع...... کٹنگ یا دوسری رائٹنگ، فوٹو کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1۔ سوال...... جامع مسجد "استقلال" کس ملک میں ہے......؟

جواب

2۔ سوال...... پاکستان کے کس صوبے میں سب سے زیادہ جنگلات ہیں......؟

جواب

3۔ سوال...... زمین کے سب سے نزدیک سیارے کا نام بتائیں......؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ اگست 2014ء کے درست جوابات

(1) کرۂ ہوائی میں سب سے زیادہ گیس نائٹروجن موجود ہے (2) عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابہ کرامؓ ہیں جنہیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی (3) سب سے پہلے مسلمانوں نے ملک "شام" فتح کیا۔

اس ماہ کی ونر ہیں "آمنہ حق" سیالکوٹ، سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

لکھیں...... سچی کہانی کوئز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530